بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نیا سال اور نئے دھڑکے

کبھی زبان پہ تھا "نیا سال اور نئی امیدین"، یا زمانے کا رنگ ایسا بدلا کہ اب کہتے ہین نیا سال اور نئے دھڑکے"۔ کاش وہی ہوتا جو ایک اگلا سخن سنج کہہ گیا ہے کہ۔

گرما بگذشت واین دلِ زار ہمان . سرما بگذشت واین دل زار ہمان

القصہ ہزار گرم و سرد عالم . بر ما بگذشت واین دل زار ہمان

اب تو اس کے لالے پڑ گئے ہین کہ جو پریشانیان کل تھین کاش آج بھی وہی رہتین اور کوئی نئی آفت نہ آتی۔ مگر کسے خبر ہے کہ کل کیا ہوگا؟ ایسی بے خبری مین کبھی کبھی انسان کے لیے کامیابی و کامرانی کی جھلک پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن بدنصیبی سے ہمین ہر وقت کسی نئی مصیبت اور کسی نئے خطرے ہی کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ دل مضبوط کرتے ہین۔ صورت کو زبردستیان کر کر کے بشاش بناتے ہین۔ تاکہ کوئی یہ گھبراہٹ کی صورت دیکھ کے دشمنون کو خبر نہ کر دے کہ پریشان ہین اور گھبرائے ہوئے ہین۔ دشمن کے جاسوس شہر شہر اور گاؤن گاؤن موجود ہین۔ ذرا ذرا سی باتون کی خبر پہونچ جاتی ہے۔ کسی نے ہماری اِس پریشانی و بدحواسی کا حال بتا دیا تو خوش ہو گا کہ اِن کا حوصلہ پست ہو گیا۔ ہمت ٹوٹ گئی۔ اور اب بتی بولا ہی چاہتے ہین۔

کوئی کمبخت سے کہے حوصلہ سپاہیون کا دیکھا جاتا ہے۔ اور ہمت لڑنے والون کی دیکھنی چاہیے ہمارے نبرد آزما تو اسی طرح خوش و خرم

حوصلہ پست ہو تو کوئی بات بھی ہے۔ ہماری گھبراہٹ سے نہ ہماری فوج کا کچھ بگڑ سکتا ہے نہ ہماری سرکار کی چتونون پہ میل آسکتا ہے۔ ہم گھرون کے بیٹھنے والے۔ لکھنے پڑھنے کے عادی اور عہدی۔ بے چوڑیون کے گھرگرہست۔ بے گھونگھٹ کے پردہ نشین۔ ہمارا حوصلہ پست ہوا تو کیا اور بلند ہوا تو کیا۔ مگر نہین۔ وہ یہی دیکھتا رہتا ہے کہ اِن کے تیور کیسے ہین۔ اور اِن کے جسم و ابرو سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اور کبھی خدانخواستہ ذرا بھی کمزوری نظر آگئی تو دنیا بھر مین ڈھنڈورا پیٹ دیتا ہے۔

اُدھر تو اُس کا ڈر لگا ہے ادھر یہ حال ہے کہ خود اپنے حکام کے تیور دیکھ دیکھ کے دم نکلا جاتا ہے۔ اُن کی تاکید ہے کہ چاہے دل مین کچھ ہو مگر زبان سے حرف شکایت نہ نکلے۔ اُف کی اور زبان کاٹ لی گئی۔ کان ہلائے اور ناک ندارد۔ خبردار نہ ہراس ظاہر ہو نہ خوف۔ کسی کو نہ نظر آئے کہ گھبرائے ہوئے ہو۔ کلیجا چاہے بلیون اُچھلے۔ دل چاہے دھڑکتے سینے مین شگاف ڈالدے۔ مگر پاس والے کو خبر نہ ہو کہ تم بدحواس ہو۔

پھر اُس کے ساتھ حالت یہ ہے کہ ٹکے ٹکے کی چیز کو ترس رہے ہین۔ گھر مین بیٹھنے والیون کو کیا چاہیے؟ روٹی کپڑا۔ وہی ندارد۔ مانا کہ ہم گھر مین بیٹھنے والی نہین والے ہین۔ لیکن آخر پیٹ کا دوزخ تو ہمارے ساتھ بھی لگا ہے؟ ستر پوشی کی ضرورت تو ہمین بھی ہے؟ یہ فکر دور ہو تو خیر زبردستی ہی سہی ہنسنے والون کی صورت بنالین۔ تن کو کپڑا ہو تو دل ہزار پستی دکھائے اکڑ کے بیٹھ جائین۔ اور خواہ مخواہ کو برنے لگین۔ مگر افسوس نہ ہنستے بنتی ہے نہ روتے۔

پہلے رنگ ندارد ہو گیا تھا۔ جس کے ساتھ وہ رنگ برنگ دوپٹے غائب اور بغیر معتبر نائی کے آئے بی گھر بیسی کے بیوہ ہو جانے کا یقین ہو گیا ہے۔ سارا سہاگ چوڑیون سے تھا وہ بھی حرمن کی تھین۔ ندارد۔ مدت سے کپڑے بھی نہین

نہین اُن کا جوڑا کہان سے بنے؟"

ہماری حالت تو یہ ہو رہی ہے - اور چنگیز خان کے بڑے بھائی میان سنہ سترہ خان بہادر دروازے پر کھڑے پکار رہے ہین کہ ذرا باہر آ کے ہم سے تو بغلگیر ہو لیجیے - اِس موقع پر نئے برس سے ملنے اور سال کے پہلے دن صورت دکھانے کے لیے ہر شخص اپنی حیثیت کے موافق بن ٹھن کے نکلتا اور گردش ایام کی مشین کے اس تازہ وارد انجنیر سے اچھے ٹھاٹ سے ملتا ہے. مگر اب کہین تو شکایت ہو گی - جن فتنہ جو اور خون آشام بزرگ سے آپ نے چارج لیا ہے اُنھون نے یہ منحوس صورت ہی اِس قابل نہ رکھی کہ کسی کو دکھائین - ایک سوئی تک تو نصیب نہین کہ گھر والی پھٹے پُرانے کپڑون ہی کو گانٹھ کے درست کر دین - اچھا پھٹے ہی کپڑے سہی اتنا تو ہوتا کہ نہاتے دھوتے اور وہی پھٹا پُرانا جوڑا دھو کے پہن لیتے - مگر خدا بھلا کرے آپ کے ماسبق مہربان سنہ ۱۹۱۷ خان کا جنھون نے ہماری میونسپلٹی کے واٹر ورکس کو بھی اِس قابل نہ رکھا کہ ہم اپنا پنڈا دھوئین اور بیوی میلے کپڑے دھوئین -

بہر حال سرکار خوش ہو یا ناخوش ہم تو اس صورت سے باہر نہ نکلین گے - ۱۹۱۷ء صاحب جس طرح زبردستی دنیا مین آ دھمکے ہین اُسی طرح بغیر "گھر کے لوگو پردہ کر لو" کی صدا لگائے ہمارے گھرون مین بھی گھس پڑین - نئے دوستون اور تازہ وارد مہمانون سے مل کے انسان عموماً خوش ہو جاتا ہے - کیسی ہی فکرین ہون دو گھڑی کو بھول جاتی ہین اور دل بہل جاتا ہے - اِس مہیب و ہولناک مہمان کی قہار صورت دیکھ کے سوا اِس کے کہ ہماری دھڑکن اور بڑھ جائے اور رہے سہے حواس بھی رفو چکر ہو جائین اور کیا امید ہو سکتی ہے؟ بہر حال ہم نے تو اِس ظالم برس کے استقبال مین گھر سے قدم نہین نکالا - اور ہماری طرح یقیناً ساری دنیا نے بھی یہی کیا ہو گا - لیکن اِسے مطلق پروا نہین - یہ آیا اور ہر گھر مین داخل ہو گیا - لوگون نے لاکھ آنکھیں بند کر لین منہ پھیرا مگر اس کی خوفناک صورت نظر کے

سامنے ہو ہی گئی۔

ہم تو ڈر کے مارے سمٹ گئے۔ اور جس طرح بھیڑیے کے آگے
بندر بےحس و حرکت بیٹھ جاتا ہے کہ بھائی جو جی چاہے کرو ہم ہر مصیبت کے
برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ مگر جن مستقل مزاجوں کو خدا نے مضبوط
دل دیے ہیں سنبھل کے بیٹھ گئے۔ ۱۶ء نے اپنے عہد میں دنیا پر جو جو مظالم
کیے تھے اُن کی مکمل خونین فہرست چپکے سے پیش کر دی اور کہا "آپ کے
بڑے بھائی نے تو یہ کیا اب آپ بھی اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔ بلکہ
آپ کے تیوروں سے آپ کا مزاج پہچان کے صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ

ستم ہی کرنا جفا ہی کرنا نگاہ اُلفت کبھی نہ کرنا   تمھیں قسم ہے ہمارے سر کی ہمارے حق میں کمی نہ کرنا

بادی النظر میں ان تازہ وارد بزرگ ۱۷ء کا رنگ سب سے بڑھا چڑھا معلوم ہوتا ہے
ان کے آنے سے پہلے ہی دشمن انسان جرمنی کے بعض سپہ سالاروں اور ذمہ دار
افسروں نے کہنا شروع کیا کہ ۱۷ء میں ایسی لڑائیاں لڑی جائیں گی جن سے
کسی نتیجے تک پہونچنے کی جلدی امید کی جا سکے گی۔ اس کے ساتھ ہی ولایتی
ڈاک مکرر وسہ کرر بتاتی ہے کہ فی الحال جرمنی میں غیر معمولی تیاریاں ہو رہی
ہیں۔ اور اُن کے بحری کارخانوں میں غیر معمولی سرگرمی اور خطرناک ہنگامہ
بپا ہے۔ یہ قطعی ہے اور تمھیں یقین نہ آتا ہو تو اپنی سرکار کی طرح جیسی قسم کہو کھا کے
کہہ دیں کہ فتح ہماری ہی ہوگی۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ شیطان مارتا نہیں
ہلاک کرتا ہے؟ ظالم ہارے گا ضرور مگر خدا جانے کیسی آفت جوت کے؟ اور
دنیا کو کس دہاڑے کو پہونچا کے؟

کہتے ہیں کہ جور اُٹھاتے اُٹھاتے ظلم برداشت کرنے کی بھی عادت پڑ جاتی
ہے۔ مگر افسوس ہمیں تو یہ عادت نہ پڑی۔ اور پڑے کیسے جبکہ زمانے کا رنگ
تو یہ ہے کہ روز نیا ظلم ہوتا ہے۔ اور ہر گھڑی نئے ستم ایجاد ہوتے ہیں۔ ایک
کی اچھی طرح عادت نہیں پڑنے پاتی اور اُس میں مزا آنا نہیں شروع ہوتا
کہ کوئی نئی ستمگری اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اور پھر وہی پریشانی وہی حیرانی اور

اور سب باتین تو خیر ہنسی ہین ہمین جو اپنے قدر افزا کرم فرماؤن سے وقتاً فوقتاً ملنے کا اتفاق ہو جاتا ہے یہ بھی کمبخت ۱۹۱۶ء سے بہ شکل دکھا گیا اور یہی مذاق ۱۹۱۷ء کا بھی معلوم ہوتا ہے۔ ہم سپہگر اور خنگ جو لوگ نہین ہین کہ تازہ دم گھوڑون پہ سوار ہو کے دشمن پر دھاوا کرین۔ ہم تو فقط کاغذ کے گھوڑے دوڑانا جانتے ہین۔ مگر ان ظالم و سنگدل ابنائے زمانہ کو یہ بھی نہین گوارا کہ یہ مہینے پیچھے کی مکتوب والی ادھوری ملاقات ہی ہو جایا کرے۔ کاغذ روشنائی اور چھاپنے کا تمام ضروری سامان گرانی کی انتہائی درجے کو پہونچ گیا۔ اور اب ابھی اطمینان نہین کہ عالم علم و ادب کی یہ آفت اور تصنیف و تالیف کی یہ عالمگیر مصیبت کب دور ہوگی؟

دلگداز کو بُرے بھلے ہر طرح کے برسون سے سابقہ پڑ چکا ہے۔ وہ زمانے کی مار کھا کھا ہی کے سنبھلا ہے۔ انھین نازک زمانون اور اسی قسم کی مضرتون نے اُسے سخت جان بنا دیا ہے۔ اب اُس مین زمانے سے لڑنے کی قوت آگئی۔ اور ہمین یقین ہے کہ جس مردانگی و استقلال سے اس نے جفاکار سال گزشتہ کا مقابلہ کر لیا اِس نئے خونخوار برس کا بھی مقابلہ کرے گا۔

اگلے برس کے آخر مین اُس کی اشاعت ذرا تاخیر سے ہوئی۔ اور محض کاغذ کی دشواریون کے باعث نومبر و دسمبر کے پرچے اوائل فروری مین شائع ہوئے۔ اور یہ جنوری کا پرچہ بھی فروری ہی مین حاضر ہوتا ہے۔ نیز امید واثق ہے کہ بہت ہی جلد ہم انتظام درست کر لین گے۔ اس لیے کہ جس طرح ہماری سلطنت کو اپنے دشمنون پر فتح پانے کا قطعی یقین ہے اُسی طرح ہمین بھی پورا یقین ہے کہ ہم نے زمانے پر فتح پالی۔ پہلے خوفناک دیو ۱۹۱۶ء کو تو لڑ بھڑ کے بھگا دیا اب یون نہین انشاءاللہ اس دوسرے دیو بلکہ لڑائی کے دیوتا ۱۹۱۷ء کو بھی دنیا سے نکال باہر کرین گے۔ اور خوشی و خرمی کے ساتھ آیندہ سال فتح و نصرت۔ امن و امان۔ اور مسرت و شادکامی کی زندگی بسر کرین گے۔

افضل الدولہ ابو المجد محمد بن ابی الحکم الباہلی

یہ چھٹی صدی ہجری کے ایک طبیب حاذق اور معالج بے ہمتا تھے۔ جن دنون اسلامی ممالک سے بہتر اطبا کسی قوم اور کسی سرزمین کو نہین نصیب تھے۔ لیکن کمال یہ تھا کہ فقط طبیب ہی نہین ایک عالم بے بدل اور فاضل گران پایہ بھی تھے۔ چنانچہ وہی بزرگ اُس عہد کے قاضی بھی تھے۔ اور جس طرح اطبائے بے بدل مین شمار کیے جاتے اُسی طرح اعلی درجے کے مشہور زمانہ قاضیون مین بھی اُن کا شمار تھا۔ طب و فقہ کے سوا علوم ہندسہ و ہیئات و نجوم مین بھی اُن کو کمال حاصل تھا۔

لیکن یہ سب کمالات تو آج کل کے علما مین چندان غیر متناسب نہ تصور کیے جائین گے۔ حیرت کی یہ بات ہے کہ ایک فاضل بے بدل اور فقیہ بے ہمتا ہونے اور مسلمانون کے مستند و معتمد علیہ قاضی شرع منتخب ہونے کے ساتھ وہ علم موسیقی مین بھی یکتا تھے۔ اور زمانے مین بے نظیر مانے جاتے۔ بہت ہی اچھا گاتے اور سرود نوازی مین غیر معمولی کمال دکھا دیتے۔ ایک سرود ہی نہین مشہور تھا کہ تمام آلات موسیقی کے بجانے مین وہ لاجواب اُستاد ہین۔ اور اپنا جواب نہین رکھتے۔ آلات طرب کے استعمال مین اُنھین ایسی مجتہدانہ قابلیت حاصل ہو گئی تھی کہ تمام باجون کو ناکافی خیال کر کے اُنھون نے ایک آرگن (ارغنون) خود ایجاد کیا تھا۔ اور مسلسل ترمیمین کر کر کے اور سرون اور لیئون کی ضرورتون کا لحاظ کر کے اُسے اِس قدر مکمل کر لیا تھا کہ اُسے تمام مروّجہ باجون پر فوقیت حاصل ہو گئی تھی۔

طب اپنے والد اور دیگر اساتذۂ فن سے پڑھی۔ اور چند ہی روز مین نہایت ہی ممتاز طبیب سمجھے جانے لگے۔ یہ سلطان نور الدین زنگی کا زمانہ تھا۔ اُسے اُن کے کمالات کی اطلاع ہوئی تو اُن کی بے انتہا عزت اور قدر و منزلت کرنے لگا۔ وہ دل سے معترف تھا کہ ابو المجد جیسے لاجواب طبیب ہین ویسے ہی

سرفراز کیا۔ پھر جب دمشق مین اپنا سب سے بڑا بیمارستان (ہاسپٹل) قائم کیا تو اُس کا منتظم اور طبیب اعلیٰ اُنھین کو منتخب کیا۔ اور اِس خدمت کے لیے معقول مشاہرہ مقرر کیا۔ جس خدمت کو خدمت خلق اللہ جان کے اُنھون نے خوشی سے قبول کیا۔ اور معمول کر لیا کہ اُسی ہاسپٹل مین مطب کرتے۔ اور ہمیشہ مریضون کے علاج مین مصروف رہتے۔

شمس الدین ابو الفضل بن ابی الفرج کمال معروف بہ مطواع جو اُن کے معاصر تھے بیان کرتے ہین کہ "علامۂ ابو المجد (ممدوح) کا معمول تھا کہ اِس ہاسپٹل مین وہ مسلسل مریضون مین دورہ کرتے رہتے۔ ہر ہر مریض کے پاس جاتے۔ اُس کا حال پوچھتے۔ اور پے در پے اُس کی خبر گیری کرتے۔ جو لوگ اِس ہاسپٹل مین مریضون کی داشت اور خدمت کے لیے مامور تھے اُن کے سامنے حکم کے منتظر کھڑے رہتے۔ اور جس مریض کے لیے وہ جو نسخہ تجویز کرتے یا جو تدبیر بتاتے اُس کو فوراً دوڑ کے پورا کرتے۔ نسخہ بنا کے لاتے اور فوراً مریض کو پلاتے۔ یا جو اور تدبیر بتائی گئی ہوتی اُس پر کاربند ہوتے۔ علامۂ موصوف اِس بارۂ خاص مین اپنے احکام پر عمل ہونے کی اس سختی سے نگرانی کرتے کہ ممکن نہ تھا کسی تدبیر کے عملدرآمد مین ذرا سی بھی تاخیر ہو سکے۔ یا کوئی خادم کسی کام مین سُستی کرے۔

ہاسپٹل کے کامون سے فارغ ہوتے ہی وہ سیدھے قلعے مین جا کے سلطان نور الدین زنگی کی خدمت مین باریاب ہوتے۔ وہان ٹھہر کے ایوان شاہی کے زنانے اور مردانے تمام مریضون کی نبض دیکھتے۔ مزاج پوچھتے۔ اور دفع مرض کی تدبیرین بتاتے۔ جہان اُن کے لیے گویا ایک جداگانہ ہاسپٹل قائم تھا۔ اور اُنھین کے چارج مین رہتا۔

وہان سے فارغ ہوتے ہی اپنے بڑے پبلک ہاسپٹل مین واپس آتے اور اُس کے بڑے ہال مین بیٹھ جاتے۔ جہان پُر تکلف فرش ہمیشہ بچھا رہتا۔ یہان پہونچتے ہی کتب طبیہ اُن کے سامنے لا کے رکھ دی جاتین۔ سلطان نور الدین نے اِس ہاسپٹل کے متعلق ایک وسیع طبی کتب خانہ بھی کھول رکھا تھا اور اُسے وقف کر دیا تھا۔

بڑے کمرے مین جیسے ہی علامہ ابوالمجد آ کے بیٹھتے اور کتابین پاس کھولی جاتین تو اُن کے گرد بہت سے طبیبون اور علم طب کے طلبہ کا ہجوم ہو جاتا۔ اطبا اپنے فن کے مشکل مغلق مسائل کو چھیڑ کے بحث و تکرار کرتے۔ اور وہ اُن سب مسئلون کو حل کر کے اُن کا اطمینان کر دیتے۔ اُسی وقت اطبا اُن سے درس لیتے۔ اس علمی صحبت مین بالالتزام تین گھنٹے تک اُن کی نشست رہتی۔ جب یہ وقت پورا ہو جاتا تو سوار ہو کے اپنے گھر جاتے۔

دمشق ہی مین اُن کی زندگی کا آغاز ہوا تھا۔ دمشق ہی مین وہ قاضی ہوئے۔ دمشق ہی مین اُنھون نے ملک اور سلطنت کی طبی خدمت کی۔ اور آخر اپنی زندگی پوری کر کے وہین پیوند زمین ہو گئے۔

مقنع اور متبرقع

اس شخص کا نام فارسی ادب و شاعری مین نہایت مشہور ہے مگر اُس کے واقعی حالات سے بہت ہی کم لوگ واقف ہین۔ لہذا آج ہم اُس کے مختصر حالات اپنے ناظرین کے ملاحظے مین پیش کرتے ہین۔

ہم بعض موقعون پر بتا چکے ہین اور پھر عرض کرتے ہین کہ جب ملک فارس کو اہل عرب نے فتح کر کے ایرانیون کی حکومت فنا کر دی اور اس کے ساتھ ہی اہل عجم کو یہ نظر آیا کہ عرب کے ایک اُمی شخص نے پیغمبری کا دعویٰ کر کے اپنی ساری قوم کو ہم آہنگ بنا لیا۔ اور ساری متمدن دنیا کو پامال کر ڈالا تو اُنھون نے رسالت محمدی کی حقانیت۔ اور توحید کا تو خیال نہ کیا۔ مگر یہ بات اُن کے دل پر نقش ہو گئی کہ دنیا کے فتح کرنے کا آسان ترین طریقہ یہی ہے کہ دعوائے نبوت کر کے ایک نئے مذہب کے بانی بنیے۔ ایک خلقت کثیر کو اپنا معتقد اور پیرو بنائیے۔ اور پھر اُنھین اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر کے تمام ملکون کو فتح کر لیجیے۔

اس شیخ چلی کی سی ہوس نے چند ہی روز کے اندر بیسیون پیغمبر پیدا کر دیے۔ جن احمقون نے علی العموم اسی بیوقوفی و حماقت کے پاداش مین اپنی جانین دین

لانے والون کے ساتھ مارے گئے۔ اور جن کو تھوڑی بہت کامیابی نصیب
ہوگئی اُنھون نے اپنے ساتھ ایک خلقت کثیر کو قتل کرا دیا۔

انھین کامیابی کی جھلک دیکھ کے ہزارہا پیروون کے ساتھ جان دینے
والون مین سے ایک یہی مقنّع تھا۔ جو ہرون الرشید کے باپ خلیفہ مہدی کے
عہد اور سنہ ۱۵۹ھ مطابق سنہ ۷۷۶ محمدی مین علاقۂ خراسان مین نمودار ہوا۔ اور
سارے مشرقی فارس اور ترکستان و ماوراءالنہر پر چھا گیا۔ یہ ایک بدقطع اور
بدزُو پستہ قامت اور کانا شخص تھا۔ مَرو کا رہنے والا تھا۔ اور صاحب علم
و فضل ہونے کی وجہ سے اپنے لوگون مین حکیم یعنی فلسفی و دانا مشہور تھا۔
چونکہ سخت بدصورت اور یک چشم تھا اِس لیے اُن عیوب کے چھپانے کے لیے
اپنے مُنہ پر سونے کا ایک مصنوعی چہرہ یا پیچا لگائے رہتا۔ تاکہ کوئی اُس کی
اصلی صورت نہ دیکھے۔ یہ کارروائی کی تو اُس نے غالباً عیب پوشی کے
خیال سے تھی مگر اِس سے یہ بہت بڑا فائدہ اُٹھایا کہ ہر شخص اُس کے جمال
کے دیکھنے کا مشتاق ہوگیا۔ اور معتقدین مین سے ہر متنفس کو تمنا تھی کہ اُس
کے جمال جہان آرا کی زیارت نصیب ہو۔

جس مذہب کو اُس نے اپنے پیروون مین پیش کیا اُس کی یہ شان
تھی کہ اور لوگ تو رسالت و پیغمبری کے دعوے دار تھے مگر اُسے خدائی کا
دعویٰ تھا۔

تاریخ پر غور کرنے سے نظر آتا ہے کہ یہود نصارا اور مسلمانون
مین خدا سارے عالم کا قادر و توانا خالق و مالک ہے۔ اور لوگون کو ہدایت
کرنے کے لیے انبیاے مرسل بھیجا کرتا ہے۔ بخلاف اس کے ہندوون اور
بودھ لوگون کا یہ خیال ہے کہ خدا خود مخلوق کی صورت اختیار کر کے
نمودار ہوتا ہے اور عالم کو نورِ ہدایت سے روشن کر دیتا ہے۔ آلِ
ابراہیمؑ مین یہ خیال پہلے پہل حضرت عیسیٰؑ کو خدا بنا دینے سے ظاہر ہوا۔
جن لوگون نے بت پرستانِ روم و یونان اور بظن غالب ہندوستان
و چین کے فلسفۂ الٰہی سے متاثر ہوکے یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ خدا کا

کی ایک جہت ہے انسانی پیکر مین نمودار ہوا - اور دنیا کے ... لوگون کا عقاد
بن کے آسمان پر چلا گیا - لیکن یہ خیال ظہور اسلام کے زمانے تک اُن لوگون مین فقط اکیلے حضرت مسیح کی ذات تک محدود رہا تھا -

ظہور اسلام کے بعد جب مسلمانون نے رُوم و عجم دونون کو فتح کر لیا تو مشرقی و مغربی خیالات مین زیادہ آمیزش ہوئی - اور ایران کے جدید العہد بانیان مذہب اور مدعیان نبوت نے ابراہیمی نبوت کو اپنی شان سے کم تصور کر کے ہنود کے اصول الٰہی یعنی اوتار ہونے کو اپنے لیے اختیار کیا - وہ بجاے نبی بننے کے خدا بننے لگے - اور اُنھین مدعیان الوہیت مین سب سے زیادہ کامیاب ہونے والا یہی مُقنّع تھا -

غرض وہ خدائی کا دعوی کرتا اور کہتا کہ مین ہی نہین بنی اسرائیل کے تمام انبیاے سلف مظہر ایزدی اور خدا تھے - اُس کو دعوی تھا کہ خدا نے آدمؑ کا پتلا بنایا اور اُس مین خود نمودار ہوا - پھر برابر نوحؑ و ابراہیمؑ و دیگر انبیاؑ کی صورتون مین ظاہر ہوتے ہوتے حضرت محمد صلعم کی صورت مین نمایان ہوا - پھر چند اور قالبون کو بدل کے اُس نے ابو مسلم خراسانی کی صورت اختیار کی - اور وہ معاذ اللہ جناب محمد مصطفٰے صلعم سے افضل تھا - اور آخر مین ہاشم کی صورت مین نمایان ہوا - یہ ایک گہرا راز تھا کہ ہاشم کون بزرگ ہین - لیکن اپنے مخصوص اور پردے کے معتقدون کو کبھی کبھی چپکے سے بتا دیتا کہ ہاشم مین ہی ہون -

چند روز پہلے بنی فاطمہ مین سے یحیےٰ بن زید حکومت کی اطاعت سے منحرف ہو کے شہید ہو چکے تھے - اُن کی نسبت مُقنّع نے بیان کیا کہ وہ مارے نہین گئے - بلکہ زندہ موجود ہین - ایک دن نکلین گے - اور اپنے قاتلون کا قلع قمع کرین گے - مُقنّع کے معتقد دیبر و جہان کہین اور جس شہر مین ہوتے اُسی کی طرف مُنہ کر کے سجدے کرتے - اور لڑائی کے میدانون مین بجاے "اللہ اکبر" کے "یا ہاشم مدد!" کے نعرے لگاتے -

انسانی فطرت کی کمزوری کا اس سے زیادہ ثبوت کیا ہو گا کہ

ہر شخص کو چاہیے وہ کیسے ہی عقائد پیش کرے ایمان لانے والے جان نثار
ضرور مل جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ مُقنّع کو بھی خدائی کا دعوےٰ کرتے ہی ہزاروں
مرید و معتقد مل گئے۔ اور اُس کی ہمت بڑھ گئی۔ اور علانیہ زور و شور سے
اپنے مذہب کی تبلیغ و تلقین کرنے لگا۔ اور جب اُن کی کافی تعداد اُس
کے گرد جمع ہو گئی تو علاقۂ کِش کے قلعجات سِنام اور سِنجردہ میں جا کے
اُس نے سکونت اختیار کی۔ اِس کے بعد اُس کا اثر اور زیادہ بڑھا۔
ماوراء النہر کے شہروں میں اُس کا کلمہ پڑھا جانے لگا۔ بخارا اور زابلستان
کے لوگ اُس کے ممد و معاون بنے۔ ترکوں نے بھی اُس کا ساتھ دیا۔ خوب دھڑلے
سے مسلمانوں پر دست برد اور لوٹ مار شروع کر دی۔ اور آخر کار مُقنّع
کا یہاں تک زور رہا کہ علاقۂ کِش کے شاہی قصروں کا مالک ہو گیا۔ اور
مضبوط قلعۂ نواکث کو بھی اپنے قبضے میں کر لیا۔

جب اُس کا ہنگامہ اِس درجے کو پہونچا تو قرب و جوار کے مسلمان
سرداروں نے اُس کا فتنہ مٹانے کے لیے فوج کشی شروع کی۔ مگر کچھ
نتیجہ نہ ہوا۔ ابو النعمان۔ جنید اور لیث بن نصر باری باری یکے بعد دیگرے آئے۔
لڑے۔ اور ناکام رہے۔ اور قیامت یہ ہوئی کہ حسّان بن تمیم لیث بن نصر بن
سیّار اور محمد بن نصر وغیرہ کے ایسے کئی نامور سردار اُس کے مقابلے
میں آ کے مارے گئے۔

آخر جبرائیل بن یحییٰ نے اپنے بھائی یزید کو مقنّع کے مقابلے پر بھیجا۔ سواد
بخارا میں مقنّع اور اُن سرداروں میں میدان کارزار گرم ہوا۔ پھر اُس کے
بعد شہر بوبجکت میں مسلسل چار مہینے تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر یزید نے مقنّع کے
لشکر پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ وہ لوگ کسی طرح نہ روک سکے۔ اور یزید کے
سپاہی شہر پناہ توڑ کے شہر کے اندر گھس پڑے۔ اور سات سو پیروان
مقنّع کو قتل کر ڈالا۔ بقیۃ السیف بھاگ کے شہر سِنام میں پہونچے جہاں خود
مقنّع موجود تھا۔ مگر جبرائیل کا لشکر بھی تعاقب کرتا ہوا اُن کے پیچھے پیچھے گیا۔

اب خلیفہ مہدی کو اطلاع پہونچ گئی کہ مقنع نے ملکون مین کیسا ہنگامہ

پیدا کر رکھا ہے۔ لہذا اُس نے اُس باغی اسلام کے مقابلے کے لیے اپنے نامور سردار ابو عون کو روانہ کیا۔ مگر ابو عون نے اِس ہنگامے اور فتنے کے دور کرنے کے لیے جیسی سرگرمی و مستعدی کی ضرورت تھی نہین دکھائی۔ بلکہ اپنی طرف سے معاذ بن مسلم نام ایک سردار کو مقنع کے مقابلے پر روانہ کر دیا۔

سنہ ۱۶۱ھ مطابق سنہ ۷۷۷ محمدی مین معاذ بن مسلم اور کئی اور سردار مقنع کے سر پر جا پہونچے۔ معاذ کی فوج مقدمۃ الجیش کا سردار سعید حرشی تھا۔ اور معاذ کا بھائی عیینہ بن مسلم بھی ایک لشکر کے ساتھ مقام زم مین سعید کے لشکر سے مل گیا۔ اور اُنھون نے فوراً مقنع پر حملہ کر دیا۔ پہلی لڑائی مقام اودیس مین مقنع کے ایک لشکر سے ہوئی۔ جس کو سردارانِ خلافت نے شکست دیدی۔ بقیۃ السیف مفرور ہو اپنے مظہر ایزدی سرغنا کے پاس قلعہ سنام مین پہونچے اور اطلاع دی کہ خلافت کی طرف سے بڑا زبردست لشکر آپ کے مقابلے کو آ رہا ہے۔ مقنع نے قلعے کے گرداگرد خندق کھدوا کے ایک زبردست کھائی تیار کر لی۔

اتفاقاً اِس دوران جنگ مین معاذ اور حرشی مین کچھ اختلاف ہوا۔ اور سعید حرشی نے خلیفۂ مہدی کو اطلاع دی کہ اِس مہم کو اکیلا مین ہی سر کر لون گا۔ کسی اور سردار کے میرے ساتھ رہنے کی ضرورت نہین ہے۔ مہدی نے مصلحت سمجھ کے اُس کی درخواست قبول کر لی۔ اور اکیلا سعید ہی اِس مہم کا ذمہ دار قرار پا گیا۔ غنیمت یہ ہوا کہ معاذ نے اِس پر کچھ بُرا نہین مانا۔ بلکہ اپنے بیٹے رجاء کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ سعید کے ہمراہ کر دیا تاکہ اُس کی مدد کرے اور خود جہان تھا وہین ٹھہر گیا۔

سپہ سالار سعید نے بڑھ کے شہر سنام کا محاصرہ کیا۔ اب مقنع تو اپنی ضد پر قائم تھا اور لوگون کو مخالفت پر آمادہ کرتا مگر شہر سنام والون کا حال ڈگمگانے لگا۔ اور چند ہی روز کے بعد اُنھون نے مقنع سے

چھپائے باہم مشورہ کیا۔ اور حیلے سے جا کے سپہ سالار خلافت سے بعجز امان مانگی تاکہ اُس کی اجازت ہوتے ہی شہر سے نکل کے چلے جائین۔ سعید حرشی کے سامنے جیسے ہی شہر کی یہ درخواست پیش ہوئی اُس نے بلاتامل قبول کر لی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے ہی روز تقریباً تیس ہزار آدمی قلعۂ سنام سے نکل کے چلے گئے۔ فقط دو ہزار آدمی رہ گئے جو آخر تک بنا ہنے اور مقنّع کی حماقتون پر اپنی جانین فدا کرنے کو تیار رتھے۔ اور یہی وہ منتخب لوگ تھے جو اُس کے گروہ مین ذی عقل و ذی ہوش صاحب علم و فضل اور صاحب رائے سمجھے جاتے تھے۔

اب رجاء بن معاذ نے یہ کارروائی کی کہ اپنی فوج کے ساتھ آگے بڑھ کے خاص کھائی کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ جس سے مقنّع اور زیادہ پریشان ہوا۔ اب اُس مین نہ لڑنے کا دم تھا۔ نہ ٹھہرنے کا حوصلہ۔ صبر و استقلال اُس کے تمام ہمراہیون کے دل سے رخصت ہو گئے تھے اور مقنّع کو موت اپنی آنکھون کے سامنے نظر آتی تھی۔

جب بالکل یاس ہو گئی تو مقنّع نے اپنی عورتون اور بال بچّون کو ایک مکان مین بُلا کے جمع کیا۔ اور سب کو زبردستی زہر کے جام پلا پلا کے دنیا سے رخصت کر دیا۔ یا یون کہیے کہ سفر آخرت مین اپنا پیشرو بنایا۔ اُس کے بعد ایک گڑھے مین بہت سی لکڑیان ڈھیر کرا کے اُن مین آگ لگا دی۔ اور جب خوب شعلے بھڑکنے لگے تو باقی ماندہ رفیقون سے کہا "لو اب مجھے اِس آگ مین ڈھکیل دو۔ تاکہ میری لاش دشمنون کے ہاتھ نہ لگے"۔

بعض لوگون کا بیان ہے کہ اِس آگ مین اُس نے اپنے جلنے سے پہلے اپنے مال و اسباب۔ اپنی تمام چیزون۔ اپنے کپڑون۔ اور سواری کے جانورون تک کو ڈلوا کے خاک کر دیا۔ اُس کے بعد کل رفقا کی طرف دیکھ کے کہا "مین اب آسمان پر جاتا ہون۔ لہذا جس کو میرا ساتھ دینا اور میرے ہمراہ آسمان پر چلنا ہو وہی کرے جو مین کرتا ہون"۔ یہ کہہ کے بلاتامل آگ مین پھاند پڑا۔ اور اُس کے بعد اُس کے تمام رفقا بھی آگ مین پھاند

پھاند کے جل مرے۔ اور قلعے مین ایک متنفس بھی نہ باقی رہا جو محاصرہ کرنے والون کو اس انجام کی خبر کرتا۔

مسلمانون کو جب نظر آیا کہ قلعہ والے نہ لڑتے ہین۔ نہ اندر سے کسی انسان کی آواز آتی ہے۔ اور ہر طرف سناٹا پڑا ہے تو اُنھون نے قلعے پر یورش کی۔ کوئی مزاحم تو تھا نہین۔ بے روک ٹوک دیوارون پر سیڑھیان لگا کے چڑھ گئے۔ وہان ہر طرف خاموشی دیکھ کے متحیر ہوئے۔ اندر اُترے۔ اور دیکھا کہ نہ مقنع کا پتہ ہے نہ اُس کے کسی عزیز و رفیق کا۔ فوراً قلعے پر قبضہ کر کے پھاٹک کھول لیے۔ اور مژدۂ فتح مع اِن تمام واقعات کے دربار خلافت مین لکھا۔ مسلمانون کو یہ حال سُن کے بڑا اطمینان ہوا کہ یہ فتنے ہمیشہ کے لیے مٹ گئے۔ جنکی وجہ سے اُس علاقے مین مسلمانون کے جان و مال کے لیے ہر وقت خطرہ رہا کرتا تھا۔

مگر اِس واقعے اور اِس طرح جل جل کے جان دینے کا اثر مقنع کے معتقدون پر یہ ہوا کہ اُس کی حقیّت و خدائی کے اور زیادہ قائل ہو گئے۔ اُس کی نسبت عقیدت بڑھ گئی۔ اور یہی ہنگامہ بعد کے زمانے مین دوسری حیثیتون دوسری شانون اور دوسرے نامون سے ظاہر ہوا۔

ہمارے یہان اکثر بیان کیا جاتا ہے کہ جب حریف پر زور نہ چلے تو آگ مین پھاند کے اپنی اور اپنی عورتون کی زندگی فنا کر دینا ہندوستان کا اور ہندوستان کے چھتریون کا خصیصہ تھا۔ بے شک بارہا یہان ایسے واقعات پیش آئے۔ مگر سچ یہ ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم مین لوگون نے یاس و نا امیدی کی حالت مین ایسا ہی کیا ہے۔ رومی سردارون کا معمول تھا کہ ایسی حالت مین خودکشی کر لیا کرتے۔ بنی اسرائیل نے اپنی پامالی و نامرادی کے زمانے مین مختلف شہرون مین ایسا ہی کیا۔ اور یہی واقعہ مقنع کے حالات سے ہمین خاص ارض عجم مین نظر آیا۔

مقنع کے مارے جانے کے ۶۶ برس بعد سنہ ۲۲۷ھ مطابق سنہ ۲۶۸ محمدی

نمودار ہوئے جو مبرقع کہلاتے تھے۔ یہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رہتے تاکہ نہ کوئی اُن کا جمال جہان آشوب دیکھے اور نہ کوئی اُنھین پہچانے۔

اس شخص کا اصلی نام اَبُو المحراب مبرقع یمانی تھا۔ اس فتنہ جُو کے ہنگامے کا آغاز یون ہوا کہ اِس شخص کا مکان فلسطین (بیت المقدس) مین تھا۔ ایک دن یہ اَبُو المحراب اتفاق سے کہین باہر گیا ہوا تھا اور کسی فوجی سپاہی نے ارادہ کیا کہ اُس کے گھر مین ٹھہرے۔ اَبُو المحراب کی بیوی نے اس سپاہی کو روکا تو اُس سرکش فوجی آدمی نے اس زور سے کوڑا مارا کہ عورت کی کلائی زخمی ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد ابو المحراب گھر مین واپس آیا تو بیوی کی کلائی مین زخم دیکھ کے سبب پوچھا۔ اُس نے اصل کیفیت بیان کر دی۔ یہ سنتے ہی اُسے اِس قدر طیش آیا کہ تلوار اُٹھا لی۔ اور اُس سپاہی کا پتہ لگا کے بلا تامل اُسے مار ڈالا۔ پھر اس کے بعد اس اندیشے سے کہ مین اس سپاہی کے قصاص مین مارا جاؤن گا گھر چھوڑ کے اُردُن کے پہاڑون مین چلا گیا۔ چہرے پر ایک نقاب ڈال لی۔ دن کو نقاب پوش باہر نکلتا۔ اور جو ملتا اُسے پیروی شریعت کی ہدایت کرتا خلیفہ اور اُس کے افعال کی علی الاعلان مذمت کرتا۔ لوگون کو خلافت کی اطاعت سے پھیرتا۔ اور کہتا کہ "مین نسل بنی اُمیہ سے ہون اور اِس لیے دنیا مین آیا ہون کہ اِن غاصبون سے خلافت چھینون۔ چنانچہ اُس کے پیرو اُسے "سفیانی" کہا کرتے۔

اسی چیز نے انقلاب پسندون اور اگلی دولت اموی کے دوستون کو اِس کا پیرو بنانا شروع کیا۔ ہزارون آدمی آ آ کے اُس کے پاس جمع ہونے لگے۔ اِن دنون نزاری اور یمانی کا جھگڑا چل رہا تھا۔ یعنی اُن قبائل عرب مین جو نسل اسماعیل سے تھے اور اُن مین جو خالص عرب اور یمنی الاصل تھے سخت مخالفت تھی۔ بنی عباس چونکہ اسماعیلی و نزاری تھے لہذا اکثر یمانیون نے بلا لحاظ اس کے کہ بنی امیہ بھی اسماعیلی ہی ہین اِس شخص کی رفاقت اختیار کر لی۔ اور اُس کے جھنڈے کے نیچے ایک اچھی خاصی فوج جمع ہو گئی۔ اُس کے پیرو دن مین بیہس نام ایک شخص تھا جو ملک یمن کے لوگون مین بڑا اثر رکھتا تھا۔ اور دو اہل دمشق تھے جو خلافت کو پھر دمشق مین کھینچ لانا چاہتے تھے۔

معتصم باللہ کو اِس فتنے کی خبر اُس وقت پہونچی جبکہ وہ مرض الموت مین مبتلا ہو چکا تھا۔ لیکن اُس بیماری مین بھی اُس نے مستعدی دکھلائی اور رجا ابن ایوب حضاری نام ایک زبردست سپہ سالار کو ایک ہزار سپہگرون کے ساتھ روانہ کیا کہ مبرقع کا ہنگامہ فرو کرے۔ اُس نے وہان پہونچ کے دیکھا تو مبرقع کے جھنڈے کے نیچے ایک عالم جمع تھا۔ جن کی تعداد ایک لاکھ آدمیون سے کم نہ ہوگی۔ یہ رنگ دیکھ کے رجا کو لڑنا خلاف مصلحت نظر آیا۔ مگر بہادر اور تجربہ کار افسر تھا۔ ہٹا نہین۔ مبرقع کے لشکر کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا۔

اب زراعت و کاشتکاری کا موسم آیا مبرقع کے ساتھ زیادہ تر فلاح اور کاشتکار تھے۔ اُنھون نے جو دیکھا کہ لڑائی کی ابھی امید نہین ہے اور ہماری کھیتی غارت ہوئی جاتی ہے آہستہ آہستہ اپنے مزرعون اور کھیتون مین واپس جانے لگے۔ یہان تک کہ مبرقع کا سارا گروہ ٹوٹ کے کاشتکاری مین مصروف ہوگیا۔ اور اُس کے ہمراہ فقط ہزار دو ہزار آدمی باقی رہ گئے۔

یہی حالت تھی کہ ناگہان معتصم نے سفر آخرت کیا۔ اور واثق سریر خلافت پر بیٹھا۔ اور اُس کے ساتھ ہی مبرقع کے بعض سازشیون نے دمشق مین ہنگامہ مچا دیا۔ اِس کی خبر پاتے ہی واثق نے رجا کو حکم دیا کہ تم پہلے جا کے دمشق کا ہنگامہ موقوف کرو۔ پھر اُس کے بعد واپس آ کے خود مبرقع کے مقابلے مین صف آرا ہونا۔ رجا اپنے مختصر لشکر کے ساتھ دمشق مین گیا۔ اور ایسی حکمت عملی و شجاعت سے کام لیا کہ دمشق فتنہ انگیزون سے صاف ہوگیا۔ جن مین کے کئی سو آدمی عساکر خلافت کی تلوارون سے مارے گئے۔

دمشق کو صاف کر کے رجا پھر مبرقع کے سامنے صف آرا ہوا۔ اور مصمم ارادہ کیا کہ بہت جلد لڑائی چھیڑ کے ان باغیون کا بھی خاتمہ کر دے۔ اب کی بھی مبرقع کو لڑائی مین سبقت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور رجا نے ماتحت سردارون سے کہا، مجھے مبرقع کے لشکر مین کوئی شجاع اور مرد میدان نہین نظر آتا۔ ان سب مین جو کچھ ہے خود وہی ہے۔ اس لیے کہ مین جانتا ہون وہ اپنی ذات سے بہادر اور

کرے گا۔ اُس موقع پر تم یہ کرنا کہ وہ جیسے ہی زور و شور سے حملہ کرے تم بیچ سے ھٹ کے اُس کو راستہ دے دینا تاکہ جہان تک ممکن ہو وہ آگے بڑھ آئے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ مبرقع نے جوش و خروش سے حملہ کیا۔ رجاء کے لشکر نے اِدھر اُدھر ہٹ کے آگے جگہ دے دی۔ اور وہ اُن کے ہجوم کے درمیان مین آکے خوب بہادری دکھا کے پلٹ گیا۔ اس کے بعد اُس نے پھر دوبارہ حملہ کیا۔ اب کی بھی حریفون نے اِدھر اُدھر ہٹ کے جگہ دے دی۔ اور پہلی بہادری و کامیابی کے زعم مین اب کی وہ پہلے سے بھی زیادہ بڑھ آیا۔ اور رجاء کے سپاہیون مین دور تک گھستا چلا گیا۔ لیکن اب کی رجاء کا اشارہ ہوتے ہی فوج نے اُسے اپنے حلقے کے اندر لے کے واپس جانے کا راستہ بند کر دیا۔ اور آخر ہر طرف سے گھیر کے اور ہجوم کر کے اُس کو گرفتار کر لیا۔

اب کیا تھا؟ اُس کے ہمراہی بدحواس بھاگے۔ جن مین سے تقریباً بیس ہزار مارے گئے۔ باقی نے پہاڑون مین بھاگ کے پناہ لی۔ اور خود مبرقع پابزنجیر کر کے سامرے مین خلیفہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ اور اپنی سزا کو پہونچا۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

باورچی خانے اور کھانون کی ایجاد و ترقی کے متعلق ہم کافی درجے تک لکھ چکے ہین۔ لیکن اتنا اور کہنا چاہتے ہین کہ یہان اور عموماً ایشیائی ممالک مین خوش مزگی پیدا کرنے کے ساتھ اِس بات کی بھی کوشش اہمیت کے ساتھ کی جاتی تھی کہ لطافت ذوق کے ساتھ غذاؤن مین اعلیٰ درجے کی روح افزا خوشبوئین پیدا ہون۔ رنگ نفیس اور دلکش رہے۔ صورت نظر فریب اور شوق دلانے والی ہو۔ اگرچہ ہندوستان کے تمام شہرون مین جہان لوگون کو اچھا کھانے کا شوق ہے اِن تمام امور کی کوشش کی جاتی ہے مگر اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ لکھنؤ سب جگہ سے زیادہ کامیاب رہا ہے۔ کسی جگہ کھانے کا سچا ذوق چند امیرون اور مخصوص لوگون تک محدود رہا

ہی نہین پیدا ہوئے بلکہ معزز اور شریف طبقون کی عورتون مین اُن کے مردون سے
زیادہ نفاست مزاجی اور ذوق کی خوش سلیقگی پیدا ہو گئی - کوئی معزز خاندان
نہین ہے جس کی محترم بیگمون مین سے ہر ایک کھانا پکانے مین اچھا سلیقہ نہ رکھتی
ہو - اور اُسے کسی اچھی غذا کے تیار کرنے مین دعوی نہ ہو -

دودھ دہی کا ہر جگہ رواج ہے - لکھنؤ مین ان دونون چیزون کے
علاوہ بالائی کی تیاری مین زیادہ توجہ ہوئی - اس لیے کہ دودھ کا لطیف ترین
حصہ اس مین آجاتا ہے - انگریزی مین اسی کو "کریم" کہتے ہین - جس کا رواج
یورپ مین کثرت سے ہے - مگر وہان کریم اِس کا نام ہے کہ دودھ تھوڑی
دیر رکھا رہے - اور جب دہنیت کا سفید اور لطیف حصہ اوپر آجائے تو کاچھ کے
الگ کر لیا جائے یہان دودھ کا یہ لطیف حصہ ہلکی آگ پر رکھ کے اور جما کے
الگ کیا جاتا ہے - اور بڑی نفاست سے اُس کی تہ پر تہ جما دی جاتی ہے -
بالائی کی تہون کو نفاست اور خوشنمائی سے جمانا ایسا کام ہے جو لکھنؤ کے
سوا شاذ ونادر ہی کسی اور شہر کے لوگون کو آتا ہو گا -

اس کو پرانی زبان مین ملائی کہتے ہین - آصف الدولہ بہادر نواب دودھ
کو یہ اس قدر پسند تھی کہ خاص اہتمام سے اُن کے لیے تیار کیجاتی - اُنھون نے
اِس کا نام ملائی کے عوض بالائی رکھ دیا - اس لیے کہ یہ دودھ کے اوپر کی
چیز ہے - اہل لکھنؤ کو اپنے فرمان روا کا یہ تصرف بہت پسند آیا - اور بالائی
کا لفظ زبانون پر اس قدر چڑھ گیا کہ اب لکھنؤ مین سوا دیہاتیون یا ہنود و جہلا کے
سب ایسے بالائی ہی کہتے ہین اور ملائی کا لفظ کسی مہذب شخص کی زبان پر نہین باقی رہا -

اس پر مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم نے آبحیات مین اعتراض
کر دیا - اور انصاف کو ذوق سلیم پر محمول فرمایا جس معیار سے اُن کے مذاق مین
"ملائی" کا لفظ بالائی سے زیادہ لطیف و فصیح ہے - کسی لفظ کو محض اپنے مذاق کے اعتبار
سے غیر فصیح کہدینا میرے نزدیک ایک بے معنے سی چیز ہے - اس لیے کہ ہر جماعت کو
وہی الفاظ اپنے ذوق مین اچھے معلوم ہوتے ہین جو ان لوگون کی زبان پر چڑھے
ہون اور اُن کے لہجے اور محاورے سے مانوس ہو گئے ہون - جن شہرون کے

لوگ ملائی کہتے ہین اُن کو بے شک بالائی کا لفظ گران گزرتا ہو گا۔ اور اُن کی زبان سے ناآشنا ہو گا۔ مگر جس شہر مین لوگ بالائی کہتے ہین اور یہی لفظ اُن کے محاورے مین شامل ہو گیا ہے اُن کو جو فصاحت بالائی مین نظر آتی ہے ملائی مین ممکن نہین۔ اُن کو ملائی جاہلون اور گنوارون کا لفظ معلوم ہوتا ہے۔ فصاحت و لطافت زبان کا اندازہ کسی خاص ذوق یا کسی منطق سے نہین ہوتا بلکہ جو لوگ اہل زبان مان لیے جاتے ہین فقط اُن کا ذوق اور محاورہ معیار قرار پاجاتا ہے اور سب کو بغیر کسی منطقی دلیل کے اُن کی پیروی کرنا پڑتی ہے۔ اردو کے لیے اب دہلی و لکھنؤ دونون اہل زبان کے مستند اسکول سمجھے جاتے ہین لہذا دونون مسلم الثبوت معیار سخن ہین چاہے ایک کا لفظ دوسرے کو غیر مانوس ہی کیون نہ ہو۔ یہ اور بات ہے کہ لکھنؤ کی زبان کو سچا اور مستند معیار رہی نہ تسلیم کیا جائے۔ لیکن اِس جھگڑے مین ہم پڑنا نہین چاہتے۔ اور غالباً یہ جھگڑا طے بھی ہو چکا ہے۔ بہر حال اگر دونون شہر معیار مانے جائین تو ملائی اور بالائی بجاے خود دونون فصیح ہین۔ ملائی اہل دہلی کے نزدیک اور بالائی اہل لکھنؤ کے نزدیک۔ کسی کو کسی پر اعتراض کرنے کی کوئی وجہ نہین ہو سکتی۔

کھانے کے پکانے سے زیادہ یا اُسی کے برابر ضرورت کھانون کے نکالنے مین اچھا سلیقہ دکھانے۔ اور نکالنے کے بعد اُس کے سجنے اور آراستہ کرنے کی ہے۔ یورپ کا یہ موجودہ مذاق ہے کہ میز خوب آراستہ کی جاتی ہے۔ اُس پر جابجا گلدستے لگائے جاتے ہین اور بعض جگہ تکلف کے لیے کچے چاولون کو مختلف رنگون مین رنگ کے اُن سے میز پر حروف اور نقش و نگار بنا دیے جاتے ہین۔ ظروف بھی نہایت صاف ستھرے قیمتی اور اکثر چاندی کے کام مین لائے جاتے ہین۔ مگر خاص کھانے کی سجاوٹ کا انگریزی باورچیون یا خانساماؤن کو چندان خیال نہین ہوتا۔ بجز شادیون کے کیک کے جو اُمرا اور لارڈون کے عروسی ڈنرون مین عجیب تکلفات سے بُرجون یا خوبصورت عمارتون کی وضع مین بنا کے دعوت ولیمہ کی میز پر لگا دیے جاتے ہین۔

اس کے خلاف ہندوستان مین دسترخوان کی آراستگی کی طرف تو کم توجہ کی جاتی ہے مگر خود کھانے اعلیٰ درجے کی نفاست سے نکال کے سجے جاتے ہین۔

ان پر چاندی سونے کے ورق لگائے جاتے ہین۔ پستہ اور بادام کی ہوائیون
سے نقش ونگار اور رنگ رنگ کے پھول بنائے جاتے ہین۔ کھوپرے کے
ورق کاٹ کاٹ کے نہایت ہی موزون ترتیب سے اُن پر آراستہ کیے جاتے ہین۔
اس فن مین رکابدارون کو خاص کمال حاصل ہے۔ بلکہ اُن کا کام ہی ہے کہ جس
خوبی سے غذاؤن کو تیار کرین اُس سے زیادہ خوشنمائی سے اُن کو سجین۔ اور
ہر پلیٹ کو ایک گلدستہ بنا دین۔

لکھنؤ مین یہ تکلفات اہل پیشہ باورچیون اور رکابدارون سے شروع
ہو کے شرفا کے عام گھرون مین پہونچ گئے۔ اور خاتونون اور بیگمون کو اس مین
ایسا اچھا سلیقہ ہو گیا کہ جو خوبی پلیٹون اور قابون کے سجنے مین اکثر وہ دکھاتی
ہین خود رکابدارون سے بھی ممکن نہین اگرچہ یہ خاص اُنھین کا ہنر ہے۔ یورپ
کے محققین نے جو طے کر دیا ہے کہ عورتین فنون لطیفہ سے خاص مناسبت رکھتی
ہین۔ خصوصاً کسی چیز کے سجنے اور آراستہ کرنے مین اُن کو بالطبع مردون
پر فوقیت حاصل ہوتی ہے اِس کا ثبوت ہندوستان مین لکھنؤ کی اُن عورتون
کی طبیعت داری سے مل سکتا ہے جو کھانون کے سجنے مین کمال دکھا دیا کرتی ہین۔
ہندوستان کے عروسی کے کیک جن کا ابھی ذکر ہو چکا چوبے ہین۔
جو عموماً رسم کے طرق سے شادیون مین دولھا دولھنون کے سامنے لگائے جاتے
ہین۔ اُن کو اکثر گھرون کی خاتونین ایسی نفاست مزاجی اور ذہانت وطباعی سے
آراستہ کرتی ہین کہ جی چاہتا ہے بیٹھے اُنھین دیکھا کیجیے۔

کھانے کے ساتھ ہی آبدار خانے کی ترقیون کو بھی بیان کر دینا لطف
سے خالی نہ ہوگا۔ آبدار خانہ بادشاہون اور امیرون کے پانی کے انتظام کا نام
ہے۔ اگلے دنون برف نہ تھی۔ اور بعض موسمون مین ٹھنڈا پانی ملنا نہایت ہی
دشوار ہوتا تھا۔ اِس کے لیے اُن دنون خاص قسم کے انتظام کیے جاتے تھے۔ پانی
کورے گھڑون مین بھر کے رکھا جاتا۔ نازک اور نفیس آبخورے پینے کے لیے موجود
رہتے۔ گھڑون اور آبخورون پر سرخ کپڑا چڑھا دیا جاتا۔ اور وہ تر رکھا جاتا۔ اسلیے
کہ ہوا لگنے سے بھیگا کپڑا خوب ٹھنڈا ہو جاتا۔ یہانتک کہ گرم ہوا اور لو وہ بھی جتنی زیادہ

کپڑے کو ٹھنڈا کر دیتی - اور کپڑے کی ٹھنڈک اندر کے پانی کو ٹھنڈا
کرتی - اکثر جھجریان اور صراحیان بلکہ گھڑے بھی مُنہ پر کپڑا باندھ کے کسی درخت کی
ٹہنیون مین اُلٹے لٹکا دیے جاتے - ہوا کا اندر نفوذ نہ ہونے کی وجہ سے پانی
نہ گرتا - اور خوب ٹھنڈا ہو جاتا - برسات مین جب یہ تدبیر بھی کامیاب نہ ہوتی تو
اکثر گھڑے بھر کے کنوون کے اندر لٹکا دیے جاتے جہان اُن مین خوب خنکی
پیدا ہو جاتی -

اس کے علاوہ سب سے بڑا انتظام یہ تھا کہ جست کی نازک صراحیان
موجود رہتین - اور وہ ناندون مین شورا اور پانی ڈال کے اُس مین
پھرائی جاتین - اِس تدبیر سے تھوڑی دیر مین پانی مین برف کی سی خنکی پیدا
ہو جاتی - اور اُس کی ٹھنڈک نہایت ہی لطیف و خوشگوار ہوتی - اس تدبیر
کو صراحیون کا جھلنا کہتے تھے -

بعد کے زمانے مین برف کے فراہم کرنے کی بھی ایک معقول اور دیرپا
تدبیر نکال لی گئی تھی - چِلّون کے جاڑون مین جب سردی خوب شدت پر ہوتی
کھیتون اور کھلے میدانون مین رات کو گلی رکابیون اور پیالون مین گرم
گرم پانی بھر کے رکھ دیا جاتا جو صبح کو جما ہوا ملتا - اس برف کو
اُسی وقت فوراً زمین کے اندر گہرے گھتون مین جو پہلے سے کھدے تیار
رہتے دفن کر دیتے - اور ان مین وہ برف جب تک دبی رہتی اپنی حالت پر
قائم رہتی - بہرحال اِس طریقے سے اُتنی برف بنا کے گھتون مین بھر دی جاتی
کہ سال بھر کے لیے کافی ہوتی - اور اُسی مین سے ہر روز نکال لی جاتی - مگر یہ
برف اُس قدر صاف نہ ہوتی کہ پانی مین ملائی جائے - بلکہ شورے کی طرح اُس مین
نمک اور شورا ملا کے صراحیان جھلی جاتین - یا برف کی قفلیان جمائی جاتین -

مگر یہ انتظام خاص بادشاہون یا اُن کے ہمرتبہ امیرون تک محدود رہتا -
غریب لوگ اُس سے فائدہ نہ اُٹھا سکتے - غربا اور متوسط درجے کے لوگ اُنھین
اول الذکر تدبیرون سے کام لے کے پانی ٹھنڈا کرتے - اور یہ اہتمام اس قدر
عام ہو گیا تھا کہ تھوڑا بہت ہر گھر مین رہتا -

بہر تقدیر لکھنؤ مین پانی کے لیے یہ اہتمام اُن دنون ہوا کرتا۔ اور نفاست مزاجی نے یہ تکلفات پیدا کر دیے تھے کہ مٹی اور جست کی صراحیون اور ایسے ہی آبخورون پر اکثر سرخ شالباف (ٹول) کا کپڑا چڑھا ہوتا۔ اور ٹول پر رو پہلا گوٹا خوبصورتی سے لپیٹ کے اُن مین ایسا لطف پیدا کر دیا جاتا کہ پینا درکنار اُن پانی کے ظروف کو دیکھ کے آنکھون مین خنکی پیدا ہو جاتی۔

مجھے یہ نہین معلوم کہ آبدار خانے کا یہ انتظام جو مین نے بیان کیا ہے پورا پورا دہلی مین بھی تھا یا نہین۔ غالباً وہان ضرور ہو گا۔ اور وہین سے یہ سب چیزین لکھنؤ مین آئی ہون گی۔ مگر مین نے اِس سامان اور اہتمام کو جس تکمیل کے ساتھ اور جس تعمیم سے لکھنؤ کے لوگون مین دیکھا تھا دہلی مین نہین دیکھا۔ ممکن ہے کہ وہان بھی ایسا ہی ہو۔ لیکن اِس مین شک نہین کیا جا سکتا کہ لکھنؤ مین آ کے مٹی کے ظروفِ آب کی لطافت و نفاست اور نزاکت بہت بڑھ گئی۔ اس لیے کہ یہان کی مٹی کی عمدگی کی وجہ سے جیسے نازک و خوشنما اور خوش قطع ظروف گلی لکھنؤ مین بن سکتے ہین اور کہین نہین بن سکتے۔ دہلی والون کے پاس جست کی صراحیان ایسی ہی ہون گی مگر ایسی مٹی کی صراحیان اور آبخورے وہان کسی کو نصیب نہین ہو سکتے۔ ان ظروف گلی کا حال ہم آیندہ مناسب موقع پر بیان کرین گے۔

بادشاہون کے ساتھ جہان وہ جائین باورچی خانہ اور آبدار خانہ بھی جایا کرتا تھا۔ لیکن یہان آبدار خانے کا اہتمام دوسرے امرا کے وہان بھی اس قدر بڑھ گیا تھا کہ بہت سے ایسے امرا تھے جو اپنا آبدار خانہ اپنے ساتھ رکھتے۔ چنانچہ مرزا حیدر صاحب کا آبدار خانہ اور بھنڈی خانہ اِس فیاضی کے اصول پر قائم تھا کہ وہ جس شادی کی محفل مین جاتے ساری محفل کو پانی اور حقہ پلانے کا انتظام اُنھین کے سپرد ہو جاتا۔ اور اُن کی شرکت محفل بہت سے لوگون کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ اور رحمت الٰہی بن جاتی۔

چند کتابون پر ریویو

مولٰنا نیاز احمد خاں صاحب نیاز فتح پوری نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حالات جمع کر دیے ہین۔ مسلمانون کو جناب مصنف کی اِس کوشش کا شکرگزار ہونا چاہیے۔ مگر افسوس حضرت عائشہ کی سی یکتاے عالم خاتون کے حالات لکھنے مین جیسی محنت اور جیسا اہتمام ہونے کی ضرورت تھی اور جس تحقیق و استناد کے ساتھ لکھنے کی ضرورت تھی وہ بات اِس مین بالکل نہین ہے۔ حضرت صدیقہ کے جس قدر مفصل و مشرح حالات اسلامی لٹریچر مین موجود ہین دنیا کی کسی خاتون کے نہین مِل سکتے۔ حضرت عائشہ کی نہایت ہی شاندار سیرۃ ہونی چاہیے۔ مولانا محمد سلیمان صاحب ندوی نے اس کام کو اپنے ذمے لیا ہے اور اُمید ہے کہ وہ البتہ دنیا کو دکھا سکین گے کہ حضرت صدیقہ کیسی فقیہہ و مجتہدہ کیسی عالمہ و فاضلہ اور کیسی عابدہ و زاہدہ تھین۔ تاہم اِس مختصر لائف کو بھی ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہین جو اچھے کاغذ پر صاف اور واضح چھپی ہے۔ اور ۱۲ ر فی جلد قیمت ہے۔ اڈیٹر صاحب رسالہ صوفی سے "پنڈی بہاء الدین ضلع گجرات" کے پتے پر خط بھیج کے منگوائی جائے۔

نیلی چھتری۔ مولوی ظفر عمر صاحب۔ بی۔اے۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی علمی قابلیت اور ادبی خصوصیت سے کون واقف نہین ہے؟ اُنھین نے یہ ایک نیا ناول تصنیف کر کے شائع کیا ہے جس کے پلاٹ مین اُنھون نے بہ حیثیت ایک پولیس افسر کی اپنی اعلیٰ طباعی و ذکاوت کا ثبوت دیا ہے۔ واقعی یہ نہایت ہی دلچپ اور پسندیدہ ناول ہے۔ شروع کرنے کی دیر ہے پھر انسان بغیر ختم کیے ہاتھ سے نہین رکھ سکتا۔ افسوس کہ اِس کی اشاعت کے وقت ہمارے ذہین و قابل دوست مولوی ظفر عمر صاحب پر ایک نہایت ہی افسوس ناک حادثہ گزر گیا۔ شکار مین ران مین گولی لگ گئی۔ ہڈی چور چور ہو گئی۔ زخم نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ امید زیست کی نہ رہی تھی آخر پاؤن گھٹنے کے اوپر سے کاٹ ڈالا گیا۔ اور ایسی خوفناک قربانی کے بعد خدا نے اپنا فضل کیا۔ اور اب تندرست ہین۔ اِس ناول کے ریویو کے ساتھ ہم اُنھین صحت کی مبارکباد دیتے ہین۔ یہ ناول چھوٹی تقطیع کے ۲۲۷ صفحون پر ختم ہوا ہے۔ بہت اچھا چھپا ہے۔ اور قیمت

اور قیمت صرف ۱۲ ار ہے۔ خود جناب مصنف سے "اٹاوہ مکان مولوی سید جعفر حسین صاحب انجنیر کے مکان" کے پتے پر خط بھیج کے منگوایا جائے۔

تعزیت نامہ - یہ ۲۰×۲۶ - تقطیع کے ۱۲۸ صفحون کا ایک رسالہ ہے جس کے ذریعے سے مولوی شیخ محمد احسان الحق صاحب پروپرائٹر عصر جدید میرٹھ نے ہمارے مرحوم و مغفور دوست آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب کی یاد تازہ کی ہے۔ ابتدا مین مرحوم کے حالات زندگی ہین۔ بعض مشاہیر کے خاص خاص مضامین مرحوم کے متعلق ہین۔ اُس کے بعد اُن کی وفات پر اخبارون کی رائین۔ انجمنون اور جلسون کے تعزیتی رزولیوشن۔ گورنمنٹ ہند مشاہیر وطن۔ اور مرحوم کے احباب کے خطوط اور تار سب نہایت ہی خوبی سے یکجا کر دیے گئے ہین۔ جو حضرات خواجہ صاحب کے وطنی و قومی خدمات کے معترف ہون اُنھین اِس رسالے کو جو بہت ہی درد آور دہ اور بہت صاف چھپا ہے مرحوم کی یاد تازہ رکھنے کے لیے ضرور بالضرور خریدنا چاہیے۔ دو طرح کی جلدین چھپی ہین۔ اول درجے والیون کی قیمت ۱۰ ار ہے۔ اور دوسرے درجے والیون کی ۸ ار جناب مصنف کو مندرجہ بالا پتے پر لکھ کے منگوائی جائے۔

جدید ناول بابک خرمی کے متعلق ایک سوال

کئی دوست اصرار فرما رہے ہین کہ اِس ناول کے دوسرے حصے کے لیے سال آیندہ کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ تین ہی چار مہینے مین اِس کا دوسرا حصہ چھاپ کے فیتہً شائع کر دیا جائے۔ مجھے بالذات اِس مین تامل ہے۔ لیکن اگر قدر دانان دلگداز کو اصرار ہے تو پھر مجھے عذر بھی نہین۔ بہر حال اگر ختم مارچ سے پہلے پانچ سو خریداران دلگداز اِس کی خریداری کا اعتراف کرین گے اور اجازت دے دین گے کہ تیار ہوتے ہی اِس ناول کا دوسرا حصہ جس کی قیمت ایک روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی اُن کی خدمت مین وی۔ پی بھیج دیا جائے تو مین وعدہ کرتا ہون کہ جولائی تک اُسے چھاپ کے تیار کر دون گا۔ اور نذرانہ ۱۹۱۸ء کے لیے کوئی اور ناول لکھون گا۔

خاکسار

محمد عبد الحلیم شرر ایڈیٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جزیرۂ صقلیہ مین اسلام

صقلیہ کی صورت وحالت

جس طرح ہندوستان کے جنوب مین اُس کے قریب ہی جزیرۂ سراندیب نقشے مین اس خوبصورتی سے لٹکتا نظر آتا ہے کہ گویا براعظم ایشیا کے کان مین مشاطۂ قدرت نے ایک گوشوارہ ڈال دیا ہے بعینہٖ اِسی وضع وشان سے ملک ایطالیہ (اٹلی) کے جنوب مین جزیرۂ صقلیہ (سسلی) واقع ہے۔ اور نقشے مین اُس کی قطع دیکھ کے معلوم ہوتا ہے کہ ایشیا ہی کا سا ایک گوشوارہ عالم آرائے قدرت نے یورپ کے کان بھی ڈال رکھا ہے۔ یہ جزیرہ بحیرۂ روم کے درمیان ایک مثلث کی صورت مین واقع ہے۔ اور ایسا سرسبز وشاداب اور آباد وبارونق ہے کہ معلوم ہوتا ہی بُحیرۂ روم کی متحرک ومتموج سطح نیلگون مین قدرت کے چابکدست سادہ کار نے زمرد کا نگینہ جڑ دیا ہے۔ اس جزیرہ کو سب سے زیادہ شہرت دنیا کے عظیم ترین کوہ آتش فشان اِطنا (اٹینا) کی وجہ سے ہے جس کی چوٹی سے ہر وقت دھوان اُٹھتا رہتا ہے۔ یہ آتشین پہاڑ صقلیہ کے مشرقی وشمالی ساحل کے قریب واقع ہے۔ اور مسافران بحر کو بیسیون میل کی مسافت سے اِس شان کے ساتھ قائم وراسخ نظر آتا ہے کہ گویا ایک سربفلک دیو کھڑا اپنے مُنہ سے آگ برسا رہا ہے۔

اس مین کبھی مسلمان بھی رہتے تھے

فی الحال اِس جزیرے کے کل رہنے والے مسیحی ہین۔ اور مسلمانون کا اس مین کہین نام ونشان بھی نہین لیکن ہمیشہ ایسا نہ تھا۔ کبھی اِس مین لاکھون مسلمان آباد تھے۔ ابن جبیر اندلسی اپنے سفرنامے مین لکھتا ہے کہ "اس مین مساجد کی

نمازی تھے کہ اُن کے لیے اتنی مسجدون کی ضرورت پیش آئی - یا آج یہ حالت ہو کہ کسی
مسلمان کو اتنی بھی توفیق نہین ہوتی کہ جا کے دیکھے اُن خدا پرستی کے معابدین سے
کوئی باقی بھی بچا یا نہین - اور ہے بھی تو اپنی عبرتناک زبان خاموشی سے کیا کہہ
رہا ہے؟ خیر کوئی وہان جائے یا نہ جائے ہم نے یہین بیٹھے بیٹھے اُن منہدم شدہ
مساجد سے جو داستان غم سُنی ہے اپنے دوستون کو سُنائے دیتے ہین -

عبرتناک انقلاب

آج کل یہ جزیرہ دولت ایطالیہ کے قبضے مین ہے جس سلطنت کو اب سواحل
افریقہ پر دست درازی کرنے کی بھی جراٴت ہو گئی - حالانکہ جس عہد کی سرگزشت
ہم اُن منہدم مساجد کے کھنڈرون سے سُن کے سناتے ہین اُس زمانے مین خود مملکت
ایطالیہ مسلمانان افریقہ کی اُولوالعزمیون کی جولان گاہ تھی -

افریقہ مین خاندان بنی اغلب کی حکومت

اس داستان کے چھیڑنے سے پہلے تمہید کے طور پر ہمین یہ بتانے کی ضرورت
ہو کہ ہرون الرشید کے زمانے سے ملک افریقہ مین خاندان بنی اغلب کی حکومت
قائم ہو گئی تھی - اسی خاندان کی اولوالعزمیون نے سارے بحیرۂ روم مین مسلمانون
کی سطوت قائم کی - صقلیہ اور بعض جنوبی صوبجات روم عربون کے تصرف مین آ گئے
بنی اغلب کی حکومت قائم ہونے کا سبب یہ ہوا کہ ہرون الرشید نے ۱۷۹ھ مطابق
سنہ ۷۹۶ محمدی مین افریقہ کے ہنگامون کے رفع کرنے کے لیے اپنے معتمد علیہ
سردار ہرثمہ بن اعین کو والی افریقہ مقرر کر کے بغداد سے بھیجا تھا - اُسے اُس
سرزمین کے فتنہ جویون نے ایسا پریشان کیا کہ دو ہی سال کے بعد اُس نے حکومت
افریقہ سے استعفا دیدیا - اور اپنی مرضی کے مطابق بغداد مین واپس بُلا لیا گیا -

ابراہیم بن اغلب تمیمی

لیکن اُس کے قیام افریقہ و مغرب کے زمانے مین عرب کے قبیلۂ بنی تمیم کا

ایک ... ابراہیم بن اغلب پھر زاب ہی میں رہتا تھا۔ اُس نے ہرثمہ تک رسائی پیدا
کی۔ طرح طرح کے ہدیے اور تحفے بھیج بھیج کے اُسے راضی کیا۔ خوشامد درآمد سے
اُس کے دل میں جگہ پیدا کی۔ اور اُس پر اپنا ایسا اثر ڈال دیا کہ اُس نے اُسے علاقہ
زاب کے ایک حصے کا والی یا کلکٹر مقرر کر دیا۔ اور یہی کلکٹری خاندان بنی الاغلب
کی حکومت کا سنگ بنیاد تھی۔

ہرثمہ کی واپسی پر ۱۸۱ھ مطابق ۷۹۶ء محمدی میں رشید نے اپنے رضاعی
بھائی محمد بن مقاتل بن حکم کو افریقہ کا گورنر جنرل بنا کے بھیجا۔ اُس شخص نے کچھ
ایسی روش اختیار کی کہ سارے ملک کی رعایا اُس سے سخت ناراض ہو گئی
بہت سے لوگوں نے مل کے مخلد بن مُرہ ازدی کو اپنا سرغنا بنا لیا۔ اور ابن مقاتل
کے مقابلے کے لیے اُسکے جھنڈے کے نیچے ایک خلقت عظیم جمع ہو گئی۔ لیکن جب مقابلہ
ہوا تو بازاری شورش پسند بھاگ کھڑے ہوئے۔ مخلد نے ایک مسجد میں بھاگ کے
پناہ لی۔ مگر ابن مقاتل نے بغیر اس کے کہ حرمت مسجد کا پاس کرے اُسے کھینچ کے
خانۂ خدا سے نکالا۔ اور کمال شقی القلبی سے ذبح کر ڈالا۔

یہ واقعہ مشہور ہوا تو پھر ہر طرف شورش مچ گئی۔ تمام بن تمیم تمیمی جو
افریقہ میں بہت اثر رکھتا تھا مخلد کا انتقام لینے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور جوش و
خروش سے آ کے ۱۸۳ھ مطابق ۷۹۹ء محمدی میں ابن مقاتل کو ایسی فاش شکست
دی کہ وہ قیروان دار الامارت افریقہ سے بھاگ کے طرابلس میں پناہ گزین
ہوا۔ اس موقع پر ابراہیم بن اغلب نے جو تمام بن تمیم کا ہم جد تھا اپنے علاقہ
زاب میں لشکر جمع کیا۔ اور قیروان کی طرف چلا۔ گویا تمام کے مقابلے اور محمد
ابن مقاتل کی طرفداری کو آیا تھا۔ تمام فقط ابن مقاتل کی حرکتوں سے نالان
تھا۔ ابراہیم سے لڑنا اُس نے پسند نہ کیا۔ ایک طرف سے ابراہیم قیروان میں داخل
ہوا۔ اور دوسری طرف سے تمام مع اپنے لشکر والوں کے نکل کے چلا گیا۔ ابراہیم
نے بے لڑے فتح حاصل کر کے محمد بن مقاتل کو بلایا کہ قیروان میں آ کے پھر عنان
حکومت ہاتھ میں لیجیے۔ چنانچہ ابن مقاتل پھر قیروان میں پہونچ گیا۔
ابن مقاتل کا آنا تھا کہ پھر شورش مچ گئی۔ اور تمام بن تمیم پھر لشکر

جمع کر کے قیروان پر چڑھ آیا۔ [illegible]

ہی رہیں اِس لیے کہ رعایا اور فوج دونون آپ سے ناراض ہین۔ مین اپنی فوج کے ساتھ اکیلا جا کے مقابلہ کرتا ہون۔" یون اُس نے تنہا جا کے تمام سے مقابلہ کیا۔ اُسے شکست دی۔ اور تمام نے بھاگ کے تونس مین جان بچائی تو بڑھ کے تونس کا بھی محاصرہ کر لیا۔ آخر تمام نے عاجز آ کے پناہ مانگی۔ اور ابراہیم بن اغلب نے اُسے پناہ دی۔

لیکن اب معززین و اکابر افریقہ نے ابراہیم سے کہا "ابن مقاتل کی حکومت ناقابل برداشت ہے آپ یہان کے حالات دربار خلافت مین لکھ بھیجین۔ اور درخواست کرین کہ اِس ملک کی حکومت آپ ہی کے ہاتھ مین دیدی جائے۔ ابراہیم اُس وقت تک ابن مقاتل کا دوست اور حامی تھا۔ لیکن خود اپنے نفع کا پہلو نظر آیا تو یہان کے کل حالات رشید کی خدمت مین لکھ بھیجے۔ اور اس کے ساتھ خلافت کے فائدے کا بھی ایک پہلو دکھایا۔ اُس وقت تک معمول تھا کہ افریقہ کا نظم و نسق درست رکھنے کے لیے ایک لاکھ دینار کی معتد بہ رقم خراج مصر مین سے افریقہ کے والی کو دیجاتی تاکہ وہان کی اصلاح اور روک تھام مین صرف کیا کرے۔ ابراہیم بن اغلب نے لکھا کہ مین بجائے ایک لاکھ کے چالیس ہزار دینارون ہی مین کام چلا لون گا۔

یہ درخواست رشید کے سامنے پیش ہوئی تو اُس نے ذی رائے حاضرین دربار سے مشورہ کیا جن مین سب سے زیادہ ذی وقعت ہرثمہ بن اعین تھا جس کا ابراہیم بن اغلب خاص ساختہ و پرداختہ تھا۔ اُس نے ابراہیم کی بیحد تعریف کی۔ اور دعوے کے ساتھ کہا کہ "وہ اپنے تدبر اور اپنی سیاسی قابلیت سے افریقہ کو خوب سنبھال لے گا۔ اور اس کام کے لیے اُس سے بہتر عہدہ دار نہین ملسکتا۔" اسی مشورے کے مطابق ۱۸۴ھ مطابق ۲۲۹ سنہ محمدی مین رشید نے ابراہیم بن اغلب کو پورے افریقہ کا گورنر جنرل مقرر کیا۔ اور اُس نامور خاندان بنی الاغلب کی بنیاد پڑ گئی جس نے افریقہ مین بڑے بڑے کارنامے دکھائے۔ اور ایک مدت دراز تک یہ اسے نام والی اور دراصل صاحب

ابراہیم نے ملک کا خوب انتظام کیا۔ تمام سرکش قبائل کو دبا کے ایک متمدن وباقاعدہ حکومت قائم کی۔ اور بارہ برس فرمان فرمائی کر کے ۱۹۶ھ مطابق ۸۱۲ء محمدی مین رخصت ہوگیا۔

عبداللہ بن ابراہیم بن اغلب

ابراہیم بن اغلب نے مرتے وقت اپنے بیٹے ابوالعباس عبداللہ کو اپنا جانشین بنایا۔ اور خلافت بغداد نے اس مین کوئی اختلاف نہین کیا۔ عبداللہ نے اپنی پنجسالہ امارت مین جو کچھ کیا یہ تھا کہ رعایا پر ٹکس بڑھایا۔ جس سے سب لوگ نالان ہوئے۔ بہت سے علما واتقیا اُس کے دربار مین آئے اور پند ونصائح کے ذریعے سے درخواست کی کہ رعایا پر ایسا جور مناسب نہین ہے۔ مگر اُس نے ایک نہ سُنی اور اِس مقدس ومحترم گروہ کی طرف سے سخت بے پروائی کی۔ یہ خدا کے مقبول بندے اُس کے دربار سے ناکام گئے تو مسجد مین بیٹھ کے دعا کرنے لگے کہ خداوندا رعایا کو اس جور سے بچا۔ یہ دعا تیر بہدف ہوئی۔ اور پانچ ہی دن گزرنے پائے تھے کہ ایک زہریلے پھوڑے نے ۲۰۱ھ مطابق ۸۱۷ء محمدی ابوالعباس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔

زیادۃ اللہ بن ابراہیم بن اغلب

عبداللہ بن ابراہیم کے بعد اُس کا بھائی زیادۃ اللہ جانشین ہوا۔ اور اُس کی امارت بھی دارالخلافت بغداد مین تسلیم کر لی گئی۔

یہ زیادۃ اللہ بڑا اولوالعزم حاکم تھا۔ اُس نے جہازون کا بیڑا تیار کیا۔ اور بحیرۂ روم کے جزائر پر جا کے حملے کرنا شروع کیے۔ اور بحری تاخت وتاراج کا سلسلہ جاری کر دیا۔ چنانچہ سب سے پہلے ۲۰۶ھ مطابق ۸۲۱ء محمدی مین اُس کے چند جہازون نے جا کے جزیرہ سردانیہ (سارڈینیہ) پر حملہ کیا۔ اس کے ساحلی شہرون کو لوٹا مارا متعدد مقابلے کیے۔ اور آخر مین شکست کھائی۔ لیکن اس پر بھی جہاز

بہت سی دولت اور لونڈی اور غلامون سے لدے پھندے واپس آئے۔

ان دونون ناموراور صاحب علم عباسی خلیفہ مامون رشید کا زمانہ تھا۔ اور افریقہ مین اُس کی طرف سے نیابۃً زیادۃ اللہ حکومت کر رہا تھا۔ اگرچہ افریقہ کی اندرونی شورش سے اُسے بیرونی ممالک کی طرف نظر اُٹھا کے دیکھنے کی کئی سال تک نوبت نہین آئی۔ مگر وہ اپنے بیڑے کی ترقی و اصلاح اور بحری تیاریون سے غافل نہ تھا۔

اُس زمانے مین صقلیہ کی پولٹیکل حالت

اتفاقاً اسی زمانے مین ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ اُسے خواہ مخواہ جزیرۂ صقلیہ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ جزیرۂ صقلیہ اُس عہد مین مشرقی دولت روم یعنی شہنشاہ قسطنطنیہ کے ماتحت تھا۔ اور ایطالیہ مین مشرق و مغرب کے ساحلی شہرون پر جداگانہ سلطنتین قائم تھین۔ سنہ ۲۱۱ھ مطابق ۸۲۶ء محمدی مین شہنشاہ قسطنطنیہ نے اپنے ایک معزز سردار قسطنطین کو جزیرۂ صقلیہ کا حاکم بنا کے بھیجا۔ یہ والی جب اُس جزیرے مین پہونچا تو اُس نے سپہ سالار فوج فیمی نام ایک رومی نژاد شخص کو مقرر کیا۔ فیمی ہوشیار اور بہادر شخص تھا۔ چنانچہ اُس نے جہازون پر سوار ہو کے سواحل افریقہ پر حملہ کر دیا۔ دو ایک شہرون کو لوٹ مار کے اپنے تصرف مین کر لیا۔ اور اپنی سطوت بٹھانے کے لیے مدت تک وہین ٹھہرا رہا۔

اتفاقاً کسی نے شہنشاہ قسطنطیہ کے دربار مین فیمی کو فوراً پکڑ کے سزا دو۔ اس حکم کی اطلاع افریقہ مین فیمی کو پہونچی تو اُس نے ہمراہیون سے شکایت کی کہ "خیر خواہی و جانفشانی کا مجھے انعام ملا ہے" فوج والون نے جو ساتھ تھے اس پر مشتعل ہو کے اُسے مشورہ دیا کہ آپ اس کی کچھ پروا نہ کیجیے۔ اور سلطنت کے خلاف ہو جائیے۔ ہم آخر تک آپ کی رفاقت کرنے کو تیار ہین۔ یہی تجویز اُس نے پسند کی۔ اور جوش و خروش سے صقلیہ مین واپس جا کے وہان کے شہر سرقوسہ پر قبضہ کر لیا۔ قسطنطین نے یہ حال سنا تو اُس کے مقابلے کو چلا۔ دونون مین

[illegible] شکست کھانے لگا تھا - اور شہر قطانیہ مین
پناہ گزین ہوا - فیمی پیچھا کرتا ہوا وہان بھی اُس کے سر پہ آپہونچا - آخر حاکم صقلیہ قسطنطین
پکڑا گیا - فوجی قیدیون کی طرح ذلت سے فیمی کے سامنے لایا گیا - اور اُس کے حکم
سے قتل ہوا -

اس وقت سے صقلیہ مین فیمی کی حکومت تھی - لوگ اُسے اپنا مستقل بادشاہ
کہتے تھے - اور وہ خوش تدبیری و قوت سے حکومت کر رہا تھا - اب فیمی نے صقلیہ کے
ایک علاقے کا حاکم بلاطہ نام ایک شخص کو مقرر کیا - یہ محسن کُش حاکم اپنے علاقے پر تصرف
حاصل کرتے ہی فیمی کے خلاف ہو گیا - اُدھر صقلیہ کے شہر بلرم (پالرمو) کا حاکم بلاطہ
کا بھائی میخائیل تھا - اُس نے بھی بھائی سے رفاقت کی - اور دونون بھائیون کی
فوجین جمع ہو کے فیمی کے مقابل صف آرا ہوئین - فیمی بہادری سے لڑا - مگر اب کی
اقبال نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا - شکست کھائی - بھاگا - اور بلاطہ اُس کے مقبوضہ
شہر سرقوسہ پر متصرف ہو گیا -

مسلمانون کے حملہ کا محرک

فیمی کو جب جزیرۂ صقلیہ کے اندر فلاح کی کوئی صورت نہ نظر آئی تو مع اپنے
رفقا کے جہازون پر سوار ہو کے لنگر اُٹھا دیا - اور افریقیہ کی راہ لی - افریقیہ کے ساحل پر
قدم رکھتے ہی وہ سیدھا وہان کے فرمان روا زیادۃ اللہ کے دربار مین پہونچا - اُس سے
پناہ مانگی - گزشتہ واقعات پر معافی طلب کی - اور وعدہ کیا کہ اگر آپ میری مدد کرین -
اور اپنی بہادر فوج میرے ہمراہ کرین تو مین جزیرۂ صقلیہ پر آپ کا قبضہ کرا دون گا -

فتوحات اسلام

زیادۃ اللہ خود ہی کسی ایسی مہم کی تیاریان کر رہا تھا - فیمی کی گلو خواستین
فوراً قبول کر لین - ایک زبردست لشکر اور اپنا بیڑا اُس کے ہمراہ کیا - اس خطرناک
مہم کے لیے زیادۃ اللہ نے سپہ سالار یا امیر البحر قیروان کے قاضی اسد بن فرات
کو منتخب کیا جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ مین تھے - کتاب اسدیہ

کے مصنف تھے - اور سنہ ۲۰۳ھ مطابق سنہ ۸۱۸ محمدی مین قیروان کے قاضی مقرر ہوئے تھے -

غرض یہ پہلی مہم سنہ ۲۱۲ھ مطابق سنہ ۸۲۷ محمدی مین ساحل افریقہ سے لنگر اُٹھا کے جزیرۂ صقلیہ مین پہونچی - یہ لوگ ساحلی شہر مازر مین جہازون سے اُترے - اور فوراً بلاطہ کے مقابلے پر چل کھڑے ہوے -

بلاطہ کی مدد کو رومیون کا ایک زبردست لشکر قسطنطنیہ سے پہونچ گیا تھا - فیمی اُس کا حال سن کے گھبرایا - قاضی اسد نے اُس کی یہ حالت دیکھی تو کہا تم اپنے لشکر کے ساتھ الگ ٹھہر جاؤ - اور ہمین تنہا حق جہاد ادا کرنے دو - چنانچہ فیمی اور اُس کے رفقا الگ رہے - اور قاضی صاحب نے بڑھ کے بلاطہ اور رومی لشکر سے مقابلہ کیا - بڑی سخت اور خونریز لڑائی ہوئی - آخر رومیون کو شکست ہوئی - خیمہ و خرگاہ چھوڑ کے بھاگے - اور مجاہدین افریقہ نے اُن کے مال و اسباب کو خوب جی کھول کے لوٹا -

بلاطہ اِس میدان سے بھاگ کے شہر قلوریہ مین پہونچا - مگر قضا کے پنجے سے بچ کے کہان جا سکتا تھا؟ مسلمانون کے ہاتھ مین اسیر ہو کے مارا گیا - اور قاضی اسد اپنی شیرانہ شجاعت دکھا کے صقلیہ کے بہت سے قلعون پر قابض و متصرف ہو گئے - اب قاضی صاحب کراث نام ایک قلعے کے قریب تھے دار السلطنت سرقوسہ مین جو قریب تھا حامیان وطن کا ایک بے شمار گروہ جمع تھا - اور سب حمایت وطن مین جانین دینے کو تیار تھے - فیمی مع اپنی فوج کے بظاہر تو لشکر اسلام کے ہمرکاب تھا - لیکن اُس کا دل مسیحی اہل صقلیہ ہی کی طرف تھا - اُس نے اہل صقلیہ کی ایک جماعت کثیر کو جو مجتمع دیکھا تو اُن سے سازش کا ارادہ کیا - اور اپنے ہم مذہبون کے پاس چپکے سے کہلا بھیجا " اپنے شہر کو مسلمانون کے ہاتھ سے بچاؤ - اور میدان مین شجاعت و پامردی دکھاؤ " فیمی مسلمانون کے لشکر کو دراصل اپنی مدد اور کمک کے لیے لایا تھا - یہ ہرگز نہ چاہتا تھا کہ اُس جزیرے پر مسلمانون کا قبضہ ہو جائے - حاکم افریقہ کو فقط لالچ دلانے کے لیے ملک پر قبضہ کرا دینے کا جھوٹا وعدہ کر لیا تھا -

فلسفۂ کائنات

آج ہم اپنے معظم و محترم دوست مولوی محمد ابو الحسن صاحب صدیقی کا یہ گران بہا مضمون شائع کرتے ہین- مولانا سر سید مرحوم کی محفل کی یادگار ہین اور اُس محفل صحبت والون مین سے اکیلے ہی رہ گئے ہین- آپ علیگڈھ مین مدرس رہے- اور نامور طلبۂ دور اولین علیگڈھ کالج مین سے اکثر آپ کے شاگرد ہین- اُس کے بعد مدتون آپ حیدرآباد مین معزز عہدون پر ممتاز رہے- اور اب بدایون مین خانہ نشین اور وظیفہ خوار سرکار نظام ہین-

---

بر آن عزمم اگر خود می رود سر
کہ سر پوش از طبق بر دارم امشب

ھُو کا عالم تھا- زمانہ لا متناہی مین نقطۂ موہوم ہستی کا ہیولیٰ موجود تھا- کائنات ایک معجون مرکب تھی- عدم و وجود- روح و مادہ- عناصر و اقانیم- نور و ظلمت- خیر و شر- رنج و راحت- اوصاف حسنہ و ذمیمہ- غرض سب چیزین باہم ملی ہوئی فضائے بسیط مین پھیلی ہوئی تھین کہ مشیت ازلی کو جلوہ آرائی منظور ہوئی-

در ازل پرتوِ حسنت ز تجلی دم زد
عشق پیدا شد و آتش بہمہ عالم زد

صدائے کُن نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گونج کر مردہ قالبون مین حرکت و حرارت پیدا کر دی- کائنات کے ہر جز کو میلان الی المرکز پیدا ہوا- کرورون بلکہ پدمون اور سنکھون برس کے مسلسل عمل کے بعد مادہ و عناصر و روحانیات کے علٰحدہ گروہ قائم ہوئے- ہر گروہ کو اجزائے کائنات کا موزون حصہ دیا گیا- قوت تجاذب تقسیم ہوئی- جس نے اُن کے شیرازہ کو پراگندہ نہ ہونے دیا- محوری حرکت نے اُن مین کروی شکل پیدا کر دی- کشش باہمی کی طنابون نے اُن کو آوارہ گردی سے بچایا- اور کل نظامون کا مقامات معین پر قائم کیا جو اب ثوابت و شموس کہلاتے ہین- پھر اُن کی اندرونی حرارت نے کسی نامعلوم قوت یا تحریک کی وجہ سے اُن کے اجزائے عظیم

کو اُن سے دور پہونچا دیا جس طرح کہ توپ سے گولہ نکلکر جاتا ہے۔ لیکن اُن کی
کشش نے اُس جسم کو ایک حد معین سے باہر جانے سے روک دیا۔ پھر وہ
جُز اپنے کل کے گرد گھومنے لگا جس طرح کہ کوئی شخص ایک ڈورے مین گیند
باندھکر اپنے گرد گھمائے۔ اگر وہ ڈورا ٹوٹ جائے تو وہ گیند خط مستقیم
مین چلا جائے۔ اس طرح پر ثوابت سے سیارے اور سیارون سے اقمار
اسی عمل کی وجہ سے پیدا ہوئے اور اُن کے گرد گھومنے لگے۔ ان کامون
مین اس قدر زمانہ لگا جس کا اندازہ حیطۂ شمار سے باہر ہے۔ اور اُس کا
علم بجز خالق کائنات کے اور کسی کو نہین ہو سکتا۔

ساقیا جام میم دہ کہ نگارندۂ غیب — نیست معلوم کہ در پردۂ اسرار چہ کرد
آنکہ بر نقش زد این دائرۂ مینائی — کس ندانست کہ در گردش پرکار چہ کرد

اگرچہ ہر نظام کو روحانیت کا حصہ بھی بقدر ضرورت ملا مگر اُسی میلان مرکزیت
کے اثر سے گروہ یا سرچشمۂ روحانیت بھی علیحدہ قائم ہوتا رہا ہے جس کا مقام
کوئی نہین بتا سکتا کہ کہان ہے۔ ممکن ہے کہ تمام کائنات کا غلاف بنکر سب کو فیض
پہونچا رہا ہو جس طرح کہ ایک مرغی اپنے سینے کی گرمی سے انڈون مین جان ڈالنے
کی باعث ہوتی ہے۔

غرض کہ کارخانۂ قدرت کی مشینری ابتک اپنے کام مین بدستور مشغول ہے۔
مرکزی میلان تبدریج ترقی کر رہا ہے۔ انسانی زبان اُس کی صراحت کرنے سے اور
اور انسانی دماغ ایسے عظیم الشان کامون کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ انسانی
دماغ محدود ہے۔ غیر محدود اشیا کا تخیل بھی اُس مین نہین سما سکتا۔ اسی
اُلجھن کی وجہ سے عارف شیراز چلا اُٹھا کہ

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمارا

اِن انقلابون کے بعد ایک زمانہ آیا جب کہ مادّے اور عناصر مین روح
کا قوام دیکر نباتات اور حیوانات پیدا کیے گئے۔ ماہران علم طبعیات کا خیال
ہو کہ جمادات سے نباتات اور نباتات سے حیوانات بتدریج ارتقا کی منزلین

طے کر کے پیدا ہوئے۔ بالآخر مشیت ازلی نے ایک عجیب نیرنگ دکھایا۔ حضرت انسان
وجود مین آئے جن کو سرچشمۂ روحانیت سے ایک بڑا حصہ ملا۔ بعض لوگون کا
خیال ہے کہ ہستی مطلق کو اپنی جھلک دکھانے کے لیے یہی آئینہ پسند آیا:-

نظرے کرد کہ بیند بجہان صورت خویش
خیمہ در آب و گِل مزرعۂ آدم زد

حضرت انسان نے ابتدائی مصیبتون اور آفتون پر اپنی عقل کی مدد سے
غالب آکر عالم مین ایک تہلکہ ڈالدیا جو اُس سے پہلے نہ تھا:-

عالم از شور و شر عشق خبر ہیچ نداشت
فتنہ انگیز جہان نرگس جادوے تو بود

علم و عقل مین ترقی کی۔ تہذیب و شائستگی مین قدم بڑھایا اور موجودہ درجے تک
پہونچے۔ معلوم نہین کہ آئندہ کہان جاکر قرار پکڑین گے۔ کتب مقدسہ مین لکھا ہے
کہ خدا تعالی نے انسان کو اپنی شکل پر پیدا کیا۔ اور آیات قرآنی فطرۃ اللہ التی
فطر الناس علیہا اور اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم کا اشارہ بھی اِسی
طرف ہے۔ آیۂ اول الذکر مین انسان فطرۃ اللہ کا نمونہ بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ امر
مسلم ہے کہ وہ مجموعۂ ذمائم و اوصاف بلکہ جامع اضداد ہے تو یہ سب چیزین فطرۃ اللہ
مین داخل ہونی لازم ہین جن کی تفصیل آگے آئے گی۔ جس قدر خوبیون اور
نعمتون کا حصہ قسام ازل نے انسان کو دیا ہے اُسی قدر برائیان بھی ملی ہین۔
اور اگر موازنہ کیا جائے تو بمقابلہ اور مخلوق کے حضرت انسان اس تقسیم مین
کچھ نفع مین نہین رہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اس پر شاہد ہے یہی کمی ہے جس کو
محسوس کر کے حکیم سقراط کو حسرتناک لہجے مین کہنا پڑا کہ "سقراط کی زندگی سے
تو ایک سُور کی زندگی بہتر ہے" کیونکہ "آنرا کہ عقل بیش غم روزگار بیش" کا معاملہ
ہے۔ عارف شیراز نے بہت ٹھیک فرمایا ہے:-

دیگران قرعۂ قسمت ہمہ بر عیش زدند
دل غمدیدۂ ما بود کہ ہم بر غم زد

میلان مرکزیت کا یہ دور معلوم نہین کب ختم ہوگا۔ اُس کے اختتام

پر جب سب اجزا اپنے اپنے مرکزون پر جمع ہو جائینگے اور جب روحانیت تمام عالم سے کھنچکر اپنے اصلی سرچشمے یا کرسے مین جذب ہو جائے گی مادہ بیجان رہ جائے گا۔ اُس وقت سرچشمۂ روحانیت سے لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْم کی آواز گونجے گی۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب مین قَالُوْا بَلیٰ کہا جائے گا۔ کارکنان قضا و قدر کو حکم ہوگا کہ اِس بساط کو اُلٹ دو اور اجزاے منتشرہ کو یکجا کر کے پہلی حالت قائم کر دو۔ حکم کی تعمیل ہوگی۔ مختلف اجزا کی آمیزش پھر شروع ہوگی۔ تَنَافُر عَنِ الْمَرَاکِز کا عمل جاری ہوگا۔ اور وہی معجون مرکب پھر فضاے کائنات کو بھر دے ۔ ایسے ہر دور کو سنکھون سال کا زمانہ درکار ہے۔ کوئی نہین کہہ سکتا کہ کتنے دور ہو چکے ہین اور کتنے اور ہون گے۔ یہان انسانی عقل کام نہین دے سکتی۔

ماجراے من و معشوقِ مرا پایان نیست

ہرچہ آغاز ندارد نہ پذیرد انجام

اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ کائنات مین صرف ایک ہی ذات کا جلوہ و ظہور ہے جس مین دوئی کی گنجایش نہین بلکہ دوئی کا خیال بمنزلۂ شرک کے ہے۔ روح ہو یا مادہ سب ایک ہی جسم کے اجزا ہین۔ کسی کو جداگانہ قدامت نہین ہے۔ کوئی چیز غیر واجب الوجود قدیم ہو نہین سکتی۔ ہمہ اوست کا مضمون صاف ہے۔ اگر ایک ہی سرچشمے سے یہ مختلف دریا نہین نکلے ہین تو آئے کہان سے؟ بصورت دیگر پھر وہی یزدان و آہرمن کی تفریق قائم ہوگی۔ اور ثنویت لازم آئے گی جو بمنزلۂ شرک کے ہے۔ عارف شیراز نے نہایت درست فرمایا ہے۔

ندیم مُطرب و ساقی ہمہ اوست

خیالِ آب و گلِ در رہ بہانہ

توحید تام کا یہ خیال جدید نہین ہے۔ اکثر صوفیاے کرام اِس کے قائل رہے ہین اور رمز و کنایہ مین بیان ہوتا رہا ہے۔ منصور بیچارے نے اسی خیال کی بدولت جان گنوائی۔ علماے ظاہر بین اُس کا مطلب نہ سمجھ سکے۔

بر آستانۂ میخانہ گر سرے بینی

مزن بپاے کہ معلوم نیست نیت او

ایک قدیم صوفی شاعر نے اسی خیال کا اظہار اس طرح پر کیا ہے:-

کافران سجدہ کہ بر رُوے بتان می کردند
ہمہ رُو سوے تو بود و ہمہ سُو روے تو بود

اس عقیدے کے لوگون کے نزدیک جملہ مظاہر کائنات ہستی مطلق کی مختلف شانین ظاہر کرتے ہین گو متضاد اصطلاحون سے اُن کی تعبیر کیجاتی ہے خیر و شر کفر و اسلام۔ بُت و برہمن عاشق و معشوق ایک ہی سلسلۂ نسب مین وابستہ ہین:-

در حقیقت نسبِ عاشق و معشوق یکیست	بوالفضولان صنم و برہمنے ساختہ اند
یک چراغ است درین خانہ کہ از پرتو آن	ہر کسے می نگری انجمنے ساختہ اند

مشکل یہ ہے کہ اِن نکات و اسرار کے سمجھنے والے دنیا مین بہت کم ہین اِس لیے زبان بند رکھنی ہی قرین مصلحت ہے:-

آن کس است اہل بشارت کہ اشارت داند
نکتہا ہست بسے محرم اسرار کجاست

محمد ابوالحسن صدیقی بدایونی

حسن کی کرشمہ سازیان

عاتکہ بنت معاویۃ بن ابی سفیان

جناب معاویہ صحابیون مین ہین اور جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور خلافت اسلامیہ کو اُن کے سپرد کر کے مدینہ طیبہ مین عزلت گزین ہو گئے تو معاویہ ساری دنیاے اسلام کے حاکم و فرمان روا بن گئے۔ اور پہلے فرمان رواے اسلام ہین جنھون نے عرب کی سادی خلافت و حکومت مین قیصری و خسروی سلطنتون کی شان اور آن بان پیدا کی۔ مگر باوجود اس سطوت و جبروت کے اُن مین اس قدر غیر معمولی درجے کی برداشت اور

بُردباری تھی کہ اُن کا حلم سارے عرب مین مشہور اور ضرب المثل ہو گیا تھا۔
اُسی حلم کا ایک نمونہ اِن واقعات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

عاتکہ مذکورہ اُن کی صاحبزادی تھین۔ جو حسن و جمال مین اعجوبۂ روزگار تھین۔ اور علم و ادب مین تمام معاصر بیبیون مین ممتاز۔ اُنھین نغمے کا بھی شوق تھا جس کی اُنھون نے تعلیم پائی تھی۔ اور بعض اُن کی ایجاد کی ہوئی دھنین مدتون عرب کی محفلہاے طرب مین گائی جاتی رہین۔ اُن کی قدردانی کی وجہ سے ہر سال معمول تھا کہ مکے اور مدینے کی گانے والیان دمشق مین آ کے اُن سے ملتین اپنا گانا سُناتین۔ اور بہت کچھ انعام و اکرام سے بہرہ یاب ہو کے واپس جاتین۔ اسی قدر نہین عاتکہ رخصت کرتے وقت اُن کو تاکید کر دیا کرتین کہ دیکھو ہمین بھول نہ جانا۔ پھر آنا۔

ایک سال ایسا اتفاق ہوا کہ حجاز کی کوئی مغنیہ نہین آئی۔ آخر اُنھون نے اپنے والد سے سفر حج کی اجازت مانگی۔ جناب معویہ نے اجازت دیدی۔ اور عاتکہ ایسے شاہانہ شان و شکوہ کے ساتھ ملک شام سے ارض مقدس حجاز کی طرف روانہ ہوئین کہ اِس سے پیشتر کسی نے ایسی اولوالعزمی سے سفر نہین کیا تھا۔ اُن کا جلوس بذات خود ایک قافلہ بن گیا تھا جس مین اعلی درجے کی تیز رو اور سبک خرام سانڈنیون پر پرتکلف محملین تھین۔ جن پر منقش اور خوش رنگ نفیس پردے پڑے ہوے تھے۔ اور عاتکہ شاہزادیون کی وضع سے اپنی لونڈیون اور سہیلیون کے ساتھ بادیۂ عرب کو پھر ایک بار ملکۂ سبا بلقیس کا سفر یاد دلا رہی تھین۔ مکۂ معظمہ مین پہونچ کے وہ مقام ذی طوی مین اُترین

اُسی جگہ ایک دن دوپہر کو جبکہ دھوپ شدت پر تھی۔ اور گرمی سے سب پریشان تھے عاتکہ نے اپنی کنیزون کو حکم دیا کہ محمل کے پردے اُٹھادین۔ ناگہان وہب جمحی کا اُدھر سے گزر ہوا۔ جو ابی دہبل کے لقب سے مشہور تھا۔ اور اُس زمانے کا مشہور و معروف اور مقبول و پسندیدہ شاعر قریش تھا۔ خوش فکر ہونے کے علاوہ وہ خوش جمال اور نوعمر بھی تھا۔ یکایک عاتکہ کے رُخ زیبا پر جو نظر جا پڑی تو دیکھتے ہی دل ہاتھ سے کھو بیٹھا۔ اُسی جگہ

کو کن آنکھون سے دیکھتا اور پھر نقل بھی کر لیتا - عاتکہ سمجھ گئین - لونڈیون کو حکم دیا کہ محمل کے پردے چھوڑ دو - ساتھ ہی اِس بے باکی پر آبو دہبل کو بُرا بھلا کہا - اور سخت لعنت ملامت کی ۔

نوجوان شاعر نے گھر واپس آکے پانچ پُرسوز و گداز شعر کہے - جن مین اُس وقت کی حالت اور اُس منظر کی تصویر شاعرانہ نازک خیالی کے ساتھ دکھائی اور ظاہر کیا کہ "کیسی عالی مرتبہ اور صاحب جاہ و تمکین محبوبہ نے میرا دل چھین لیا ہے" وہ شعر عام لوگون کو اس قدر پسند آئے کہ سارے مکّے مین اور اُس کے بعد کل قبائل عرب مین ایک ایک کی زبان پر جاری ہو گئے - مغنیون اور مغنیہ عورتون نے اُن کو دلکش دُھنون مین گانا شروع کیا - یہان تک کہ خود عاتکہ نے ابھی مکے ہی مین تھین کہ اُن اشعار کو بعض گانے والیون کے گلے سے سُنا - بہت ہی پسند کیا - بے انتہا داد سخن دی - خوش ہو ہو کے بار بار اُن کو گوایا - اور نوبت یہان تک پہونچی کہ اُنھین اشعار کی قدردانی کے بہانے عاتکہ نے آبو دہبل سے مراسلت کی - اور اُسے بہت کچھ انعام و اکرام اور قیمتی ہدیون سے سرفراز کیا -

اس مراسلت اور موافقت نے دونون مین محبت والفت پیدا کر دی اور عاتکہ بار بار آبو دہبل کے پاس تحفے اور ہدیے بھیجتین اور لطف و کرم سے پیش آتین - نتیجہ یہ ہوا کہ عاتکہ جب حج سے فارغ ہو کے دمشق مین واپس گئین تو آبو دہبل بھی گرد کاروان بن کے وارد شام ہوا - مکہ مین تو بارہا اُس کو عاتکہ کی قدردانی و نوازش سے باریاب ہونے اور اُنھین دیکھنے کا موقع ملتا رہا تھا مگر دمشق مین جہان عاتکہ کے باپ بھائی موجود تھے - اور ایک عالم پر حکومت کر رہے تھے یہ کیونکر ممکن تھا کہ عرب کا ایک غریب الوطن شاعر ایک عالی مرتبہ شاہزادی کے قصر کے پاس بھی پھٹک سکے - آبو دہبل کو دیدار جانان سے یاس ہو گئی تو بیمار پڑ گیا - اور مرض نے طول کھینچا - اب اظہار شوق اور اپنی نازک حالت عیان کرنے کی غرض سے اُس نے ایک اور نظم کہی جس مین اپنی اور عاتکہ کی

حالت ظاہر کی ہے۔ عاتکہ کے حسن وجمال اس کی عالی خاندانی اور اُس کی خوبیون کو بڑے جوش کے لہجے مین ادا کیا ہے۔ اپنے دیدۂ بیدار کی شکایت مین کہا ہے "نہین معلوم میری نیند عشق سے اُڑ گئی یا خدا نے میری پلکین ہی چھوٹی بنائی ہین" یعنی اُن کے چھوٹے ہونے سے آنکھین بند نہین ہوتین۔ درمیان مین یہ بھی کہا کہ مین سبز خیمے مین اُس سے ملا جیسے خیالات و واقعات منظوم کرنا عشق مشرب شعرائے عرب کا معمول تھا۔

یہ اشعار جناب معٰویہ رضہ کے گوش مبارک تک پہونچ گئے۔ ناگوار ضرور ہوئے۔ مگر اُن کا مشہور حلم غصے پر غالب آیا۔ خاموش ہو رہے اور ایک لفظ زبان سے نہ نکالا۔ اب اُس کے بعد جمعہ آیا تو لوگ حسب معمول اُن کے دربار مین آ کے اور سلام کر کر کے رخصت ہونے لگے۔ اُس مجمع مین وہب بھی آیا۔ اور سلام کر کے واپس چلا تو جناب معٰویہ رضہ نے اُسے روک لیا۔ اور جب سب لوگ چلے گئے تو اُس سے کہا "میرے نزدیک قریش مین اب کوئی تم سے اچھا شاعر نہین ہے۔ تم نے اپنے دیدۂ بیدار کے متعلق جو کچھ کہا ہے بہت اچھا کہا ہے۔ اور عاتکہ کی عالی خاندانی کی جو تعریف کی ہے وہ بھی بالکل بجا ہے۔ جس لڑکی کا باپ معٰویہ دادا ابوسفیان اور دادی ہند بنت عتبہ ہو اُس کی یہی صفت ہے جو تم نے بیان کی۔ لیکن اسی نظم مین تم نے جو سبز خیمہ مین اُس سے ملنا ظاہر کیا ہے یہ بہت بُرا کیا۔ وہب نے قسم کھا کے کہا "یہ نظم مین نے نہین کہی بلکہ دشمنون نے کہہ کے میرے سر تھوپ دی ہے" جناب معٰویہ نے جواب دیا "خیر جو کچھ ہو مگر یاد رکھو کہ تمھین مجھ سے ڈرنے کی تو کوئی ضرورت نہین۔ اس لیے کہ مجھے اپنی بیٹی کی پاکدامنی کا پورا پورا یقین ہے۔ اور نوجوان شاعرون کے لیے یہ معاف بھی ہے کہ جس لڑکی کے ساتھ چاہین تشبیب کرین۔ یعنی اپنے کلام مین اُن پر اظہار عشق کرین۔ لیکن میرے نزدیک تمھارا اُسی شہر مین رہنا جس مین کہ عاتکہ کا بھائی یزید رہتا ہو اچھا نہین۔ وہ جوان ہے اور جوش شباب کے ساتھ اُس مین شاہانہ تمکنت بھی ہے"

حضرت معویہ کا یہ مشورہ سُن کے وہب دل مین ڈرا - اور دمشق چھوڑ
کے مکۂ معظمہ مین چلا گیا - اس کو چند روز گزر گئے - اور وہب کی کوئی شکایت یا اُس
کی کوئی نئی نظم نہین سُنی گئی - ایک دن جناب معویہ اپنے دربار کے کمرے مین بیٹھے ہوے
تھے کہ ایک خواجہ سرا نے آکے اطلاع دی "امیرالمومنین آج عاتکہ کے پاس ایک
خط آیا جسے پڑھ کے وہ رونے لگین - اور اُس کا اُن کے دل پر اس درجہ
اثر ہوا کہ اِس گھڑی تک ملول و حزین ہین" معویہ نے کہا "اُس خط کو کسی حکمت
سے اُڑا لاؤ - اور مجھے دکھاؤ" خواجہ سرا خط کو لے آیا - اور اُنھون نے دیکھا تو
وہب کا منظوم نامۂ شوق تھا - آٹھ شعر تھے - جن مین اپنی بیتابی کا اظہار تھا -
غم عشق مین رونا تھا - اور یہ تھا کہ تمھارے خط کے انتظار مین ہر وقت راہ
تکتا رہتا ہون - تم اپنے عاشق پر جس قدر زیادہ سنگدل ہوتی جاتی ہو اُسی
قدر اُس کا عشق بھی بڑھتا جاتا ہے"

یہ اشعار جناب معویہ کو نہایت ناگوار ہوئے - فوراً یزید کو بلوا بھیجا -
اُس نے باپ کو پریشان و متفکر دیکھ کے حزن و ملال کا سبب پوچھا - کہا "ایک ناگوار
اور تکلیف دہ واقعہ ہے - اس قریشی نژاد فاسق نے تمھاری بہن کو یہ شعر
لکھ کے بھیجے ہین جن کو پڑھ کے عاتکہ نے رونا شروع کیا تو اِس گھڑی تک
آنسو نہین تھمے ہین" یزید نے کہا "اِس بارے مین کہنا سننا بیکار ہے - بس یہی تدبیر
ہو سکتی ہے کہ ہمارا کوئی غلام اُس شخص کی تاک مین رہے - اور جس دن موقع
پائے اُسے قتل کر ڈالے" یہ سن کے جناب معویہ بولے "یزید اگر تو ایک قریشی شاعر
کو قتل کر ڈالے گا تو لوگون کو یقین آجائے گا کہ اُس نے عاتکہ کے ساتھ جو تعلقات
ظاہر کیے ہین وہ بالکل سچے ہین" یزید بولا "یہ تو صحیح ہے - لیکن اس کا کیا علاج
کہ وہ اسی قسم کے اشعار تصنیف کر کر کے لوگون مین پھیلا رہا ہے - جو اہل مکہ مین
مشہور اور جوانان قریش کی زبانون پر جاری ہو جاتے ہین - یہان تک کہ شہرت کے
پرون سے اُڑتے ہوئے بعض اشعار یہان تک آپہونچے - اور میرے گوش گذار
ہوئے - مجھے اُن کو سُن کے نہایت ملال ہوا - اور مین نے یہی ارادہ کر لیا ہے جو
آپ سے عرض کیا - یعنی اُس کو کسی اپنے غلام کے ہاتھ سے مروا ڈالون گا"

جناب معویہ نے تعجب کے لہجے مین پوچھا۔ اور شعر بھی ہین؟ یاد ہون
تو سناؤ۔ یزید نے وہب کے پانچ نئے شعر سنائے۔ جن مین فراق کی
شکایت تھی۔ اور یہ خیالات ظاہر کیے تھے کہ "بادشاہ جابر اُسے مجھ سے
ملنے نہین دیتا۔ جس محبت مین سخت پاداش کا اندیشہ ہو اس مین بھلائی نہین
اور جس معشوقہ کا وصال نہ نصیب ہو اُس کا چاہنا ہی کیا۔ ہائے افسوس! مین
عشق مین بدنام تو ہو گیا۔ مگر ایک گھڑی کے لیے بھی کبھی ملنا نہ نصیب ہوا۔"
یہ اشعار سُن کے جناب معویہ نے فرمایا "اب مین مطلب سمجھ گیا۔
یہ شخص صرف فراق کا شاکی ہے۔ اور اِس کا انسداد آسانی سے ہو جائے گا۔ تم اُس
کی جان لینے کا ارادہ نہ کرنا۔" پھر اُسی سال اُنھون نے سفر حج کیا۔ اور مکہ معظمہ
مین حج سے فارغ ہونے کے بعد ایک دن تمام شرفاے قریش اور اُن کے
شعرا کو سامنے بلوایا۔ سب سے ملے۔ بہ لطف و کرم پیش آئے۔ اور سب کو حسب
حیثیت انعام و اکرام دے کے رخصت کیا۔ اُنھین لوگون مین وہب ابوہیل
بھی تھا۔ وہ جب واپس جانے لگا تو حضرت معویہ نے پوچھا "وہب یہ کیا ماجرا
ہے کہ مین یزید کو تم سے ناراض پاتا ہون؟ تمھارے جو اشعار لوگون سے سُنے
جاتے ہین اُنھین کو سُن سُن کے وہ برافروختہ ہو رہا ہے۔" وہب نے عذرخواہی
مین زبان کھولی۔ اور کہا "مین نے وہ شعر نہین کہے بلکہ لوگون نے میری
جانب منسوب کر دیے ہین۔"
جناب معویہ نے کہا "خیر مضائقہ نہین۔ اور تم کوئی اندیشہ نہ کرو۔
لیکن اتنا بتا دو کہ اپنے قبیلے اور خاندان کی تمام لڑکیون مین سے تمھین کون
اچھی معلوم ہوتی ہے؟" وہب نے ایک لڑکی کا نام لے کے کہا "وہ میری
نظر مین سب سے اچھی ہے۔" فرمایا "تو مین دو ہزار دینار مہر پہ اُس کے ساتھ
تمھارا نکاح کیے دیتا ہون۔" یہ کہہ کے خود ہی نکاح پڑھا دیا۔ مہر کی رقم اپنے
پاس سے دی۔ اور ایک ہزار دینار اُسے بطریق انعام اُس کے علاوہ
دیے۔ اور رخصت کیا۔
اس غیر معمولی سلوک کا وہب پر بڑا اثر ہوا۔ ندامت سے سر جھکا لیا

اور ادب کے ساتھ نہایت ہی التجائیہ لہجے مین عرض کیا "امیرالمومنین اگر میرے گذشتہ
اشعار اور میرے اِس اظہار عشق کو آپ معاف فرما دین۔ اور اگلی لغزشون
سے درگزر کرین تو وعدہ کرتا ہون کہ پھر کبھی آپ کی صاحبزادی عاتکہ کی
نسبت کوئی شعر نہ کہون گا۔ اور کہون تو میرا خون آپ کے لیے حلال ہے۔ فوراً
قتل کر ڈالیے گا۔ رہی یہ خاتون جس کے ساتھ آپ نے میرا عقد کر دیا ہے
تو اگرچہ مین حسن و جمال مین اِس کو سب پر ترجیح دیتا ہون لیکن نہ مجھے
اُس سے محبت ہے اور نہ اُسے مجھ سے۔ اس لیے آپ کے سامنے اور آپ
ہی کو گواہ کر کے مین اُسے طلاق بائن دیے دیتا ہون جس کسی کے ساتھ اُس
کا جی چاہے عقد کر لے" وہب کی یہ تقریر اور اُس کا اقرار سُن کے حضرت
معٰویہ بہت خوش ہوئے۔ اور وعدہ کیا کہ جو انعام مین نے تم کو دیا ہے
وہ تمھین ہر سال پہونچا کرے گا"

بس اسی پر اس شورش کا خاتمہ ہو گیا۔ وہب نے پھر کبھی کوئی شعر
عاتکہ کے عشق مین نہین کہا۔ اور اپنی وضع اور اپنے عہد کو زندگی بھر نباہا۔ مگر
کہتے ہین کہ عاتکہ مرتے وقت تک اُس پر فریفتہ اور اُسی کے شوق مین ملول رہین۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

اب ہم اِس دربار اور لکھنؤ کے لباس پر بحث کرنا چاہتے ہین۔ جو
دراصل نہایت ہی دلچسپ بحث ہے۔ ہندوستان کے لباس کی تاریخ
نہایت ہی تاریکی مین ہے۔ مسلمانون کے آنے سے پیشتر ہندوستان
مین جہان تک پتہ لگایا جائے اور قدیم مورتون اور آلورا وغیرہ کی
تصویرون پر غور کیا جائے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانون کے آنے سے پہلے
یہان سیے ہوے کپڑے کا رواج نہ تھا۔ عورت اور مرد دونون بے سی ہوئی
چادرون۔ ساریون۔ اور دھوتیون سے بدن ڈھانکتے تھے۔ عرب سیاح
جو فاتحان اسلام سے پہلے ہی یہان پہونچ گئے تھے اُنھون نے سندھ سے
لے کے بنگالے تک ہر ساحلی شہر اور قریب کے اندرونی علاقون مین

یہان کے لوگون کو اسی وضع مین پایا۔

پہلے عرب مسلمان جو یہان پہونچے وہ اگرچہ کُرتے۔ تہمت۔ اور عبائین پہنتے تھے مگر لباس و وضع مین اُنھین یہان کے لوگون پر کچھ زیادہ فوقیت نہین حاصل تھی۔ لباس مین ترقی اُس وقت سے شروع ہوئی جب ساسانی معاشرت اختیار کر کے بغداد کے عباسی دربار نے شرفاے عرب کے لیے پائجامے عبا و قبا اور خوش قطع عمامے ایجاد کیے۔ جو لباس کہ کلیۃً یا زیادہ تر ساسانی دربار کے اُمرا و اعیان کی وضع سے ماخوذ تھا۔ چند ہی روز مین یہی لباس اُن تمام مسلمانون کا ہوگیا جو مصر سے دریاے سندھ کے کنارے تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور آخر وہ اِس لباس کو لیے ہوئے ہندوستان مین آئے۔ تصویرون مین جو لباس عہد اوّلین کے مسلمان تاجداران ہند کا نظر آتا ہے وہ قریب قریب وہی ہے جو عجمی و عباسی اُمرا اور فرمان رواؤن کا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ یہان کے سلاطین ہند و راجاؤن کی تقلید مین جواہرات بہت زیادہ پہنا کرتے تھے۔

دلی مین دربار مغلیہ کا آخری لباس جو ہمین معلوم ہو سکا یہ تھا کہ سر پہ پگڑی۔ بدن مین نیمہ جامہ۔ ٹانگون مین ٹخنون سے اُونچا تنگ مہری کا پائجامہ پاؤن مین اونچی ایڑی کا کفش نما جوتا۔ اور کمر مین جامے کے اُوپر پٹکا۔ بس یہی پہلے کے قدیم شرفا کی وضع تھی جس مین محمد شاہ رنگیلے کے زمانے تک کسی قسم کا ردّ و بدل نہین ہوا تھا۔ اور اگر ہوا بھی ہو تو اتنا نہ تھا کہ ہم کو نظر آسکے۔

اس لباس مین نیمے سے مراد کہنیون تک کی آدھی آستینون کا شلوکا تھا۔ اور سینے پر سامنے اُس مین گھنڈیان لگائی جاتین۔ اس کو نیچے پہن کے اُس کے اوپر جامہ پہنا جاتا جو عجمی قبا مین ترمیم کر کے بنایا گیا تھا۔ اُس مین گریبان نہ ہوتا بلکہ دونون جانب کے کنارے جو "پردہ" کہلاتے ترچھے ایک دوسرے پر آ کے سینے کو ڈھانک لیتے۔ سینے کا بالائی حصہ جو گلے کے نیچے ہوتا ہے اُسی طرح کھلا رہتا جیسے آجکل انگریزی کوٹون مین کھلا رہتا ہے۔ اور جس طرح فی الحال قمیص سینے کے اُوپر والے حصے کو چھپاتا ہے اُسی طرح اُن

آتا نیچے رہتا اور داہنے پہلو پر بندون سے باندھ دیا جاتا - اور اُس پر داہنی
طرف کا پردہ رہتا جو اُوپر بائین پہلو مین باندھا جاتا - پھر اُس مین کمر کے پاس
سے دامنون کے عوض ایک اسکرٹ سی جوڑ دیجاتی جو ٹخنون کے اُوپر تک لٹکتی رہتی -
اُس مین بہت زیادہ چُنَّٹ دیجاتی - اور اُس کا گھیر بہت بڑا ہوتا جامے کی آستینین
آدھی کلائی تک بے سی اور کھلی رہتین - اور دونون جانب ٹپکا کرتین - اُس کے
نیچے سیدھی سادھی تنگ مہریون کا پائجامہ ہوتا جو اُمرا مین مشروع اور گلبدن کا ہوا
کرتا - پھر جامے کے اوپر کمر مین ٹپکا باندھ لیا جاتا -

دو تین صدی پیشتر ہمارے بزرگون اور ہندوستان کے امیرون
اور شریفون کا یہی لباس تھا - ٹوپیون گگڑیون اور پائجامون مین جو ترمیمین ہوئین
اُن کا مفصل و مشرح حال ہم بعد بیان کرین گے - سردست ہم درمیانی حصۂ جسم
کے لباس کا ذکر کرتے ہین جو سچ پوچھیے تو اصلی لباس ہے - اور اُسی سے انسان
کی وضع و قطع مشخص و معین ہوتی ہے - یہی اُس دور کا درباری لباس تھا اور
یہی لباس پہنے ہوئے نواب برہان الملک منصور جنگ اور شجاع الدولہ دہلی سے
اودھ مین آئے تھے - جامہ عمومًا باریک ململ کا ہوتا جو ہندوستان کے مختلف شہرون مین
نہایت نفیس باریک اور سبک بنا کرتی اور ساری دنیا مین مشہور تھی - ڈھاکے کی
ململ اور جامدانی عالی مرتبہ امیرون اور بادشاہون کے لیے مخصوص تھی -

اس کے بعد ایرانی قبا سے ماخوذ کر کے بالابر ایجاد ہوا - جس مین گول گریبان
بالکل کُھلا رہتا - اِس لیے کہ سینے کے ڈھاکنے کے لیے نیمہ کافی تھا جو اُس کے نیچے
بھی پہنا جاتا - وہ چُنَّٹ اور گھیر اِس مین سے نکال دیا گیا - اور اِس ضرورت سے
کہ دامن آگے کی طرف نہ کُھلین - داہنے دامن مین ایک جوڑی کلی لگا دی جاتی -
یہی کلی اُس کلی کا نقش اولین ہے جو فی الحال تر دامنون مین بائین جانب سینچے
لیجا کے بند سے باندھی یا ٹھک سے اٹکا لی جاتی ہے - بالابر بھی دہلی ہی کی ایجاد ہے -
اسی بالابر پر ترقی کر کے دہلی ہی مین انگرکھا ایجاد کیا گیا جس مین دراصل
جامے اور بالابر دونون کو ملا کے ایک نئی قطع پیدا کی گئی - اس مین سینے پر چوبی

قبا سے لی گئی۔ مگر سینہ کھلا رکھنے کی جگہ ایک گول اور لمبوترا اگریبان بڑھایا گیا جس اُوپر گلے کے نیچے ایک ہلال نما لنٹھ لگایا جاتا اور وہ بائین طرف گردن کے پاس گھنڈی تکمے سے اٹکا دیا جاتا۔ چولی نیچی رہتی جس مین پہلے داہنی طرف کا پردہ نیچے بغل مین بندون سے باندھا جاتا۔ اور پھر اوپر بند ہوتے جس سے دونون طرف کے پردے سینے کے نیچے بیچو بیچ مین لا کے باندھ دیے جاتے۔ اُس مین بائین جانب تھوڑا سا سینہ کھلا رہتا۔ چولی نیچی ہوتی۔ اور نیچے دامن اگرچہ قبا کے سے ہوتے مگر پرانے جامے کی یادگار نین دونون پہلوؤن پر بغلون کے نیچے چُنٹ ضرور رکھی جاتی۔

یہ پرانا انگرکھا تھا جو دہلی کے آخری دور مین رواج پا چکا تھا۔ اور وہان سے سارے ہندوستان مین پھیل گیا۔ لکھنؤ مین آنے کے بعد اس انگرکھے مین زیادہ چستی اور قطع داری پیدا کی گئی۔ چولی خوب گول اونچی اور کھنچی ہوئی چُست ہو گئی۔ بغلون کی چُنٹ بالکل نکل گئی۔ دامنون مین بجائے موڑ کے ٹانک دینے کی سنجافی گوٹ لگائی گئی۔ پھر اُس کے بعد نوابزادون اور شوقین وضعدارون نے ایک کمر تولی کے عوض جو چولی کے نیچے بند لگانے کی جگہ پر ہوتی بلیٹون کی وضع سے تین تین کمر تولیان لگائین رجابجا گوٹ اور کمر تولیون کے پاس کٹاؤ کا کام بنایا۔

دہلی مین انگرکھے کے ایجاد ہونے کے بعد نیمہ چھوٹ گیا تھا۔ اور بائین جانب سینے کا کھلا رہنا معیوب نہ تھا بلکہ وضعداری خیال کیا جاتا۔ لکھنؤ مین اُس کے نیچے نیمے کے عوض شلوکا ایجاد ہوا۔ جس مین آگے کی طرف بوتام لگائے جاتے۔ اس لیے کہ اب یورپ کے بوتام یہان پہونچ گئے تھے۔ شلوکون مین خاص وضعداریان دکھائی جاتین۔ نازک مزاج لوگ جالی یا ابرلیٹ کے چست شلوکے پہنتے جن مین کچے سوت سے نقش و نگار کاڑھے جاتے۔ بعض لوگ رنگین شلوکے پہنتے۔ اس لیے کہ اُس کے بیل بوٹے اور اُس کا رنگ تنزیب کے سپید انگرکھے کے نیچے سے اپنی جھلک دکھا کے خاص لطافت اور خاص نفاست پیدا کرتے۔

دوسری ترمیم بالابر میں دربار کے لکھنؤ آنے کے بعد یہ ہوئی کہ چپکن کے نام سے ایک چست قبا ایجاد ہوئی۔ اس میں ویسا ہی گول گریبان رکھا گیا۔ اور اُس میں انگرکھے کی طرح سینے پر پردہ بھی لگایا گیا۔ مگر وہ پردہ داہنی جانب قوس نما صورت میں بوتاموں سے اٹکایا جاتا۔ اس میں داہنی جانب گلے کے پاس سے بوتاموں کی ایک خوشنما قوس گولائی لیتی ہوئی کوڑی تک آتی۔ اور اُس کے مقابل دوسری جانب کی قوس میں پردہ اصلی لباس ہی میں سی دیا جاتا۔ اُس میں بھی بالابر کی طرح چوڑی کلی اوپر لگائی جاتی جو بغل کے نیچے بائیں طرف بوتام یا گھنڈی سے اٹکا دی جاتی۔ یہ چپکن جو شالی یا کسی اور بھاری کپڑے کی ہوتی۔ اور جاڑوں کے موسم کے لیے زیادہ موزوں تھی ایک زمانے میں یہاں اہل دربار اور خاصتہً اہل کار بار یابان دربار کا معزز لباس تھی۔ اسے انگریزوں نے بھی بہت پسند کیا۔ اور اپنے ملازموں کو وہ ایک مدت تک یہی پہناتے رہے۔

سب کے بعد لکھنؤ کے بالکل آخری عہد میں چپکن اور انگرکھے دونوں کے ترتیب دینے سے اچکن ایجاد ہوئی۔ اس میں انگرکھے اور چپکن کا سا گریبان قائم رکھا گیا جو بیچ سے سیدھا کاٹ کے آدھا آدھا دونوں جانب سی دیا جاتا۔ اور سلائی کی جگہ پر سنجافی گوٹ کے ذریعے سے گریبان کی گولائی اور قطع برقرار رکھی جاتی۔ بیچ کے چاک میں جو گلے سے لے کے سیدھا کوڑی تک آتا بوتام لگا دیے جاتے۔ وہ بالابر کی کلی جو اوپر لگائی جاتی تھی اس میں نیچے کر دی گئی تاکہ دامن بھی نہ کھلیں اور بالابر کی کلی کے اوپر کی طرف لگانے سے جو بدمذاقی ظاہر ہوتی تھی دور ہو جائے۔ اچکن کا نیچے کا حصہ بالکل چپکن اور انگرکھے کا سا ہوتا۔ شوقین لوگ اُس میں بھی ویسی ہی دردامن گوٹ اور اُسی طرح کی تین تین کمر تو ٹیاں لگاتے۔ اور کٹاؤ کا کام بناتے۔

یہ آخری ایجاد اچکن لوگوں کو بہت پسند آئی۔ اس کا رواج شہر سے گزر کے دیہاتوں میں بھی شروع ہوا۔ اور آناً فاناً سارے ہندوستان میں پھیل گیا۔ یہی اچکن حیدرآباد پہونچ کے تھوڑی سی ترمیم کے بعد شروانی

بن گئی۔ وہان اس کی آستینین انگریزی کوٹ کی سی کر دی گئین۔ گریبان جو گوٹے لگا کے سینے پر نمایان کیا جاتا تھا نکال ڈالا گیا۔ قطع و بُرید مین انگریزی کوٹ کی وضع دامنون وغیرہ مین بھی اختیار کی گئی اور وہ لباس ایجاد ہوگیا جو آج کل ہندوستان کے ہندو مسلمان تمام لوگون کا قومی لباس کہے جانے کے قابل ہے۔ لکھنؤ والون نے بھی چند روز بعد جب اپنی پرانی ایجاد مین حیدر آباد کی مناسب اصلاح دیکھی تو اُسے بہت ہی پسند کیا۔ اور تھوڑے ہی زمانے مین شروانی کا رواج ہر شہر اور ہر قریے کی طرح لکھنؤ مین بھی پڑ گیا ہے۔

انگرکھے کے نیچے جو شلوکا پہنا جاتا تھا اُس کے عوض پہلے ڈھیلا اور اُونچا کُرتا اختیار کیا گیا۔ اور چند روز بعد مغربی اثر نے کُرتا چھڑا کے انگریزی قمیص کو رواج دیا جس مین کف اور کالر ہوتے ہین۔ قمیص اور کالر کے رواج نے شروانی کے تکلفات اور بڑھائے۔ یعنی لازمی ہوگیا کہ سفید کالر اوپر نکلا رہے اور شروانی کا اوپر کا سرا ٹھیک سے اتنا کے قمیص کے اُس بالائی بوتام کے نیچے رہے جس مین کالر لگایا جاتا ہے۔ آستینین اتنی رہین کہ کفون کا کسی قدر حصہ نکلا رہے۔ تعلیم یافتہ لوگون اور متوسط طبقے والون کا لباس دوسرے شہرون کی طرح فی الحال لکھنؤ مین بھی یہی شروانی ہے۔ مگر اِس کو لکھنؤ سے کوئی خصوصیت نہین۔ لکھنؤ کی ایجاد و اختراع کا خاتمہ اچکن پر ہو گیا۔ جو اب قریب قریب بالکل متروک ہو گئی ہے۔

ناول جویائے حق

اس ناول کو قدر افزایان دل افروز نے بے انتہا پسند فرمایا۔ اور آغاز ہی سے مُصر ہین کہ اِس مین خوب تفصیل سے کام لیا جائے۔ ہمارا ابتداءً تو یہ ارادہ نہ تھا۔ مگر افسوس کہ اُس کی پہلی جلد مین جو اپریل ۱۶ء سے شروع ہو کے مارچ ۱۷ء مین تمام ہوئی فقط ہجرت نبوی صلعم تک حالات آسکے۔ اس لیے سخت ضرورت ہے کہ دوسرے سال مین بھی اس کا سلسلہ جاری رکھ کے یہ مقدس پلاٹ کمل کر دیا جائے اگر کسی صاحب کو اِس مین عذر ہو تو مجھے براہ راست اطلاع دین۔

سلف کا ایک غیر مشہور مدعی خلافت
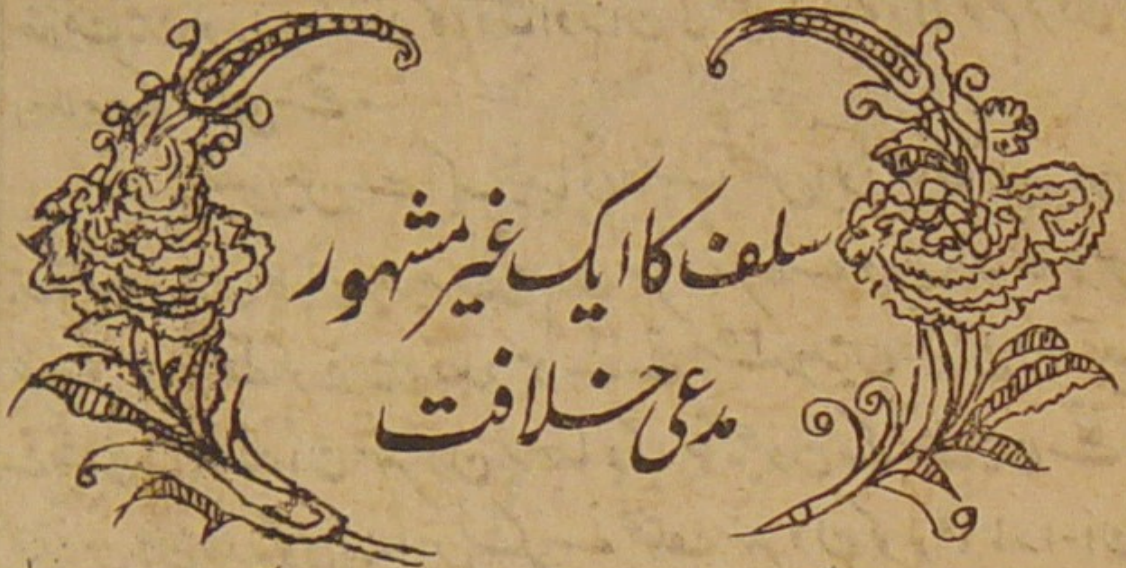
یزید بن معٰویہ کے مرنے کے بعد جب مکہ معظمہ مین لوگون نے عبداللہ ابن زبیر کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی ہے۔ اور شام مین معٰویہ بن یزید کے خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد مروان نے دعوائے خلافت کیا ہی۔ اُن دونون ارض عراق مین ایک اور شخص بھی موجود تھا جو خلافت کا دعوی کرتا۔ اور اُس کے رفقا اُسے "امیر المومنین،، کے لقب سے یاد کرتے تھے
شیعیان کوفہ اور حضرت علی کے رفقا مین سے جو گروہ آپ سے ٹوٹ کے مقام حرورا، مین جمع ہوا تھا اور خود اپنے امام کی مخالفت کر کے خوارج کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا اُن لوگون نے عراق کے کونون مین بیٹھے بیٹھے قوت پکڑلی۔ اور دعوی کیا کہ سوا خدا اور رسول کی اطاعت کے کسی کی فرمان برداری جائز نہین۔ اور خلیفہ کا وہی حکم مانا جا سکتا ہی جو از روے نص ثابت ہو اور کسی امر مین اُس کی اطاعت ناجائز ہے۔ ان لوگون نے اپنے جھنڈے پر یہ آیت لکھی کہ "اِنِ الحکم اِلّا لِلّٰہ،، یعنی خدا کے سوا کسی کا حکم حکم نہین ہے۔ یہ لوگ حضرت علی کے دشمن ہو گئے۔ اور اُنھین پر کیا موقوف ہے ہر ایسے حاکم و خلیفہ کے عدوے جانی تھے جس کو یہ دعوی ہوتا کہ خدا و رسول کی اطاعت کے بعد "اولو الامر،، یعنی حاکم وقت کی اطاعت بھی ایک دینی فرض ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی خلیفہ ہو۔ بنی اُمیہ سے ہو یا بنی ہاشم سے عباسی ہو یا فاطمی یہ اُس سے لڑنے اور بغاوت کرنے کو تیار ہو جاتے۔ فقط شیخین یعنی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو تو اپنے معیار

خلافت مین پُورا پا کے اُن کا ادب اور اُن کی تعظیم کرتے باقی تمام فرمان روایان اسلام کے دشمن تھے۔

انھیں مین سے ایک شیبانی النسب شخص ابو الضحاک شُبیب بن یزید بن نعیم تھا۔ اُس کا باپ یزید بن نعیم ان معزز شرفاے عرب مین سے تھا جو صحراے عرب کو چھوڑ کے کوفے مین آباد ہو گئے تھے۔ ۲۵ھ مین سلیمان بن ربیعہ باہلی نے شمالی شام کے اُن شہرون پر جہاد کیا جو مسیحیون کے قبضے مین تھے۔ ان مجاہدین مین یزید مذکو بھی تھا۔ اس لشکر نے مختلف شہرون کو لوٹا مارا۔ اُن پر قبضہ کیا۔ اور بہت سے لونڈی غلام اسیر کر کے کوفے مین واپس آیا۔ ان لونڈیون مین سے ایک جو رنگت مین سرخ و سفید گوری چٹی۔ کشیدہ قامت۔ اور بڑی جمال تھی اُسے یزید بن نعیم نے کسی اور مجاہد سے مول لے لیا۔ اپنے قبضے مین لانے کے بعد چاہا کہ وہ مسلمان ہو جائے مگر اُس نے نہ مانا۔ مارا پیٹا لیکن اُس نے اپنی ضد نہ چھوڑی۔ مجبورًا یونہین اُسے اپنی حرمون مین شامل کر لیا۔ چندروز بعد وہ یزید سے حاملہ ہوئی۔ حمل کو بھی جب کئی مہینے گزر گئے تو حسب معمول بچے نے پیٹ مین حرکت شروع کی۔ پیٹ مین حرکت محسوس کر کے وہ عورت سخت متحیر ہوئی اور بار بار کہتی میرے پیٹ مین کوئی چیز رہ رہ کے ڈھونٹھین مارتی ہے۔ اُس کا یہ قول مشہور ہوا تو کوفے کی تمام عورتین اُس کا مضحکہ اُڑانے لگین۔ اور جب کوئی کسی کو بیوقوف بناتا تو کہتا "احمقُ من جہیرہ" یعنی جہیرہ سے بھی بڑھ کے احمق۔ جُہیرہ اُسی عورت کا نام ہے جو کیا عجب کہ اسی شہرت کی وجہ سے پڑ گیا ہو۔ اسی زمانے حمل مین وہ خود ہی سے مسلمان ہو گئی۔

مدت حمل پوری ہوئی تو ۲۶ھ مین خاص بقرید کے دن اُس کے بطن سے شَبیب پیدا ہوا جس کے حالات ہم بیان کرنا چاہتے ہین۔ اُس کے پیدا ہونے کے بعد جہیرہ نے اپنے آقا یعنی شبیب کے باپ سے کہا مین نے خواب مین دیکھا کہ میرے پیٹ سے ایک شعلۂ نار نکل کے اوپر کی طرف گیا۔ اور زمین و آسمان کے درمیان مین قائم ہو گیا۔ اس کے بعد وہ یکایک سمندر مین گر پڑا۔ اور پھر اُس مین سے نکل کے آیا۔ علاوہ اس کے خاص قربانی

کے دن یہ پیدا ہوا ہے۔ اِن واقعات سے مجھے یقین ہے کہ میرے بچے کی کوئی خاص شان ہونے والی ہے۔ یہ بہت بڑا شخص ہوگا۔ اور اُس کے ہاتھ سے بہت سے لوگ مارے جائینگے"۔ ماں کی یہ پیشین گوئی اُس وقت تو باپ کی سمجھ مین نہ آئی ہوگی۔ مگر شبیب نے بڑے ہوتے ہی اسے پورا کر دکھایا۔

اس سے زیادہ لطف یہ کہ اُس کی ماں جہیرہ جو زنان کوفہ مین بے وقوف اور احمق مشہور تھی بیٹے کے عروج کے زمانے مین وہ بھی اتنی بڑی بہادر سپہگر۔ نبرد آزما۔ جان باز اور سرفروش ثابت ہوئی کہ اس زمانے مین کوئی عورت اُس کی ہمسری کا دعوی نہ کر سکتی تھی۔ اس کے بعد شبیب نے غزالہ نام ایک نازک اندام عورت سے شادی کی تو اُس نے شہسواری اور جوانمردی مین ساس کو بھی مات کر دیا۔

اُن دنون دمشق مین عبدالملک بن مروان خلیفہ تھا۔ اور عراق کی حکومت حجاج بن یوسف ثقفی کے ایسے سنگدل جابر و ظالم کے ہاتھ مین تھی۔ جس نے آزاد مشرب شرفاے عرب کے حق مین کوئی ظلم و جور نہین اُٹھا رکھا۔ بڑے بڑے لوگ اُس کے سامنے دب گئے۔ عبداللہ بن زبیر کے ایسے صاحب اثر اور نیک نفس صحابی کو ۷۳ھ مین اُس نے جام شہادت پلا دیا۔ اور کسی کی مجال نہ تھی کہ دم مار سکے۔ مگر شبیب نے مطلق اس کی پروا نہ کی۔ اپنے گروہ خوارج مین نئی زندگی و گرم جوشی پیدا کر کے شہر موصل مین اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور فوجی نقل و حرکت شروع کر دی۔ اور ایسی بامردی و دلیری سے کہ حجاج کی طرف سے جو لشکر آتا اُسے شکست ہو جاتی اور سپہ سالار مارا جاتا۔ یونہین یکے بعد دیگرے مسلسل پانچ بہادر سردار فوجین لے گئے اور شبیب کے مقابلے مین مارے گئے۔ اُن کے شکست خوردہ سپاہیون نے جا جا کے شبیب اور اُس کی ماں اور بیوی کی شجاعت کے ایسے کارنامے بیان کیے کہ حجاج کے حواس جاتے رہے۔

اب شبیب موصل سے نکل کے کوفے کی طرف چلا۔ حجاج بصری مین تھا اُس کے چل کھڑے ہونے کا حال سُنا تو خود بھی کوفے کی راہ لی۔ تاکہ اُس ناموَر شہر کو جو اُن دنون

خوب آباد تھا خارجیون کی دستبُرد سے بچائے۔ شبیب چاہتا تھا کہ حجاج کے پہونچنے سے پہلے ہی کوفے مین داخل ہو جائے۔ مگر حجاج تابڑ توڑ کوچ کر کے اُس سے پہلے ہی پہونچ گیا لیکن شبیب کو کوفے مین داخل ہونا لازمی تھا۔ فوجی ضرورت یا فتحمندی کے خیال سے نہین۔ بلکہ اس لیے کہ اُس کی دلیر و جنگجو اور محبوبۂ خونریز بیوی غزالہ نے منت مانی تھی کہ مین جس طرح بنے گا مسجد کوفہ مین جا کے دو رکعتین نماز کی پڑھون گی۔ اور اُن رکعتون مین سے پہلی مین سورۂ بقرہ اور دوسری مین سورۂ آل عمران پڑھون گی۔ شبیب کو انیس زندگی بیوی کی منت پوری کرنا واجب تھا۔ حجاج کے کوفے مین داخل ہو جانے کا حال سُنا تو مان اور بیوی کے علاوہ ستر بہادر مرد میدان اُس نے ساتھ لیے۔ اور بلا تامل ایک تاریخ کو آخر شب مین حملہ کر کے کوفے مین گھس پڑا۔ سیدھا جامع مسجد مین گیا۔ سارے ہمراہی تلوارین کھینچے مسجد کے دروازے پر کھڑے رہے۔ اور غزالہ نے خوب اطمینان کے ساتھ فجر کی فرض رکعتین انھین دونون سورتون کے ساتھ پڑھین اور یہ منت پوری ہوتے ہی سب لوگ دھڑلّے سے اپنا کام کر کے کوفے سے نکل گئے۔

کوفے مین اِن لوگون کے گھس پڑنے کی خبر حجاج کو ہوئی تو مارے خوف کے کانپنے لگا۔ دارالامارت مین چھپ کے بیٹھ رہا۔ پھاٹک بند کروا لیے۔ اور گرد اپنی حفاظت کے لیے پہرہ مقرر کر لیا۔ اِس کے بعد جب یہ سُنا کہ وہ لوگ چلے گئے تو اُس کی جان مین جان آئی اور بصرے مین واپس گیا۔

آخر مجبور ہو کے حجاج نے دارالخلافہ دمشق مین یہ سب واقعات لکھے اور عبدالملک بن مروان کو اطلاع کی۔ اُس نے اپنی خلافت کو معرض خطر مین دیکھ کے ایک بہت بڑا اعظم الشان اور کثیر التعداد لشکر شام سے روانہ کیا۔ جس کا سپہ سالار سفیان بن ابرد کلبی نام اُس عہد کا ایک آزمودہ اور نامور امیر الجیش تھا۔ سفیان کوفہ مین پہونچ لیا تو حجاج بُصرے سے ایک بہت بڑا بھاری زبردست لشکر لے کے نکلا۔ اور دونون نے دو جانب سے شبیب پر حملہ کیا۔ شبیب اگرچہ جانتا تھا کہ اب کی اتنا بڑا زبردست لشکر میرے مقابلے پر آیا ہے کہ مجھے اُس سے

بچنے کی امید نہین - مگر جوش شجاعت مین لڑائی سے منہ نہ پھیرا - اور فوراً
لڑائی چھیڑ دی - بہت بڑی خونریزی ہوئی - بہتون نے جام اجل پیا - لیکن انجام
وہی ہوا جو پہلے سے ظاہر تھا کہ شبیب کو شکست ہوئی - اُس نے اور اُس کی ماں
اور بیوی نے غیر معمولی دلیری ظاہر کی - جان پر کھیل کھیل کے دشمنون کے دریاے فوج
مین پھاندتے - اور گویا خون کے دریا مین غوطے لگا کے یہان ڈوبتے تو وہان
نکلتے - لیکن تقدیر سے چارہ نہ تھا - دونون نامور عورتین جہیزا اور غزالہ لڑتے
لڑتے زخمون سے چور ہو کے گرین اور جان دیدی - لیکن شبیب کی زندگی باقی تھی
چند سوارون کے ساتھ جان بچا کے بھاگا - اور دشمنون کے نرغے مین سے نکل گیا -
سفیان نے فوراً تعاقب کیا - اور شبیب اہواز تک پہونچنے پایا تھا کہ
جالیا - دشمن کو سر پر دیکھ کے شبیب کی شجاعت نے یہ گوارا نہ کیا کہ پیٹھ پھیرے
فوراً پلٹ پڑا - اس واپسی مین دریاے دُجیل[1] کے پُل پر سے عبور کرنا تھا جس کے
پار جا چکا تھا - واپسی مین اس کا تھکا ہوا گھوڑا پُل کے اوپر بھڑکا - اور ایسی جست کی
کہ شبیب اُس کی پیٹھ پر سے اُچھل کے بیچ دھارے مین گرا اور گرتے ہی ڈوب
گیا - اس لیے کہ سر سے پاؤن تک دریاے آہن مین غرق تھا - اور خود -
زرہ - چار آئینہ اور جوشن و خفتان کا بوجھ اتنا نہ تھا کہ پانی مین اُسے اُبھرنے
دے - تاہم پانی مین گر کے اُبھرا - اور اُس کے ایک رفیق کی زبان سے بے ساختہ
نکل گیا "امیر المومنین! (اُس کے پیرو اُسے اِسی خطاب خلافت سے یاد کیا کرتے
تھے) کیا آپ ڈوب کے جان دین گے؟" اُس نے پانی مین سے جواب دیا "مضایقہ
نہین - خداے عزیز و دانا کی یہی مرضی ہے" یہ کہہ کے پھر ڈوبا تو قیامت تک
کے لیے آنکھین بند کر لین -

مگر خدا کی قدرت پانی نے زندگی مین تو اُسے اُبھرنے نہ دیا - مگر اُس کی
لاش مرنے کے بعد کسی جگہ کنارے سے جا لگی -

---

[1] دریاے دُجیل کو کوئی صاحب دجلہ نہ سمجھ لین - یہ دریا ایران سے
بہتا ہوا آیا ہے - اہواز اُس کے کنارے آباد ہے - اور دریاے دجلہ
کے دہانے کے قریب خلیج فارس مین گرا ہے -

لاش فوراً بذریعہ ڈاک حجاج کے پاس بھیجی گئی۔ حجاج کی سنگدلی و بیدردی مشہور ہے۔ لاش کو دیکھ کے بہت خوش ہوا۔ پھر اُس کا پیٹ چاک کروا کے دل سینے سے نکلوایا۔ اور اُسے ہاتھ مین لے کے دیکھا تو اِس قدر سخت تھا کہ معلوم ہوا جیسے پتھر کا بنا ہے۔ غصے مین آکے زمین پر زور سے پٹک دیا تو وہ گنبد کی طرح گرتے ہی اُچھل کے دور جا گرا۔ پھر اُس دل کو چاک کرایا تو اُس کے اندر سے گول گنبد کا سا ایک اور لٹو نکلا۔ اور جب اُسے بھی چاک کیا تو اُس مین سے منجمد خون کا لوتھڑا برآمد ہوا۔

شبیب کے ڈوبنے کا واقعہ ۷۷ھ مین عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے چار سال بعد ہوا۔

ایک راوی اخبار کا بیان ہے کہ شبیب جب مسجد کوفہ مین داخل ہوا ہے اُس وقت مین نے خود اپنے آنکھون سے اُسے دیکھا تھا۔ وہ ایک طیالسی جبہ پہنے تھا۔ جس پر مینھ کی بوندیان پڑنے سے بُنکیان بُنکیان سی بن گئی تھین۔ رنگت کھلتی ہوئی گندم گون تھی۔ قد لمبا تھا۔ اور جھبرے جھبرے جھنڈ والے بال تھے۔

ایک خارجی شاعر عُتبان حروری بن اصیلہ جس نے شبیب کی موت پر مرثیہ لکھا تھا گرفتار کر کے عبدالملک کے سامنے پیش کیا گیا تو عبدالملک نے نہایت غیظ و غضب اور طیش کے لہجے مین اُس سے کہا "کمبخت تو نے یہ شعر نہین کہا ہے؟" اور اُس کا ایک شعر پڑھا جس مین اُس نے بنی اُمیہ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ "تم مین اگر فلان فلان نامور لوگ ہین تو ہم مین فلان فلان اور امیرالمومنین شبیب ہین"۔ عُتبان نے کہا "امیرالمومنین مین نے یون نہین کہا۔ بلکہ یون کہا ہے۔ اور اُس شعر کو امیرالمومنین کے حرف "ر" کی حرکت بدل کے پڑھا۔ جس سے امیرالمومنین کا لفظ بجاے شبیب کی صفت ہونے کے عبدالملک کی جانب خطاب ہوگیا۔ اگرچہ یہ جواب نہین ایک مذاق تھا مگر عبدالملک کو عُتبان کی یہ ادبی چالاکی اس قدر پسند آئی کہ جان بخشی کی اور اُسی وقت چھوڑ دیا۔

حسن کی کرشمہ سازیان

ایڈلین نامور مغنیہ یورپ

اِس کے تسلیم کرنے مین کسی واقف کار کو بمشکل تامل ہو سکتا ہے کہ دمشق اور بغداد کی خلافتون مین دربار خلافت نے بعض مغنیون اور مغنیہ عورتون کی جیسی قدر کی ویسی قدر اِس لطیف فن کے ماہرون کی دنیا کا کوئی دربار نہین کر سکا ہے۔ مگر یورپ کی نامور مغنیہ ایڈلین کو البتہ سلاطین یورپ نے جو عزت دی وہ شاید دنیا کی کسی گانے والی کو نہ نصیب ہو سکی ہوگی۔

ایڈلین کا نشو و نما بچپن ہی سے یورپ کے کانسرٹون (محفل ہاے طرب) مین ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اُس کے حسن و جمال اور اُس کی دل مین اُتر جانے والی آواز نے اُس کے اِس کمال مین اور جان ڈالدی۔ چند ہی روز مین یہ حالت ہو گئی کہ ممالک یورپ مین کوئی شخص نہ تھا جو اُس کے گانے پر نہ فریفتہ ہو۔ پبلک کی عام قدر دانی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُس کی آمدنی روز بروز ترقی کرنے لگی اور چند سال مین اُس کی سالانہ آمدنی دس لاکھ فرینک ہو گئی۔

مگر وہ خصوصیت جس نے اس سحر آفرین مغنیہ کو دنیا بھر کی گانے والیون سے ممتاز کر دیا یہ تھی کہ بڑے بڑے زبردست شہنشاہان یورپ اُس کے حد سے زیادہ گرویدہ تھے۔ اور انتہا سے زیادہ اُس کی عزت کرتے تھے۔ ایڈلین نے اپنی وضع یہ رکھی تھی کہ جب نظر آتی اُس کے ہاتھ مین ایک قسم کی انوکھی پنکھیا ہوتی جو اُسی کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور کسی اور خاتون کے ہاتھ مین نہین دیکھی گئی تھی۔ شاہان ارض مین سے جس کسی نے اُس کی تعریف کرنی چاہی تو اُس نے اپنی وہی پنکھیا بڑھا دی کہ اس پر لکھ دیجئے اور اُس فرمان روا نے اُس پر اپنے جذبات دلی اپنے قلم سے لکھ دیے۔ چند روز مین یہ پنکھیا تحریرون سے بھر گئی۔ اور کوئی تاجدار نہ تھا جس کے ہاتھ کا خط اُس عجیب و غریب پنکھیا پر موجود نہ ہو۔ جن مین سے چند اہم تحریرین ہم اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہین۔ زار روس نے لکھا "کسی چیز سے وہ تسکین نہین ہوتی جو تمھارے

گانے سے ہوتی ہے۔" قیصر جرمنی نے اس مغنیہ کی جانب خطاب کرنے کی شان سے یہ الفاظ لکھ دیے تھے۔" تمام زمانون کی بلبل کو میرا (سلام)"۔ ملکہ اسپین نے لکھا تھا "ایک ملکہ عہ کو (مجھے) اس پر ناز ہوگا کہ تم اُسے اپنی رعایا مین شامل خیال کرو۔" ہماری نیک نفس اور ہردلعزیز ملکہ معظمہ وکٹوریہ نے اپنے دستخط سے اُس پنکھیا پر یہ الفاظ لکھے تھے "شاہ لبار کے یہ کلمات کہ آواز شیرین خداداد ہے" اگر سچ ہین تو اے میری پیاری اڈلین تم ساری عورتون سے بڑھی ہوئی مغنیہ ہو۔" ان فرمان روایان ارض کے علاوہ شہنشاہ آسٹریا اور ملکہ آیزابلا کے ہاتھ کی تحریرین بھی اُس پنکھیا پر موجود تھین۔ اسی طرح ملکہ بلجیم نے بھی اپنے خیالات ظاہر کیے تھے۔ اڈلین کی اس پنکھیا کے بیچ مین یہ الفاظ لکھے تھے "اے ملکہ طرب مین تیری طرف اپنا (بشوق) کا ہاتھ بڑھاتا ہون"۔ اِن لفظون کا لکھنے والا دولت جمہوریۂ فرانس کا پریسیڈنٹ بٹرس تھا۔

اِن تحریرون کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو عزت و حرمت اور جیسی مرجعیت عامہ اِس مغنیہ کو حاصل تھی دنیا کی کسی عورت کو شاید ہرگز نہ نصیب ہوئی ہوگی۔ جن فرمان رواؤن اور تاجدارون کی حضوری حاصل ہونا بڑے بڑے امیرون اور قابل لوگون کے لیے مایۂ افتخار تھا وہ سب اس خاتون سے ملنا۔ اُس سے ملاقات پیدا کرنا۔ اور اُس کو دوست بنانا اپنا سرمایۂ ناز تصور کرتے تھے۔

اڈلین کے زیادہ حالات نہین معلوم ہو سکے۔ مگر مصر کی قابل مصنفہ عائشہ خانم کے ذریعہ سے ہمین اسی قدر واقعات معلوم ہوئے۔ جو اُس کے حسن صورت نہین تو حسن صوت کے کرشمے ظاہر کرنے کے لیے بخوبی کافی ہین۔ لیکن ہم اُس کے ساتھ اتنا اور کہنا چاہتے ہین کہ سلاطین یورپ کا یہ برتاؤ در اصل اُس عہد کی جمہوریت کی برکت ہے جس نے تاجدارون کو فقط اِس کام کا باقی رکھا ہے کہ حکمرانی کی ذمہ داریون سے سبکدوش ہو کے فقط حسن کی قدردانی کیا کرین۔

فریب سے بھی دشمنون کا کام نہ چلا

لیکن حملہ آوران اسلام کی تلوارون کا ایسا رعب پڑ گیا تھا کہ اہل صقلیہ کو کسی طرح مقابلے کی جرأت نہ ہوئی فریب کی راہ سے اُنھون نے قاضی صاحب کے پاس لکھ بھیجا "ہم جزیہ دینے کو تیار ہین آپ وہین رہین اور سرقوسہ کی طرف بڑھنے کا قصد نہ کرین" قاضی اسد نے اُن کی درخواست قبول کر لی۔ اور لڑنا شرائط جہاد کے خلاف خیال کر کے جہان تک پہونچے تھے وہین ٹھہر گئے دشمنون نے لشکر اسلام کو اس طرح روک کے چپکے چپکے لڑائی کی تیاریان شروع کین۔ اور ایک مدت مدید گزر جانے پر بھی نہ جزیہ کی رقم بھیجی۔ نہ اظہار اطاعت کیا۔

اُن کی یہ سرکشانہ وضع دیکھ کے قاضی اسد نے پھر مقابلے کی کارروائی شروع کر دی۔ بڑھ کے شہر سرقوسہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور چھوٹے چھوٹے لشکر اطراف و جوانب اور قرب و جوار کی چھوٹی چھوٹی بستیون مین بھیجنا شروع کیے۔ غرض تھوڑے زمانے مین مسلمانون کو بہ افراط مال غنیمت ہاتھ لگ گیا۔ اور بہت سے گاؤن مین اُن کی حکومت بھی قائم ہو گئی۔ اتنے مین افریقہ سے مسلمانون کی اور کمک آ گئی۔ اور اُن کا حوصلہ بڑھ گیا۔

دشمنون کا زور

اتنے مین بلرم (پلرمو) کا حاکم ایک کثیر التعداد فوج لے کے اہل سرقوسہ کی مدد کے لیے آ پہونچا۔ مسلمانون نے جو دیکھا کہ اب دشمنون کے نرغے مین گھرے جاتے ہین تو اپنے گرداگرد گہرے خندق کھود لیے۔ اور اُس خندق کے آگے ایک اور گہری اور لمبی کھائی کھود دی۔ اور دونون جانب دشمنون سے لڑنے لگے۔ ایک طرف سرقوسہ کے محاصرے مین سختی کرتے۔ اور دوسری جانب عظیم الشان رومی لشکر کو رد کرتے۔ رومیون نے جی توڑ کے حملے کیے۔ اور اُن کے

ہزار ون آدمی کھائیون مین گر گر کے پکڑے اور مارے گئے۔

قاضی اسد کی وفات اور محمد ابن ابی الجواری کی سپہ سالاری

اب اہل صقلیہ کی مدد کو ایک بڑا بھاری بیڑہ قسطنطنیہ سے آگیا جس نے ایک عظیم الشان اور کثیر التعداد لشکر کو لا کے ساحل صقلیہ پر اُتار دیا۔ اس زمانے یعنی ۲۱۳ھ مطابق سنہ محمدی مین لشکر اسلام مین سخت وبا پھیلی ہوئی تھی۔ بہت سے مسلمان اس وبا کی نذر ہوئے۔ یہان تک کہ سپہ سالار عساکر اسلام قاضی اسد بن فرات نے بھی اُسی مرض مین مبتلا ہو کے سفر آخرت کیا۔ اور مسلمانون نے اُن کی جگہ اپنا سپہ سالار محمد بن ابی الجواری کو منتخب کیا۔

مسلمانون کی ابتر حالت

لیکن اسی وبا اور دشمنون کے ہجوم کیوجہ سے مسلمانون کی حالت بہت ابتر ہو رہی تھی۔ آخر کامیابی سے ناامید ہو کے وہ اپنے جہازون پر سوار ہوئے اور ارادہ کیا کہ واپسی کے لیے لنگر اُٹھا دین۔ لیکن سامنے جو دیکھا تو نظر آیا کہ دشمنون کے جہاز بندرگاہ کے دہانے پر ڈٹے ہین۔ اور اُن کا راستہ روکے ہوئے ہین۔

مایوسی مین اُن کا جوش شجاعت

یہ حال دیکھ کے مسلمانون کو ایسا طیش آیا کہ جہازون کو چھوڑ کے خشکی مین آگئے۔ اور تمام جہازون مین آگ لگا دی تاکہ سب لوگون کے ذہن نشین ہو جائے کہ اب ہمین گھر واپس جانا نہین بلکہ یہین مرنا کھپنا ہے۔ ساتھ ہی بڑے شہر منیاؤ پر حملہ کر دیا۔ اور تین ہی دن کے محاصرے مین اُسے فتح کر لیا۔ یہان

کوچ کر کے اُنھون نے قلعہ جرجنت پر حملہ کیا- اُسے بھی بزورِ اسلحہ فتح کر لیا- اور اُسی مین ٹھہر گئے-

اِن فتحون سے اُن کے حوصلے بڑھ گئے تھے- جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُنھون نے جوش وخروش سے بڑھ کے شہر قصریانہ پر حملہ کیا- اس مہم مین فیمی بھی مسلمانون کے ساتھ تھا- اہل شہر نے اُس کے آنے کی خبر سُنی تو اُس کے استقبال کو شہر سے باہر نکلے- اُس کے سامنے آ کے زمین چومی- اطاعت وفرمان برداری کا یقین دلایا- اور اپنے ساتھ دھوم دھام سے شہر مین لے جا کے اُسے مار ڈالا-

عظیم الشان فتح

اب عیسائیون کی کمک کو قسطنطنیہ سے اور لشکر آ گیا- جس کی کوئی حد و نہایت نہ تھی- وہ لوگ ساحل پر قدم رکھتے ہی مسلمانون کے مقابل صف آرا ہو گئے اور لڑائی چھڑ گئی- مسلمانون کو یقین تھا کہ اگر شکست ہو گئی تو ہمین نہ سارے جزیرے مین کہین پناہ ملے گی اور نہ بھاگنے کو جہاز ملین گے- اس خیال سے اُنھون نے اس طرح جان پر کھیل کے حملہ کیا- کہ دشمنون کے قدم اُکھڑ گئے- اُن کی صفون کے درہم برہم ہوتے ہی فتحیاب مسلمان قضاے مبرم کی طرح اُن کے سر پر ٹوٹ پڑے- اور رومیون کی ایک خلقت عظیم قتل ہو گئی- جو باقی بچے اُنھون نے بھاگ بھاگ کے قصریانہ مین پناہ لی- اور پھاٹک بند کر لئے- تاکہ مسلمان اُس کے اندر نہ داخل ہو سکین؞

زہیر بن غوث کی سپہ سالاری اور عربون کو شکستین

اس جنگ کے دوران مین مسلمانون کا سپہ سالار محمد بن ابی الجواری بھی مر گیا- اور لوگون نے زہیر بن غوث کو اپنا سردار منتخب کیا- زہیر کی کوشش نے مسلمانون مین نئی سرگرمی پیدا کی- چنانچہ عربون کے ایک چھوٹے لشکر نے

ملک کے تاخت و تاراج کا بازار گرم کیا- اُن پر رومی فوج کے ایک گروہ نے حملہ کیا- اور اُنھین شکست دے کے پسپا کر دیا- دوسرے دن عربون کا سارا لشکر پورے جوش سے مقابلے کو بڑھا- رومیون نے اُن پر یورش کی- اور ایسی بہادری سے لڑے کہ عربون کو پھر شکست دیدی- اس لڑائی مین تقریبًا ایک ہزار مسلمان شہید ہوئے-

اپنی ناکامی دیکھ کے عرب اپنی لشکرگاہ مین واپس آئے- اور اُس کے گرداگرد خندق کھود لی- ساتھ ہی رومیون نے جن کا حوصلہ متواتر دو فتحون سے بڑھ گیا تھا فورًا آکے اُن کا محاصرہ کر لیا- جس کی وجہ سے مسلمانون کو رسد پہونچنا غیر ممکن ہو گیا- اور لشکر اسلام قحط اور فاقے کی سخت ترین مصیبت مین مبتلا تھا- آخر مجبور ہو کے عربون نے ارادہ کیا کہ رومیون پر ایک ایسا شبخون مارین کہ اُسی پر قسمت کا فیصلہ ہو جائے- بدقسمتی سے اُن کی یہ تجویز رومیون کو معلوم ہو گئی- اُنھون نے یہ چالاکی کی کہ اپنے سارے پڑاؤ اور خیمون ڈیرون کو چھوڑ کے چپکے سے چلے گئے- اور وہان سے قریب ہی ایک جگہ چھپ کے عربون کے حملے کا انتظار کرنے لگے- مسلمانون نے وقت مقررہ پر حملہ کیا- اور جب کسی کو پڑاؤ مین نہ پایا تو حیران و ششدر ہو رہے تھے کہ ناگہان رومی شور کرتے ہوئے اُن پر ٹوٹ پڑے- مسلمان بھی لڑنے اور جان دینے پر آمادہ ہو گئے- مگر فتحیاب ہونا غیر ممکن تھا- آخر اپنے بہت سے رفیقون کو خاک و خون مین تڑپتا چھوڑ کے بھاگے- اور پھر شہر بندرگاہ مین جا کے ٹھہرے-

مسلمانون مین قحط اور ہر طرف سے ناامیدی

محاصرہ اُسی طرح قائم تھا اور مسلمانون کو کھانے کے لیے کوئی چیز میسر نہ تھی- اب اُن کے لشکر مین قحط کا اس قدر زور تھا کہ اپنے گھوڑے اور کتے تک ذبح کر کے کھا گئے-

تھی کہ جو مسلمان شہر جبر جنت مین موجود ہین وہ ہماری مدد کرین گے۔ لیکن
محاصرہ ایسا سخت تھا کہ اُن لوگون کا بھی کچھ زور نہ چلا۔ آخر مجبور ہو کے اُنھون
نے جبر جنت کو منہدم کر کے شہر مازر کی راہ لی۔ اور محصور مسلمانون سے اور دور
ہو گئے۔

خدادا مدد

یہی حالت تھی کہ ۲۱۴ھ شروع ہوا جب کہ سنہ محمدی تھا۔ مسلمانون
کی یہ حالت تھی کہ جان بری و فلاح کی کوئی امید نہ تھی۔ اور سب کو اپنی ہلاکت کا یقین
تھا۔ آخر خدا کو اُن کی حالت پر ترس آیا۔ اور یکایک اُندلس کے جہازون کا بیڑا
نمودار ہوا۔ جس پر وہان کے بہت سے مسلمان سوار تھے۔ اور بہ شوق جہاد مسیحی
شہرون اور آبادیون پر حملہ کرنے کو گھرون سے نکلے تھے۔ ادھر تو یہ اندلس کے
جہاز آئے۔ اُدھر دوسری طرف سے افریقہ کے بہت سے جہاز بھی آ پہونچے جن پر
مجاہدین افریقہ کا ایک کثیر التعداد لشکر سوار تھا۔ اِن دونون بیڑون کے آجانے
سے محصور مسلمانون کے پاس زبردست لشکرون کے علاوہ ۳۰۰ جہاز بھی موجود ہو گئے
اِن تمام جہازون پر سے اُتر کے لشکر اسلام نے جیسے ہی ساحل پر قدم رکھا رومی
محاصرہ چھوڑ کے بھاگ گئے۔ اور جان بلب محصورین کی جان مین جان آگئی۔

شہر پلرمو فتح ہوا

اب مسلمانون نے زور و شور اور جوش و خروش سے بڑھ کے شہر پلرم
(پلرمو) کا محاصرہ کر لیا۔ اور ایسی شجاعت سے اُس پر یورشین شروع کر دین
کہ حاکم قلعۂ پلرمو کے حواس جاتے رہے۔ اور عاجزی کے ساتھ اُس نے خود
اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے امان مانگی۔ اُس کی درخواست قبول کی گئی۔
وہ اپنے اعزا و اقارب اور مال و اسباب کو لے کے براہ دریا مملکت روم مین

چلا گیا۔ اور مسلمان رجب سنہ ۲۱۶ھ (مطابق سنہ عیسوی) مین شہر پرمو سے اندر داخل ہوئے۔ لیکن اندر جا کے دیکھا تو اُس مین تین ہزار آدمیون سے زیادہ نہ تھے۔ حالانکہ محاصرے اور حملے سے پہلے اُس مین ستر ہزار آدمیون کی آبادی تھی۔ اس کمی کی وجہ یہ خیال کی گئی کہ بہت سے لوگ تو لڑائی مین مارے گئے۔ بہتون نے محاصرے کی سختیون قحط اور فاقہ زدگی سے جانین دین۔ اور جو اِن آفتون کو جھیل کے بچے تھے اُن مین سے بھی زیادہ حصہ غیر مذہب اور غیر قوم کی غلامی سے خوف کھا کے امان ملتے ہی کشتیون پر سوار ہو کے مملکت روم مین چلا گیا۔

اندلس اور افریقہ کے مسلمانون مین نزاع

اب دشمن مغلوب و مقہور ہو گیا تو بدنصیبی سے اندلس اور افریقہ کے مسلمانون مین نزاع شروع ہوئی۔ اہل اندلس چاہتے تھے کہ اِس جزیرے کو اپنی زبردست اُموی سلطنت ہسپانیہ مین شامل کر لین۔ اور مسلمانان افریقہ اس جزیرے کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ اس لیے کہ پہلے اُنھین نے فوج کشی کی تھی اور مختلف شہرون پر قبضہ کر چکے تھے۔ آخر خدا خدا کر کے یہ جھگڑا موقوف ہوا۔ اور جزیرۂ صقلیۂ عرب فرمان رواے افریقہ کا حق تسلیم کیا گیا۔ اور حسب سابق دولت بنی اغلب ہی کے زیر حکومت رہا۔

عربون کی فتحمندانہ سبقت

سنہ ۲۱۹ھ تک مسلمان پرمو ہی مین رہے۔ اور اپنی حالت درست کرتے رہی۔ سال مذکور مین وہ پھر شہر قصریانہ کی طرف بڑھے جس پر قبضہ کرنے کی کوشش مین اُنھین کئی سال پہلے سخت ناکامی ہو چکی تھی۔ وہان جو رومی لشکر موجود تھا اُس نے بڑھ کے مقابلہ کیا۔ اور دونون حریف بڑی بہادری سے قدم جما کے لڑے۔ سخت کشت و خون ہوا اور آخر مسلمان فتحیاب ہوئے۔ اور رومی بھاگ کے اپنے پڑاؤ مین

پناہ گزین ہوئے اور وہ مضبوط مقام مین تھا۔ اُسی سال ربیع الاول مین اُنھون نے پھر بڑھ کے مسلمانون کے سامنے صف جنگ مرتب کی۔ جہان تک بنا پامردی سے لڑے۔ گر قسمت مین پھر شکست لکھی تھی۔ میدان چھوڑ کے بھاگے۔ اور پھر اُسی اگلی لشکرگاہ مین پناہ لی۔

محمد بن عبداللہ کی سپہ سالاری

اب ۲۲۰ھ تھا۔ اور عربون کا سپہ سالار محمد بن عبداللہ تھا جس کے زیر علم وہ پھر قصریانہ کی طرف بڑھے۔ رومیون نے حوصلہ کر کے پھر مقابلہ کیا۔ اور پھر شکست کھائی۔ اس لڑائی مین رومی ایسی بدحواسی سے بھاگے تھے کہ اُن کے سردار کی بیوی مسلمانون کے ہاتھ مین اسیر ہو گئی۔ جس کی گود مین بچہ بھی تھا۔ لشکرگاہ مین جو کچھ تھا بہادران عرب نے جی کھول کے لوٹا۔ اور غانم وسالم بلرمو مین واپس گئے۔

اب محمد بن عبداللہ سپہ سالار عرب نے ایک لشکر شہر طبیرمین کی طرف روانہ کیا۔ اور اُس کی کمان محمد بن سالم نام ایک بہادر شہسوار عرب کو دی۔ اس لشکر نے اُن اطراف مین چارون طرف تاختین شروع کین۔ متعدد فتحین حاصل کین۔ اور خوب سامال غنیمت حاصل کیا۔ بدنصیبی سے اِس کے ماتحت سپاہیون مین سے ایک شخص کسی وجہ سے اُس کا دشمن ہو گیا تھا۔ اُس نے اُنھین تاختون کے درمیان کسی موقع پر قابو پا کے اُسے قتل کر ڈالا۔ اور خود مع اُن لوگون کے جو سازش مین شریک تھے بھاگ کے رومیون سے جا ملا۔

فضل بن یعقوب کی سپہ سالاری

اغلبی تاجدار افریقیہ زیادۃ اللہ کو اِس واقعے کی اطلاع ہوئی تو اُس نے اپنے دربار کے شجاعون مین سے فضل بن یعقوب کو سپہ سالار بنا کے بھیجا۔ فضل ایک مختصر فوج کے ساتھ علاقہ سرقوسہ مین اُترا۔ اور اطراف وجوانب کے شہرون کو لوٹ مار کے واپس گیا۔ اب ایک اور عربی لشکر جو فضل کے لشکر سے زبردست تھا افریقیہ سے آیا۔ اس

بھی چارون طرف تاختین شروع کردین۔ یہ لوگ اُسی لوٹ مار مین مشغول تھے
کہ وہ زبردست بطریق جو حکومت قسطنطنیہ کی جانب سے صقلیہ کا حاکم تھا بڑے بھاری
لشکر کے ساتھ آ کے مسلمانون کے مقابل ہوا۔ عربون کے لشکر مین جو اُس
فوج کے مقابل کمزور تھا سخت پریشانی پیدا ہوئی۔ مقابلے کی طاقت نہ تھی
مجبوراً سب نے ایک گھنے جنگل مین گھس کے پناہ لی۔ اور ابتداے روز
سے عصر کے وقت تک اُسی جنگل مین گھسے رہے۔ اتنی دیر تک انتظار کر کے
رومی بطریق نے خیال کیا کہ اب مسلمان جنگل سے نکلنے کی جرأت نہ کر سکین
گے اپنے سپاہیون کو کمر کھولنے کی اجازت دیدی۔ یہ حکم ہوتے ہی
تمام مسیحی سپاہی کمرین کھول کھول کے اور ہتھیار رکھ کے منتشر ہو گئے
اور اکثر تھکن مٹانے کے لیے جابجا پڑ گئے۔ اُن کو غافل و غیر مسلح دیکھ کے
عرب لوگ یکایک جنگل سے نکل پڑے۔ اور رومی لشکر گاہ پر دھاوا کر دیا
رومیون پر عجیب بدحواسی طاری ہوئی۔ اُٹھ اُٹھ کے بھاگنے لگے۔ اور
عربی تلوارون نے اُنھین کاٹنا اور مار مار کے گرانا شروع کیا۔
دم بھر مین ہزارون رومی قتل ہو گئے۔ اور اُن کا سپہ سالار حاکم
صقلیہ بھی کئی زخم کھا کے گھوڑے سے گر پڑا۔ اس مین تو اپنی جان
بچانے کی مطلق طاقت نہ تھی کسی وفادار رفیق نے جان پر کھیل کے
اُسے اُٹھا کے اپنے گھوڑے پر ڈالا اور لے بھاگا۔ مگر رومیون
کا خیمہ و خرگاہ اور سارا سامان جنگ مسلمانون کے ہاتھ لگا۔ یہ
بڑا زبردست معرکہ تھا جس نے رومیون کی کمر توڑ دی۔
اِس فتح نے صقلیہ کی قسمت پلٹ دی۔ اور اُسی وقت سے گویا یہ قدیم رومی
جزیرہ مسلمان تاجداران افریقیہ کی قلمرو مین شامل ہو گیا۔ اگرچہ اِس کے بعد
بھی اکثر رومیون کے حملے ہوتے رہے مگر ملک اور رعایا پر مستقل حکومت شاہان
بنی اغلب کی تھی جن کے ملک سے براہ دریا برابر آمد و رفت جاری رہتی۔ تمام
سول عہدہ دار اور فوجی افسر عربی نژاد اور حامل لواے توحید تھے۔ اور اسی
وقت سے بھر مورت وہان کثرت سے مسجدین تعمیر ہونے لگین۔

درمیانی حصۂ جسم کے لباس کا حال ہم بیان کر چکے ہین لہذا اب اُس جزو لباس کی طرف توجہ کرتے ہین جو سر کے لیے مخصوص ہے۔ اور اِسی لباس کی ہندوستان مین زیادہ تر عزت و حرمت کیجاتی ہے۔ اس لیے کہ جس طرح سر سارے جسم مین ممتاز ہے اُسی طرح اُس کے لباس کو بھی زیادہ ممتاز ہونا چاہیے۔ قدیم الایام سے ہندوستان مین پگڑی باندھنے کا رواج چلا آتا ہے۔ اگرچہ عربی و عجمی فاتح بھی عمامے باندھے ہوئے یہان آئے اور اُن کی حکومت قائم ہو جانے کی وجہ سے یہان کی پگڑیون مین بہت کچھ تغیر ہو گیا لیکن یہ نہین کہہ سکتے کہ مسلمانون کے آنے سے پہلے یہان پگڑی نہ تھی۔

ابتدائی دور کے مسلمان فرمان رواؤن کے عمامے بڑے بڑے تھے۔ اور اُسی لحاظ سے اُن دنون تمام معززین و اُمرا اور دولتمندون کی پگڑیان بھی غالباً بڑی بڑی ہون گی۔ جن کے نیچے قدیم ترکی وضع کی نوکدار مخروطی ٹوپیان ہوتین جو افغانستان مین آج تک مروّج اور موجود ہین۔ اور اُنھین سے لے کے ہماری ہندوستانی فوج کی وردیون مین شامل کی گئی ہین۔

سلطنت مغلیہ کے عہد مین پگڑیان روز بروز چھوٹی ہونے لگین۔ اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ سرد ممالک مین جس طرح سردی کی مضرت سے بچنے کے لیے جون جون زمانہ گزرتا ہی لباس وزنی اور گندہ ہوتا جاتا ہی ویسے ہی گرم ملکون مین سبک ہلکا اور مختصر ہوتا رہتا ہی۔ اگلے مسلمان فاتح جیسے بھاری اور موٹے کپڑے پہنے ہوے یہان آئے ہون گے اُن کے وزنی ہونے کا اندازہ ہم فقط قیاس سے کر سکتے ہین مگر انگریزون کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہے ہین کہ اُن کا اور اُن کی عورتون کا لباس روز بروز کس قدر سبک و اوچھا اور مختصر ہوتا جاتا ہے۔

اسی اصول کے مطابق یہان پگڑیان روز بروز ہلکی اور چھوٹی ہوتی گئین اور ملک کا یہ رُجحان دربار کی وضع پر بھی اثر کرتا گیا۔ دربار مغلیہ کے آخر عہد مین امرا اور منصبدارون کی پگڑیان بہت ہلکی ہو گئی تھین۔ اور اسی اختصار

پسندی نے یہ بات پیدا کی کہ پگڑیون کی صدہا قطعین ہوگئین۔ اور اکثر اُمرا نے
اپنے لیے خاص بندش اور خاص وضع کی چھوٹی چھوٹی پگڑیان ایجاد
کرلین۔

پگڑیون کے اختصار نے ترکی کلاہ کو ترک کرا دیا۔ اور یہ حالت
ہوگئی کہ کسی کی پگڑی کے نیچے ٹوپی ہوتی ہی نہ تھی۔ اور بعض پہنتے بھی
تھے تو کسی بہت ہی باریک کپڑے کی ذرا سی ٹوپی جو پھونک مین اُڑ جائے
اِن ٹوپیون کی نسبت ہمین وثوق کے ساتھ نہین معلوم ہے کہ کس وضع
کی ہوتی تھین۔ غالباً اُن کی قطع اُن ٹوپیون کی قطع سے ملتی ہوگی جو اب
مشائخ اور فقرا کے سرون پر ہوتی ہین۔ یعنی ایک چھ سات انگل کی چوڑی
پٹی کا سر کے برابر ایک حلقہ بنایا جائے اور اوپر کی جانب چُنٹ دے کے
وہ سمیٹ دیا جائے۔

لیکن چند روز مین ضرورت محسوس ہوئی کہ گھر مین اور بے تکلفی
کی صحبتون مین پگڑی اُتار کے رکھ دی جایا کرے۔ لیکن ننگے سر رہنا چونکہ معیوب
ہے اس لیے کسی قسم کی ٹوپی سر پر ضرور رہے۔ اس ضرورت کے پورا
کرنے کے لیے دہلی مین تاج کی وضع سے لے کے ایک کمرخی ٹوپی ایجاد ہوئی
جس مین اس گول حلقہ کے اوپر جو سر مین پہنا جاتا چار کونے نکلے رہتے۔
اس وضع کی ٹوپی اب بھی بعض امرا و شاہزادگان دہلی کے سرون
پر نظر آجایا کرتی ہے۔ یہ ٹوپی صحیح معنون مین چوگوشیہ کہلاتی تھی۔ چند روز کے
اندر اس ٹوپی مین بھی ترمیم و تنسیخ کا عمل شروع ہوا اور دہلی ہی مین وہ کمرخی
کونے نکال کے ایک گول قبہ نما ٹوپی ایجاد ہوگئی جس مین چار پان ایسی قطع
سے کاٹ کے جوڑے جاتے کہ ایک لمبوترا قبہ سر پر نظر آتا۔ یہی ٹوپی پہنے
ہوئے لوگ لکھنؤ مین آئے۔ اور اُس وقت سے اُس مین دربار لکھنؤ کا اثر
پڑنا شروع ہوا۔ یہان پہلی ترمیم یہ ہوئی کہ پانون کے جوڑون پر لمبی
صراحیان بنائی گئین۔ اور اُن صراحیون کے درمیان خوشنما چاند قائم

کے پانون مین تین سطح کی صراحیان اور چاند کاٹ کے اندر کی طرف ٹانک
دیے جاتے۔ جو اوپر نمایان ہو کے ٹوپی مین ایک اچھی نفاست۔ صفائی اور
سادگی پیدا کرتے۔ یہ ٹوپی یہان بہت پسند کی گئی۔ عام لوگون نے یکایک
پگڑی باندھنا چھوڑ دیا۔ اور ہر مہذب و شائستہ آدمی کے سر پر یہی
ٹوپی نظر آنے لگی۔

عام مقبولیت نے اُس کی قطع اور درست کی۔ لمبوترا پن
موقوف ہو کے نہایت مناسب گولائی پیدا کی گئی۔ اور گگڑی اور تانبے
کے قالب ایجاد ہوئے تاکہ اُن پر کھینچ کے یہ چوگوشیہ ٹوپیان (جو
دہلی والی پرانی کمرخی ٹوپیون کا نام اپنے ساتھ لیتی آئی تھین) خوب
قبہ دار اور گول کر لی جائین۔

اتنے مین نصیر الدین حیدر کا زمانہ آیا۔ جبکہ لکھنؤ مین مذہب
شیعہ کا خوب فروغ تھا۔ اور مذہب۔ سیاست۔ تمدن اور معاشرت
ہر چیز مین اپنے مذاق کے مطابق اصلاحین کر رہا تھا۔ خلفاے اربعہ
کی مخالفت اور پنجتن کی محبت نے لکھنؤ کی درباری معاشرت مین چار کے
عدد کو بُرا اور پانچ کے عدد کو محبوب بنا دیا تھا جس کا اثر ٹوپی پر یہ
پڑا کہ بربناے بعض مستند روایات خود جہان پناہ کی ہدایت کے مطابق اس
چوگوشیہ ٹوپی مین چار کے عوض پانچ پان کر دیے گئے۔ جس کی وجہ سے
اُس مین پانچ صراحیان اور پانچ پان ہو گئے۔ اور نام بھی بجاے چوگوشیہ
کے پنجگوشیہ قرار دیا گیا۔ لیکن اصل ٹوپی مین جو ترمیم ہوئی تھی وہ تو اس
قدر مستقل ہو گئی کہ چار پانون کی ٹوپیان بالکل فنا ہو گئین۔ اور کسی کو یاد
بھی نہ رہا کہ کبھی اُن مین فقط چار پان ہوا کرتے تھے۔ مگر چوگوشیہ کا نام
نہ مٹ سکا۔ آج تک باقی ہے۔ اور زبانون پر وہی ہے۔ اگرچہ بعض لوگ پنجگوشیہ
بھی کہتے ہین۔ مگر زیادہ لوگ ایسے ہی ہین جو اس پانچ پانون والی ٹوپی کو
آج تک چوگوشیہ کہتے ہین۔
نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ نے یہ پانچ پانون والی ٹوپی ابتداً

خاص اپنے لیے ایجاد کی تھی۔ اور اُن کی زندگی مین رعایا مین سے کسی کی مجال نہ تھی کہ اُس ٹوپی کو پہنے۔ مگر اہل شہر کو یہ وضع اِس قدر پسند آگئی تھی کہ اُن کی آنکھ بند ہوتے ہی ہر ادنے واعلیٰ نے اسی کو اختیار کر لیا۔ اور لکھنؤ کے تمام مہذب وشائستہ لوگون کے سرون پر یہی گول قبّہ نما ٹوپی نظر آتی تھی۔

چند روز بعد جاڑون کی ضرورت سے اِسی قسم کی نہایت نفیس کامدار ٹوپیان ایجاد ہو گئین۔ جن مین پانچون پانون مین زربفت یا زری بوٹی کی زمین پر دوسرے رنگ کی ریشمی زمین دے کے قیتون سے چاند اور صراحیان بنائی جاتی تھین۔ اور تمام وضعدار لوگون کے سرون پر جاڑون کے موسم مین اُن کے سوا اور کوئی ٹوپی نہ ہوتی۔ اس کے بعد جب چکن کار واج ہوا تو موسم گرما کے لیے اُسی کام کی چوگوشیہ ٹوپیان ایسی اعلیٰ درجے کی نفیس وخوشنما بننے لگین جو سال سال بھر کی محنت مین تیار ہوتین۔ اور دس دس بارہ بارہ روپیہ تک اُن کی قیمت پہونچ گئی۔

اُسی زمانے مین دہلی کے ایک شاہزادے وارد لکھنؤ ہوئے۔ جن کی دربار اور سوسائٹی نے بڑی عزت کی۔ وہ دوپلڑی ٹوپی پہنا کرتے تھے۔ جس مین سر کے لمبان کے مناسب دو لمبے لمبے بیضاوی صورت مین کاٹ کے جوڑ دیے جاتے تھے۔ اُن کی یہ سادی ٹوپی اکثر لوگون کو پسند آئی۔ اِس لیے کہ وہ نسبتہً زیادہ سادی اور تیاری کے اعتبار سے آسان تھی۔ بہت سے لوگون نے یہ ٹوپی اختیار کر لی۔ اور عوام مین اس کا اس قدر رواج ہوا کہ آج یہی دوپلڑی ہندوستان کی قومی ٹوپی ہے وہ شاہزادے یہان کے لوگون مین "دوپلڑی ٹوپی والے شاہزادے" مشہور ہو گئے۔ اور کڑوڑون خلقت کے سر اُن کی ایجاد اور ترّاش کے آج تک زیر بار ہین۔ یہان تک کہ شاہی کے آخری دور مین اسی دوپلڑی سے لے کے یہان ایک بہت ہی چھوٹی پتلی ٹوپی ایجاد ہوئی جس مین آگے پیچھے دونون طرف دو نوکین نکلی ہوتین۔ یہ مُنگے دار ٹوپی کہلاتی تھی۔ اور اِس قسم کی بھاری کام کی ٹوپیان خاص شاہزادون صاحب دولت رئیسون اعزاے شاہی اور اسے اعلےٰ درجے کے نواب زادون کے ساتھ مخصوص تھین۔

الحاصل غدر کے زمانے تک اہل لکھنؤ مین دو ہی طرح کی ٹوپیون کا عام رواج تھا۔ اول چوگوشیہ جو مہذب اور ثقہ لوگون کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور دوسری دوپلڑی جو شاہزادون سے لے کے ادنے طبقے والون تک تھوڑے تھوڑے تغیر وضع کے ساتھ مروج تھی۔ اور آج عام لباس ہے۔

غالباً غازی الدین حیدر یا نصیر الدین حیدر کے زمانے ہی سے ایک گول ٹوپی کا بھی خاص خاص لوگون مین رواج ہو گیا جو مندیل کہلاتی۔ اس کی قطع ڈفلی کی سی ہوتی۔ اور اکثر کارچوب کے کام کی پسند کی جاتی۔ دولت مندون اور بعض نوابزادون نے اِس کو زیادہ موقر ومتین تصور کر کے اختیار کیا۔ اور اُسے یہ خصوصیت دی گئی کہ بادشاہ اور شاہزادون کے سامنے بغیر پگڑی باندھے یا کارچوبی کام کی مندیل پہنے کوئی شخص نہ جا سکتا تھا غرض مندیل کو دربار مین جگہ دے دی گئی۔ اسی مندیل سے ماخوذ وہ گول ٹوپی تھی جس کے اوپر کے کونے ذرا گولائی لیے ہوتے اور جنرلی ٹوپی کہلاتی۔ یہ عموماً سیاہ مخمل کی ہوتی اور اُس پر سچے سنہرے کلابتون کا سچا کام ہوتا۔ اصل مین یہ ٹوپی سرکار انگریزی کی فوج مین گورون کو دی گئی تھی۔ اور بہ ظاہر اُس مین وردی کی شان بھی تھی۔ مگر انگریزون کی تقلید کا غالباً پہلا نمونہ یہی تھا کہ یہ فوجی اور جنرلی ٹوپی شاہزادون اور خاندانی امیرون کے لباس مین داخل ہو گئی۔

آخری شاہ اودھ واجد علی شاہ نے اپنے دربار کے خطاب یافتہ معززین کے لیے ایک نئی اور عجیب قسم کی درباری ٹوپی ایجاد کی۔ اس مین کاغذ کا مقوّیٰ دے کے ایک گول حلقہ سادے اطلس یا کارچوبی کام کا بنایا جاتا جو پیشانی پر زیادہ اونچا ہوتا۔ اُس مین اوپر کی طرف تنزیب گرنٹ یا جالی کی ایک بڑی سی جھولی بنا کے جوڑ دی جاتی۔ اور پہننے مین وہ جھولی پیچھے گُدّی تک لٹکتی اور سر کے پچھلے حصہ پر پڑی رہتی۔ اس درباری ٹوپی کا نام بادشاہ نے "عالم پسند" رکھا تھا۔ اور اکثر عوام اُسے "جھولا" کہتے۔ مگر یہ اِس قدر غیر مقبول اور ناپسندیدہ وضع تھی کہ واجد علی شاہ کی زندگی مین بھی اُن کے دربار کے باہر اُن لوگون کے سرون پر بھی نہ نظر آ سکتی جن کو وہ عطا ہوئی تھی۔ اور اُن کے بعد

تو اس قدر رمت تھی کہ آج کل کے لوگون کے شاید اُسے کبھی دیکھا بھی ہو

غدر کے بعد لکھنؤ مین یکایک ٹوپیون کی دنیا مین ایک انقلاب عظیم شروع ہو گیا - چند روز تک تو چوگوشیہ دوپلڑی اور تنہ پلون یا پگڑیون کے سوا سر کا کوئی لباس نہ تھا - اُس کے بعد یکایک چوگوشیہ ٹوپی کا رواج چھوٹنا شروع ہوا - یہان تک کہ اب اُس کے لیے صرف چند پُرانے وضعدار رہ گئے ہین - ان ٹوپیون سے جو سر خالی ہوئے اُن مین سے اکثر نے دوپلڑی اختیار کی - لیکن بعض جدتین تلاش کرنے لگے - چند روز تک میرٹھ کی سوزن کار مندیل نما ٹوپیون کا دور رہا - اس کے بعد انگریزون کی نائٹ کیپ یا کشمیر کی اونی لمبی چندوے دار ٹوپیان مروج ہوئین - پھر اُن کی وضع سے ماخوذ کر کے گرنٹ یا ٹسیین کی پتلی پتلی ٹوپیان اختیار کی گئین جو مختصر ہوتے ہوتے دوپلڑی کے قریب پہونچ گئی تھین - اب انگریزی عہد کی وضعداریان شروع ہوئین - اور سر کے لیے اُن کے لباس سے ملتا جلتا لباس ڈھونڈھا جانے لگا - بعض بزرگون نے تو ہر طرف سے آنکھین بند کر کے بلا تامل ہیٹ یا انگریزون کی نائٹ کیپ پہننا شروع کر دی -

لیکن اب ترکی ٹوپی کا دور شروع ہو گیا تھا - اِس ٹوپی کو سید احمد خان مرحوم نے اختیا کیا تھا - اور مسلمان جنٹلمینون کے لیے کوٹ پتلون مین اُس کا جوڑ لگایا تھا - اس وجہ سے ابتداءً یہ ٹوپی نہایت ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھی گئی - نیچریون کی ٹوپی اُس کا نام پڑ گیا - اخبارون مین اُس پر ہزارون پھبتیان کہی گئین - مگر سر سید کے استقلال نے اُسے مروج کر ہی کے چھوڑا - اُن کی زندگی ہی مین لاکھون آدمی اُسے پہننے لگے - یہان تک کہ لکھنؤ مین بھی آ پہونچی - بہتون نے علی رغم المخالفین یہان بھی اسے پہننا شروع کر دیا - لیکن اندر ہی اندر اُس کی طرف لوگون کا رجحان اس قدر بڑھا کہ اب سارے ہندوستان مین اکثر تعلیم یافتہ اور مہذب مسلمان اسی ٹوپی کا استعمال کر رہے ہین

لکھنؤ میں معزز تعلیم یافتہ اور شائستہ شیعہ ہندوستان کے تمام شہروں سے شاید زیادہ ہیں۔ اور اُن میں اس بات کی تحریک بمقابل سنیوں کے بڑھی ہوئی ہے کہ ہر بات میں اپنے آپ کو متمائز کریں۔ اور اپنے شعائر و اوضاع جداگانہ قرار دیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی سبب ہے کہ جس طرح اہل سنت دولت عثمانیہ کے طرفدار ہیں شیعہ دولت قاچاریۂ ایران کے پیرو و جانبدار ہیں۔ لہذا جب لکھنؤ میں ترکی ٹوپی کا رواج بڑھنا شروع ہوا جو ترکوں کی ٹوپی ہے تو وضعدار شیعوں کو خیال ہوا کہ بجائے ترکی ٹوپی کے دربار عجم کی کلاہ پاپاخ کو اپنے لیے اختیار کریں۔ یہ تحریک پورا کام کر گئی اور اب یہ حالت ہے کہ جو مسلمان اپنی پرانی ٹوپیوں کو چھوڑ کے نئی ٹوپی اختیار کرتے ہیں وہ اگر سنی ہیں تو ترکی ٹوپی پہننے لگتے ہیں اور اگر شیعہ ہیں تو ایران کی پرشین کیپ کو اختیار کرتے ہیں۔ اگرچہ دونوں فرقوں میں بعض ایسے روشن خیال بھی موجود ہیں جو مسلمانوں کی اِس اندرونی اعتقادی تفریق کو مٹانا چاہتے ہیں اور باوجود سُنی ہونے کے ایرانی یا باوجود شیعہ ہونے کے ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ مگر ایسے لوگ کم ہیں۔ مسلمانان شہر کے جدید المذاق لوگوں کی عام وضع یہی ہے کہ شیعہ ایرانی اور سُنی ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔

مسلمانوں کی یہ باہمی تفریق دیکھ کے ہندو تعلیم یافتہ لوگوں نے علی العموم گول مندیل نما فلٹ کیپ اختیار کر لی۔ جس کو بعض مسلمان بھی پہنتے ہیں۔ مگر ہندو انگریزی دانوں کی وضع میں بکثرت داخل ہو جانے کی وجہ سے انگریزوں نے اُس کا نام "بابو کیپ" رکھ دیا ہے۔ مگر عوام ہندو ہوں یا مسلمان شیعہ ہوں یا سُنی دو پلڑی ہی پہنتے ہیں۔

غدر کے بعد جو زمانہ گزرا یہ لکھنؤ کی سوسائٹی کے لیے عظیم الشان کون و فساد کا زمانہ تھا۔ معاشرت اور اخلاق و عادات کے ساتھ لوگوں کے لباس اور وضع میں بھی تغیر ہونے لگا۔ اور تعلیم یافتہ جماعت میں کثرت سے ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنھوں نے اپنی معاشرت کے ساتھ اپنی وضع بھی بالکل چھوڑ دی۔ نہ اُن کی ٹانگوں میں پائجامہ رہا نہ بنڈے پر انگرکھا۔ نہ پاؤں میں چڑھواں جوتا رہا نہ سر پر ٹوپی یا پگڑی۔ بلکہ ایک ہی جست میں وہ سات سمندر پھاند کے ہندوستان سے انگلستان میں کود پڑے۔ اور کوٹ

پتلون۔ کوٹ اور ہیٹ اُن کا لباس ہو گیا ...
وضع برقرار رکھنا چاہی تاہم بغیر اس کے کہ وہ محسوس کرین اُن مین بھی تغیر ہوا۔ اور انگرکھے کے عوض شروانی اُن کا قومی لباس بن گئی۔ لیکن سر کے لیے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ابھی تک کوئی ایسی ٹوپی نہین منتخب ہو سکی جس کو سب بلا تامل اختیار کر لین۔

اس کون و فساد اور رد و بدل کے زمانے مین لکھنؤ مین بیسیون ٹوپیان پیدا ہوئین جو یا خود یہین کی ایجاد تھین یا کسی اور قوم یا مقام سے ماخوذ تھین۔ اُن مین سے جو چند روز تک ٹھہر سکین اُن پر لکھنؤ کے اصلی مذاق نے بہت کچھ تصرف بھی کیا مگر آخر کو ترک ہو گئین۔ اہل لکھنؤ کا طبعی رجحان اس جانب ہے کہ ہر چیز حتی الامکان نازک نفیس۔ چھوٹی۔ چُست۔ اور سبک ہو۔ ہر وضع و لباس مین ان لوگون نے اسی مذاق کا تصرف کیا۔ اور اکثر ٹوپیون مین بھی اس قسم کا تصرف ہوا۔ مگر ترکی ٹوپی۔ ایرانی ٹوپی۔ اور ہیٹ مین یہ لوگ مطلق تصرف نہ کر سکے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ٹوپیان دوسری قومون سے بنی بنائی لی جاتی ہین۔ اور باہر سے آتی ہین۔ اور اسی تصرف نہ ہو سکنے کی وجہ سے ہمارا خیال ہے کہ ان ٹوپیون مین سے ایک بھی باوجودیکہ بکثرت مروج ہو گئی ہین۔ لکھنؤ کے مذاق سے جدا ہونے کے باعث یہان کا قومی لباس نہ بن سکے گی۔ اور ٹوپی کا مسئلہ تاحال موجدان لباس کی مجلس مین زیر غور و تجویز ہے۔

حُسن کی کرشمہ سازیان

(دکن کی کافر ماجرا مہ جبین پر تھال)

حُسن کی کرشمہ سازیون کے سلسلہ مین ہم نے ابھی تک ہندوستان کی طرف توجہ نہین کی اور جو کچھ لکھا دوسرے ملکون کی نامور جادو نگاہون کے متعلق لکھا۔ مگر ہمارے لیے خاص ہندوستان مین بھی بہت کافی ذخیرہ موجود ہے۔ بلکہ بقول علامۂ فیضی

این فتنہ بہ ہند گرم خیز است — اینجاست کہ آفتاب تیز است

یہان مہ جبینون کے حُسن کی کرشمہ سازیان زیادہ بڑھی ہوئی ہین۔ ہندوستان مین فی الحال بڑی خرابی اور دشواری یہ ہے کہ ہر معاملہ مذہبی جنبہ داری اور تعصب پر محمول کر دیا جاتا ہے۔ اور ہم مجبور ہین کہ یہان کے اگلے دور کی کسی حسینہ کے حالات لکھتے وقت ایسے الزامون کی طرف سے بے پروا ہو جائین۔ تاہم مندرجۂ ذیل واقعات مین ہم نے اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہین کیا۔ تاریخ فرشتہ مین جو کچھ مذکور ہے اُسے اپنے الفاظ مین ادا کیے دیتے ہین۔

دکن مین جن دنون بہمنیون کی زبردست سلطنت قائم تھی اُن کی سب سے زبردست حریف راجگان بیجانگر تھے۔ اُن کا دارالسلطنت دکن کا نہایت ہی تاریخی شہر تھا۔ اور اُس کی شوکت و حشمت کے عجیب و غریب واقعات تاریخون مین مذکور ہین۔ دریائے تُنگ بھدرا (جو فی الحال دولت آصفیۂ نظام ادام اللہ شوکتھا و دولتھا کی جنوبی سرحد پر رائچور کے قریب واقع ہے) بہمنیون اور ہندو دولت بیجانگر کی قلمرو کے درمیان مین حد فاصل تھا۔ سنہ ۸ ادلہ

سنہ۹۰۴ کے درمیان جب تک بھدرا کے شمال میں سلطان فیروز شاہ بہمنی اور اُس کے جنوب میں راجہ دیورائے حکومت کر رہے تھے بیجانگر کا ایک عالم و فاضل، فنِ موسیقی کا صاحب کمال اور عابد و مرتاض برہمن اپنے وطن سے گنگا کے تیرتھ کے لیے بنارس میں آیا۔ اور فرائض مذہبی ادا کر کے واپس گیا تو بہمنی قلمرو کے علاقہ مُدگل کے ایک گاؤں میں ایک سنار کے گھر پر اُترا کہ رات وہان بسر کرے اور صبح کو آگے کا راستہ لے۔ چونکہ وہ مذہبی مقتدا اور متبرک و مقدس شخص خیال کیا گیا اس لیے سنار اور اُس کے عام گھر والون نے حاضر ہو کے اُس کے قدم چومے۔ جہان تک بنا اُس کی تعظیم و تکریم کی اور اُس سے برکت اور دعائے خیر کے طالب ہوئے۔ برہمن نے سب کو دعا دی تو سنار نے ادب سے عرض کیا "میری ایک بیٹی ہے پرتھال حضور اُس کے حق مین بھی دعا فرمائین۔ برہمن نے اُس کے لیے بھی دعائے خیر کی اور اُس کے بعد پوچھا تمھاری وہ لڑکی کہان ہے؟" عرض کیا "اُس کی عجیب حالت ہے مسلمان عورتون کی طرح پردہ کرتی ہے۔ اور اپنے حسن و جمال پر اُسے اتنا بڑا ناز ہے کہ کسی کو صورت نہین دکھاتی۔ ہم نے اپنی ذات اور برادری مین اُس کی نسبت ٹھہرائی تھی مگر اُس نے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا جس نے مجھے یہ دل رُبا صورت دی ہے وہی اِس کا قدردان بھی پیدا کر دے گا۔ اُسے اس قدر بیباک اور شوخ دیدہ دیکھ کے ہم لوگ خاموش ہو رہے۔ اب آپ سے التجا کرتے ہین کہ ایسی دعا کیجیے کہ وہ شادی کرنے پر راضی ہو جائے۔"

یہ واقعات سُن کے برہمن کو تعجب کے ساتھ پرتھال کا چہرۂ زیبا دیکھنے کا شوق ہوا۔ اُس کے قریب گیا اور پکار کے کہا "بیٹی! تو مجھ سے پردہ کرتی ہے مجھے اپنے باپ کی جگہ سمجھ۔ اور مین وعدہ کرتا ہون کہ اپنی حقیقی بیٹی سے زیادہ تجھ سے محبت کرون گا۔ اس لیے باہر کے اپنے خداداد حُسن سے میری آنکھون کو روشن کر۔" یہ سُن کے پرتھال نے پردے سے نکل کے برہمن کے قدم چومے اور اس کے سامنے سرو قد کھڑی ہو گئی۔ برہمن نے اُسے اوپر سے نیچے تک

ہوگا۔ یہ عورت نہین آسمان کی کوئی اپسرا یا دیوی ہے" پھر محبت سے اُسے
اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور اُس سے باتین کین۔ اُس کی نغمہ خیز اور جادو بھری
آواز سُنی تو اور حیران ہوا کہ اِس دنیاے فانی مین ایسی حور طلعت
پری جمالین اور ایسی دلکش آواز والیان بھی ہین!

پھر اُس نے اُس نازنین کو اپنا گانا سنایا۔ بین بجا کے اُسے
مانوس کیا۔ اور اِس فن لطیف سے اُسے مانوس پا کے کہا "مین نے اِس
فن کو بڑی محنت سے حاصل کیا ہے۔ میرے پاس اور کیا رکھا ہے اگر تجھے
اس کے سیکھنے کا شوق ہو تو وعدہ کرتا ہون کہ تھوڑے ہی زمانے مین تجھے
اِس فن مین بیمثل وبینظیر بنا دون گا۔ اگر تو نے محنت سے سیکھا تو جس طرح تیری
صورت موہنی اور تیری آواز سریلی ہے اِسی طرح تیرا گانا بجانا بھی دنیا مین
لاجواب ہو جائے گا۔ پرتھال نے اِس فن کے سیکھنے کا بجد شوق ظاہر کیا۔
برہمن اپنے وعدے کے مطابق وہین ٹھہر کے اُسے گانا بجانا سکھانے لگا۔ اور
ایک ہی سال مین اُسے کامل مغنیہ بنا کے کہا "اب تو اس قابل ہے کہ راجاؤن
کے محل مین رہے۔ سوا کسی بڑے راجہ کے اور کسی کا حوصلہ نہین ہو سکتا کہ تجھے
اپنی دلھن بنائے" یہ کہہ کے برہمن نے اس خاندان سے رخصت ہو کے اپنے
گھر کی راہ لی۔

چند منزلین قطع کر کے اپنے وطن بیجانگر مین پہونچا۔ مگر پرتھال کی یاد کسی
طرح نہ بھولتی تھی۔ جو ملنے آتا اُس سے سب کے پہلے پرتھال کے حسن وجمال اور
اُس کی خوش گلوئی کی تعریف کرتا۔ اُس کی زبان سے نکلتے ہی یہ خبر سارے
نگر مین پھیل گئی۔ اور ہر صحبت مین اُس سنار کی بیٹی کی تعریفین ہونے لگین۔
ہوتے ہوتے یہ خبر راجہ دیو راے کے کانون تک پہونچی۔ اور وہ بمصداق
نہ تنہا عشق از دیدار خیزد   بسا کین دولت از گفتار خیزد
اُس نازنین کے حسن وجمال کا تذکرہ سنتے ہی ایک جان چھوڑ ہزار جان
سے عاشق ہو گیا۔ اُسی وقت اُس برہمن کو بلا کے مہ جبین لڑکی کے حالات

پوچھے - برہمن نے ایسے عنوان سے اور ایسے الفاظ مین اُس کا ذکر کیا کہ راجہ کے
عشق مین بیتابی و بیقراری پیدا ہو گئی - اور برہمن سے خوشامد کرنے لگا کہ اِس
سینے مین تم نے آگ لگائی ہے تو تم ہی اِس کو بجھاؤ - بہت کچھ زر و جواہر
دیا کہ اِس کوشش مین صرف کرو - پھر ایک سونے کا مرصع گلوبند دیا
کہ اُسے لے کے فوراً مُدگل مین جاؤ - اُس کے ماں باپ کو میرا پیام دو -
اور جس طرح بنے اُنھین راضی کر کے منگنی کے طریقے سے یہ گلوبند
اُس کے گلے مین پہنا دو - اور یون نہ مانے تو اُسے بیجانگر کے مندر دن
اور یہان کے تیرتھون کا شوق دلا کے کسی بہانے یہان لے آؤ -

برہمن خوش خوش روانہ ہوا - پرجا کے سنار کے گھر مین اُترا -
اور دو تین روز بعد اچھے عنوان اور دلفریب الفاظ مین شادی کا پیام
دیا - پرتھال کے ماں باپ بہت خوش ہوئے - فوراً راضی ہو گئے - اور یہ سمجھ کے
کہ اب پرتھال بھی ضرور راضی ہو جائے گی اُس سے تذکرہ کیا - لڑکی نے
سن کے ماں باپ سے کہا "کیا آپ کو بیجانگر کے رنواس کا حال نہین معلوم؟
اُس مین ہزارون عورتین بھری ہین - اور جو اُس مین گئی مر کے نکلی - اُس
راجہ کی رانیان لونڈیون سے بدتر ہین - نہ ماں باپ سے مل سکتی ہین نہ کسی
عزیز قریب کی صورت دیکھ سکتی ہین - ایسی زندگی بھر کی قید مجھ سے نہ برداشت
ہو سکے گی - چاہے آپ کو میری محبت نہ رہی ہو یا میری طرف سے آپ کا لہو سفید
ہو گیا ہو مگر مین آپ کو نہین چھوڑ سکتی" ماں باپ نے لاکھ سمجھایا مگر پرتھال
نے کسی طرح منظور نہ کیا - آخر خود اُس برہمن نے آ کے اُسے سمجھانا شروع
کیا - اور باتون باتون مین چاہا کہ گلوبند اُس کے گلے مین باندھ دے - مگر
پرتھال نے سر ہٹا لیا - اور کہا "گو مین آپ کو باپ سے بڑھ کے مانتی اور
آپ کا ادب کرتی ہون مگر اس معاملے مین آپ اصرار نہ کرین - میرا معاملہ ایک
راز ہے جس کو مین نہ بیان کر سکتی ہون - اور نہ اِس بارے مین کسی کے
مشورے پر عمل کر سکتی ہون"

یہ جواب سُن کے برہمن نے اصرار شروع کیا کہ "جو کچھ راز ہو بتا دو

اور اگر اُس [illegible] معلوم ہو [illegible] بعد [illegible] معلوم ہون
تو مین ہرگز یہ نہ صلاح دون گا کہ تم راجہ بیجانگر کی رانی بنو۔ مگر مجھے بتا دو
آخر برہمن کے مجبور کرنے سے پرتھال نے کہا۔ "سنیے مجھے مدت ہوئی ایک غیب
کے فرشتے اور بڑے مہاتما نے خبر دی کہ تو مسلمان ہو کے ملکۂ جہان بنے گی۔ اور اپنے
ہی ملک مین شان و شوکت سے رہ کے عیش کرے گی۔ وہ بات میرے دل مین جم
گئی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ پیشین گوئی ضرور پوری ہوگی۔ اور مین صبر اور تحمل کے ساتھ
بیٹھ کے اُس کے پورے ہونے کا انتظار کرون گی۔ مجھ سے جھوٹا وعدہ نہین کیا گیا
ہے۔ ہو کے رہے گا۔ اور اُس کے ہوتے مین بیجانگر کے محل مین جا کے اپنی زندگی
خراب کرون گی"۔

اب برہمن نے پرتھال کے والدین کو بیجانگر کے درشنون کا شوق دلانا شروع
کیا۔ مگر پرتھال ہرگز راضی نہ ہوئی۔ اور اپنی ہی ضد پر اڑی رہی۔ اِس ملک مین مسلمانون
کی سلطنت تھی۔ اور فیروز شاہ بہمنی کے ایسے پُرسطوت و جبروت سلطان کا عہد۔
برہمن یا پرتھال کے ماں باپ کو اس کی جرأت نہ ہو سکی کہ اُسے جبراً بیجانگر بھیجین
آخر برہمن نے ناکام و شکستہ دل واپس جا کے راجہ سے سارا واقعہ بیان کر دیا۔
اور کہا کہ افسوس اُس پر میرا کچھ زور نہ چل سکا۔

یہ ناکامی کا جواب سُن کے راجہ کی بیقراری و بیتابی نے جنون کی شان اختیار
کر لی۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ نہ گھر مین چین پڑتا تھا نہ وزرا کے دربار مین دل لگتا
تھا۔ آخر جتنی فوج بیجانگر مین موجود تھی اُسے ساتھ لے کے شکار کے بہانے
کوچ کیا۔ اور سرحدی دریا تنگ بھدرا کے کنارے تک سفر کرتا ہوا چلا آیا۔ اُس
آگے دولت بہمنیہ کی قلمرو تھی اِس لیے وہین پڑاؤ ڈال دیا۔ اور بغیر اِس کے کہ قدیم
معاہدون کا لحاظ کرے یا اپنی حالت و قوت کا اندازہ کرے ایک رات کو پانچ
ہزار سوار دریا کے پار اُتار دیے۔ اور باوجودیکہ تمام وزرا اور مشیران سلطنت
خلاف تھے اُن سوارون کو حکم دیا کہ تم دوڑا دوڑ گھوڑے بڑھاتے ہوئے
مضافات مُدگل کے اُس گانون تک چلے جاؤ جہان میری منجین پرتھال رہتی ہے
اُس کے گھر پر اچانک حملہ کر کے اُسے اپنی حراست مین کر لو۔ اس کے بعد فوراً

فوج والون کو کیا عذر ہو سکتا تھا؟ بغیر اس کے کہ بہمنی سلطان اور اُس
کے عاملون کو خبر ہونے پائے لگاتار سترلین مارتے چلے گئے۔ اور مدگل کے
علاقے مین پہونچ کے دم لیا۔

خدا کی قدرت! سواران بیجانگر کی اس تاخت کی خبر اُن سے زیادہ
تیز آہنگ اُڑتی چلی جاتی تھی۔ چنانچہ اُن کے پہونچنے سے ایک دن پہلے مدگل کے سارے
جوار مین مشہور ہو گیا کہ بیجانگر کے سوار لوٹتے مارتے چلے آتے ہین۔ اور رعایا
کے دلون مین ایسی دہشت سمائی کہ سب لوگ گھر چھوڑ چھوڑ کے جنگلون اور پہاڑون
مین بھاگ گئے۔ سب کے ساتھ پرتھال کا باپ سُنار بھی تمام گھر والون کو لے کے
کہین دور پہاڑون مین چلا گیا۔ اور راجہ کی فوج نے جس کے ساتھ وہ برہمن
بھی تھا بستی کے تمام گھر ڈھونڈھ ڈالے مگر اُس گل رخسار اور اُس لعل بے بہا
کا پتہ نہ لگا جس کے شوق مین یہ ہُڑدنگے کا کھیل کھیلا گیا تھا۔ مجبوراً سب کے سب
ناکام و نامراد واپس چلے۔ اور چونکہ ناکامی کا غصہ دلون مین بھرا ہوا تھا اس لیے
واپسی مین راستے کی بستیون کو لوٹتے مارتے اور کشت و خون کرتے ہوئے تنگ بھدرا
کے کنارے پہونچے۔

اب اس بیباکانہ تاخت کی خبر مدگل کے حاکم فولاد خان کو ہو گئی جو
سلطان فیروز شاہ کی جانب سے اس علاقے کا عامل تھا۔ اُس نے فوراً تھوڑی
سی آس پاس کی فوج لے کے سواران بیجانگر کا تعاقب کیا۔ اور اُنھین رگیدتا
ہوا دریاے تنگ بھدرا تک چلا گیا۔ جہان تک پہونچتے پہونچتے دونون حریفون
مین دو لڑائیان ہوئین۔ پہلی لڑائی مین فولاد خان کو شکست کھا کے بھاگ
جانا پڑا۔ مگر دوسری لڑائی مین راجہ کی فوج کو شکست ہوئی۔ چنانچہ اپنی سرحد
مین داخل ہونے سے پہلے اُن کے بہت سے آدمی کٹ گئے۔ اور وہ لوگ
نامرادیون کا رونا روتے ہوئے دریاے مذکور کے پار اُتر گئے۔

اب مخبرون نے اس ہنگامے کی خبر خود سلطان فیروز شاہ بہمنی کو
پہونچائی۔ وہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ راجہ بیجانگر کی بدعہدی پر اُسے سخت

غصہ آیا۔ اشتہار جلا دیا۔ اور فوراً ایک زبردست لشکر کے ساتھ کوچ کر کے تنگ بھدرا کے پار ہوا۔ اور بیجانگر کی طرف لوٹتا مارتا ہوا چلا۔ راجہ کو مزاحمت کی جرأت نہ ہوئی۔ بیجانگر مین قلعہ بند ہو گیا۔ اور فیروز شاہ نے اُس کے دار السلطنت کا محاصرہ کر لیا۔ بہمنی شہزادون نے شہر پہ پہونچتے ہی اتنا بڑا زبردست حملہ کیا کہ شہر کی پہلی فصیل مین داخل ہو گئے۔ بیجانگر کے بعض محلون کو لوٹنے لگا۔ لیکن یکایک بیجانگر کے کرناٹکی بہادرون نے اِس طرح جان پر کھیل کے حملہ کیا کہ سلطان کی فوج کو ہٹا کے فصیل باہر کر دیا۔ اور اُس کے بعد شہر پر قبضہ کرنا نہایت ہی دشوار ہو گیا۔

بیجانگر کوئی معمولی شہر نہ تھا۔ علاوہ راجہ کی بہادرانہ حمایت و مدافعت کے قدرت نے اُس کی مضبوطی یون کر رکھی تھی کہ چارون طرف بڑے بڑے پتھرون کی چٹانین تھین جنھون نے حریف کے لیے راستہ نہایت ہی خطرناک کر دیا تھا۔ حریف جدھر سے یورش کرتا پتھر سد راہ ہوتے اور فصیل پر سے تیرون اور پتھرون کی مار اُسے بالکل تباہ کر دیتی۔ راجہ نے نکل کے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اور ساتھ ہی بہمنی لشکر پر فصیل پر سے تیرون کی بوچھار ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کا لشکر سخت نقصان اُٹھا کے پیچھے ہٹا۔ اور سنگستانی زمین سے ہٹ کے سب نے کھلے میدان مین پڑاؤ ڈالا۔ لیکن محاصرہ اُسی طرح قائم رکھا۔ اب راجہ اپنا لشکر لے کے میدان مین نہ آتا تھا۔ اور فیروز شاہ کے سپاہی فصیل کی طرف بڑھنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔

سلطان نے اب دوسری تدبیر شروع کی۔ اپنے امیر الامرا احمد خان خانخانان کو دس ہزار سوار دے کے حکم دیا کہ بیجانگر کے جنوبی علاقے پر تاخت کرے۔ اور امیر فضل اللہ انجو شیرازی کو برار کے لشکر کے ساتھ روانہ کیا کہ جا کے قلعۂ بنکاپور کا محاصرہ کرے جو کرناٹک کا ایک زبردست قلعہ تھا۔ اور خود سلطان بیجانگر کا محاصرہ کیے پڑا رہا۔

راجہ دیوراے نے یہ حالت دیکھی تو بڑھ بڑھ کے سلطانی لشکر سے

مقابلہ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ چار مہینے مین آٹھ لڑائیان ہوئین اور سب مین راجہ کو شکست کھا کے جانا پڑا۔ اُدھر امیر فضل اللہ نے اتنی مدت مین قلعہ ٹیکا پور اور اُس کا سارا علاقہ فتح کر کے اپنے قبضے مین کر لیا۔ اور وہان سلطانی عامل چھوڑ کے واپس آیا۔ خانخانان نے اُس سے بھی بڑھ کے یہ کاروائی کی کہ کرناٹک کے زیادہ حصے پر قبضہ کر لیا۔ اور ساٹھ ہزار لڑکون اور لڑکیون کو گرفتار کرلایا جو بیجانگر کے گرد سلطان کے سامنے پیش کیے گئے۔ اور ایک بہت ہی بڑا جشن سلطانی لشکرگاہ مین منایا گیا۔ اور خوشی کے نعرون کا غلغلہ اہل شہر کے کانون تک پہونچا۔

راجہ نے یہ حالت دیکھ کے اور فتح سے مایوس ہو کے گجرات خاندیس اور مالوہ وغیرہ کو لکھا کہ اس نازک وقت مین میری کمک کرو۔ مگر کسی نے خبر نہ لی۔ اور سلطان نے جشن منانے کے بعد خانخانان کو راجہ کے مقابلے اور بیجانگر کے محاصرے کے لیے یہین چھوڑ دیا اور خود امیر فضل اللہ کو ساتھ لے کے قلعۂ اودنی کی طرف چلا جو اس سرزمین کا سب سے زبردست قلعہ تھا اور سارے کرناٹک کی آزادی و قوت کا دارومدار اسی قلعہ پر تھا۔ یہ خبر راجہ کو پہونچی تو حد سے زیادہ پریشان ہوا۔ اس لیے کہ اودنی کا قلعہ اُس کی سلطنت کی ناک تھا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ اگر اُس قلعہ کے بچانے کی پوری کوشش کی گئی تو خود بیجانگر دشمنون کے قبضے مین ہو جائے گا۔ اور اگر بیجانگر کے محفوظ رکھنے کی تدبیرین کی جائین تو اودنی کو سلطان فیروز شاہ کا ایسا زبردست حملہ آور یقیناً فتح کر لے گا۔ آخر راجہ دیورائے نے وزرا کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ اور سب کی رائے یہ قرار پائی کہ اب فوراً صلح و اتحاد کی درخواست پیش کر دی جائے۔ جس عمل پہ عمل کیا گیا۔ اور قبل اس کے خود سلطان فیروز شاہ قلعۂ اودنی کیطرف کوچ کرے راجہ دیورائے کے معززین دربار ایلچی بن کے اُس کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ اور درخواست کی کہ اب مہاراج اپنی حرکت پر نادم ہو کے معافی چاہتے ہین۔ اور حضور کی طرف سے جو شرطین پیش ہون گی اُن کو قبول کرین گے۔

(باقی پھر)

پہلا والی صقلیہ ابوالاغلب ابراہیم

فرمان روائے افریقیہ زیادۃ اللہ نے اُس فتح کا مژدہ سنتے ہی ابوالاغلب ابراہیم بن عبداللہ کو صقلیہ کا حاکم و والی مقرر کر کے روانہ کیا۔ جو وسط ماہ مبارک رمضان مین وارد صقلیہ ہوا۔ اور آتے ہی اُس نے ایک زبردست جنگی بیڑا رومی بیڑے کے مقابلے مین روانہ کیا۔ اس بیڑے نے جاتے ہی رومی بیڑے پر حملہ کر دیا۔ اور اِس بحری لڑائی مین بھی عرب فتحیاب ہوئے۔ سارا رومی بیڑا مسلمانون کے قبضے مین آگیا۔ اور جتنے رومی اُن پر سوار تھے وہ سب یا تو مارے گئے۔ یا سمندر مین غرق ہوئے۔

ایک چھوٹی بحری کامیابی

اس بحری فتح کے بعد ابوالاغلب نے ایک دوسرا بیڑا شہر قوصرہ کی طرف بھیجا۔ اِن بحری حملہ آورون کو رومیون کا ایک جہاز ملا۔ جس مین رومیون کے ساتھ افریقیہ کا ایک عیسائی بھی تھا۔ اِس کو مسلمانون نے پکڑ لیا۔ اور اُس کے تمام لوگ اسیر کر کے امیر ابوالاغلب کے دربار مین پیش کیے گئے۔ اور سب اُس کے حکم سے قتل ہوئے۔

متواتر فتحین

اسی سال سنہ ۲۲۰ھ مین امیر ابوالاغلب نے ایک مہم کوہ آتش فشان اٹنا کے علاقے مین بھی روانہ کی۔ اور حکم دیا کہ وہ لوگ اُس علاقے کے تمام قلعون اور مضبوط مقامون پر قبضہ کر لین۔ یہ لوگ گئے۔ مقابلے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ بہت سے آدمی اُنھون نے قتل کیے۔ اور اہل ملک کی زراعت پامال کر ڈالی۔ دوسرے برس سنہ ۲۲۱ھ مین ابوالاغلب نے اسی علاقے مین ایک اور زبردست مہم بھیجی۔ جنھون نے آبادیون کو خوب لوٹا۔ اور لاکھون زن و مرد پکڑ لیے۔ جن کی وجہ سے بردہ فروشی کے بازارون مین لونڈی غلامون کی اس قدر

امیر مذکور نے ایک بیڑا اِس غرض کے لیے روانہ کیا کہ آس پاس کے جزیرون پر حملے کرے۔ اور اُنھین اپنے قبضے مین لائے۔ یہ بیڑا بھی بخوبی کامیاب ہوا۔ اور بہت سے شہرون کو فتح کر کے بے انتہا مال و دولت سے لدا پھندا واپس آیا۔

ناکامیون کے بعد کامیابی

امیر ابوالاغلب نے اسی سال ایک مہم شہر قسطلیانہ پر بھیجی۔ اس فوج نے شہر مذکور کو جاتے ہی لوٹ لیا تھا مگر اتفاقاً وہان ایک زبردست رومی لشکر کا سامنا ہو گیا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ اور لڑائی مین رومی فتحیاب ہوئے۔ اور مسلمان شکست کھا کے واپس آئے۔ ایسی ہی ایک اور مہم اُسی سال شہر قصریانہ کی طرف بھی بھیجی گئی تھی۔ وہان بھی دشمنون کے بڑے بھاری لشکر کا سامنا ہوا۔ اس لڑائی مین بھی مسلمانون کو شکست نصیب ہوئی۔ اور اُن کے بہت سے بہادر نبرد آزما شہید ہوئے۔ لیکن شکست خوردہ مسلمانون نے ہمت باندھ کے دوبارہ مقابلہ کیا تو اس طرح جان توڑ کے لڑے کہ رومیون کو شکست دیدی۔ اسی دوران مین اسلامی بیڑے نے دشمنون کے سات بڑے بڑے جہاز پکڑ لیے۔ اور جو لوگ اُن پر سوار تھے اُن کو اسیر کر لیا۔

لیکن باوجود اِن سب فتحون کے شہر قصریانہ کسی طرح قبضے مین نہ آتا تھا جس کے لیے عرب کئی بار اپنا خون بہا چکے تھے۔ اسی ۲۲۱ھ مین جاڑون کا موسم تھا۔ مسلمان قصریانہ کا محاصرہ کیے پڑے تھے۔ اور کوئی صورت شہر پر قبضہ کرنے کی نہ نظر آتی تھی کہ اتفاقاً کسی مسلمان سپاہی نے ایک رومی شخص کو قصریانہ کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ بجاے اِس کے کہ اُسے روکے چپکے سے اُس کے پیچھے ہو لیا کہ دیکھون کہان جاتا ہے۔ اُس رومی کے وہم و گمان مین بھی نہ تھا کہ کوئی عرب میری نگرانی کر رہا ہے۔ ایک ایسے مخفی راستے سے شہر کے اندر پہونچ گیا جس کی مسلمانون کو بالکل خبر نہ تھی۔ وہ زمین کے نیچے سے ہو کے اندر گیا تھا۔ اور اُسی راہ

[illegible] جاری رکھتے تھے۔ عرب نے

جب وہ راستہ اچھی طرح دیکھ لیا تو آ کے اپنے لشکر مین خبر کی۔ سنتے ہی سارا لشکر عرب اُس کے ساتھ روانہ ہوا۔ اور اُنھون نے یک بیک شہر کے اندر نکلتے ہی جو نعرہ ہاے تکبیر بلند کر کے حملہ کیا تو شہر والون کے حواس جاتے رہے۔ مگر قبل اس کے کہ وہ حرکت مذبوحی کرین مسلمان سارے شہر اور رہا ٹکون پر قابض تھے۔ اتفاقاً قصریانہ کے اندر ایک چھوٹا سا اور قلعہ تھا۔ رومی سپاہیون نے بھاگ کے اُس مین پناہ لی اور پھاٹک بند کر لیے۔ لیکن دو ہی چار روز مین وہ اندرونی قلعہ اُن کے حق مین قیدخانہ ہو گیا۔ اور سمجھ گئے کہ اب ہم مین مقابلہ کی تاب نہین ہے۔ مجبوراً ہتھیار رکھ دیے۔ اور امان مانگی۔ عربون نے فوراً امان دی۔ اور اُس قلعہ پر بھی قبضہ کر کے شہر کو لوٹنا شروع کیا۔ آخر اِس حملہ مین دولت کثیر لے کے شہر بلرمو مین واپس گئے۔ جو اب مسلمانون کا دارالحکومت تھا۔

امیر زیادۃ اللہ کی وفات

اس کے بعد مسلمان برابر بلاد صقلیہ مین پھیلتے اور اُن پر قابض ہوتے رہے۔ آخر ایک شہر جفلودی کا محاصرہ کیے ہوئے تھے کہ ۲۲۳ھ مین ایک بہت بڑا رومی لشکر سمندر رستے آ کے جزیرے مین اُتر پڑا۔ مسلمانون نے فوراً اُن کی طرف رخ کیا۔ اور مقابلہ شروع کر دیا۔ بہت سی لڑائیان ہوئین اور ہنوز کوئی فیصلہ نہین ہونے پایا تھا کہ یکایک افریقیہ سے امیر زیادۃ اللہ کے مرنے کی خبر آئی۔ چونکہ مسلمانون کو مدد کی جو کچھ امید تھی اسی مرحوم عرب حکمران افریقہ کے دربار سے تھی اس لیے اُس کے مرنے کی خبر سنتے ہی مسلمانان صقلیہ مین پریشانی پھیلی۔ بہتون نے ہمت ہار دی۔ اور حوصلے پست ہو گئے۔ مگر دو چار روز کی مایوسی کے بعد اُنھون نے اپنی حالت پر غور کیا تو نظر آیا کہ دشمن سر پر کھڑا ہے۔ اور بے لڑے چارہ نہین۔ آخر بیچارگی نے پھر اُن مین حوصلہ پیدا کیا۔ جیسا کہ زندہ قومون کا معمول ہے وہ اپنی حفاظت کرنے اور مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔

ابو عفان اغلب کی مسند نشینی

زیادۃ اللہ نے ۱۴ رجب سنہ ۲۲۳ھ کو کچھ اوپر ۵۱ برس کی عمر مین ۲۱ سال فرمان روائی کر کے سفر آخرت کیا تھا۔ اُس کا جانشین اُس کا بھائی ابو عفان اغلب بن ابراہیم ہوا۔ یہ اچھا جانشین ثابت ہوا۔ اس لیے کہ سریر شہریاری پر جلوہ افروز ہوتے ہی اُس نے فوج کی اصلاح شروع کر دی۔ عمال اور والیون کی تنخواہین بڑھائین۔ عدالت گستری کی طرف توجہ کی۔ اور تخت نشینی کے دوسرے ہی برس سنہ ۲۲۴ھ مین جزیرۂ صقلیہ کی طرف ایک نئی بحری فوج روانہ کی۔ جو مسلمان صقلیہ مین دشمنون سے مغلوب ہو رہے تھے معلوم ہوتا ہے رومیون پر اُن کا کچھ زور نہ چلا۔ اور اکثر شہرون پر پھر رومیون کا قبضہ ہوگیا۔ مگر ان ناکامیون کا معاوضہ ابو عفان کی اس مہم نے کر دیا۔ اس لیے کہ اس نئی فوج نے پہونچتے ہی سنہ ۲۲۵ھ مین قلعجات صقلیہ پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ دشمنون کا اُن کے سامنے کچھ زور نہ چلا۔ اور جس قلعہ پر یہ علم اسلام لے کے پہونچے قلعہ والون نے بلا تامل ہتھیار رکھ دیے۔ اور قلعہ اُن کے حوالے کر دیا۔ اس طریقے مین جو متحصن مقامات عربون کے ہاتھ سے فتح ہوئے۔ منجملہ اُن کے یہ چند بھی ہین۔ حصن البلوط۔ اطلانطو۔ قرلون۔ اور مرد

عظیم الشان بحری فتح

انھین فتحون کے دوران مین عربون کا ایک بیڑا شہر قلوریہ پر جا کے حملہ آور ہوا۔ اور اُسے فتح کر لیا۔ مسلمان قلوریہ کو فتح کر چکے تھے کہ رومیون کا بیڑا بھی آپہونچا۔ قلوریہ تو اُن کے ہاتھ سے جا چکا تھا اُنھون نے عربی بیڑے پر حملہ کر دیا۔ اور دونون سلطنتون اور مذہبون کے جہاز سخت بیباکی سے لڑنے لگے۔ آخر اسلامی بیڑے نے رومی بیڑے کو شکست دی۔ اور رومی بیڑا سخت

کے لیے یہ عظیم الشان فتح تھی جس پر صقلیہ سے لے کے افریقہ تک خوشیاں منائی گئین۔

فتح قصریانہ

گزشتہ انقلاب مین چونکہ شہر قصریانہ پر رومیون کا قبضہ ہوگیا تھا اس لیے اب پھر ۲۲۶ھ مسلمانان صقلیہ کا ایک لشکر اُس شہر پر پہونچا۔ شہر والون مین مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ عربون نے جاتے ہی قبضہ کرلیا۔ اور چونکہ اُن لوگون کی بیوفائی و بدعہدی سے جلے ہوئے تھے اِس لیے شہر پر نرغہ کرتے ہی لوٹا مارا جلایا۔ اور بہت سے زن و مرد کو اسیر کرکے لونڈی غلام بنا لیا۔

اس فتح کے بعد یہ لشکر قصریانہ سے بڑھ کے "قلعۂ غیران" کی طرف گیا۔ غیران عربی مین غارون کی جمع ہے۔ اس قلعہ کے متصل چونکہ چالیس کے قریب غار تھے اس لیے عربون مین اُس کا یہی نام پڑگیا۔ غالباً یہ غار صقلیہ کے مشہور آتش فشان پہاڑ اٹنا کے سلسلے کے غار ہون گے۔ بہرحال مسلمانون نے حملہ کرتے ہی اُس قلعے اور اُس کے کل غارون پر قبضہ کرلیا۔

ابوالعباس محمد بن اغلب کی مسند نشینی

ان فتحون کا سلسلہ جاری تھا کہ یکایک خبر آئی کہ اسی سال یعنی ۲۲۶ھ مین حاکم افریقہ میر ابو عفان نے دو سال سات مہینے اور سات ہی یوم حکومت کرکے سفر آخرت کیا اور اُس کی جگہ اُس کا بیٹا ابوالعباس محمد بن اغلب بن ابراہیم بن اغلب مسند نشین امارت ہوا۔ صقلیہ مین اِس سلطنت کی طرف سے والی محمد بن عبداللہ بن اغلب پہلے سے موجود تھا جس کا تقرر امیر سابق نے کیا تھا۔ اُس نئے امیر نے بھی اُسی کو برقرار رکھا۔ وہ ہمیشہ شہر بلرمو مین رہتا۔ اس لیے کہ اُسی شہر کو مسلمانون نے اپنا دارالحکومت صقلیہ قرار دے لیا تھا۔ لیکن اُس کی طرف

جو عیسائی رومیون کے قبضے مین تھے۔ یا مسلمانون کے ہاتھ مین آکے اکثر نکل جایا کرتے تھے۔ اِس لیے کہ جزیرے کی ساری رعایا عیسائی تھی اور اُسے کسی طرح گوارا نہ تھا کہ عرب مسلمان اُن پہ حکومت کرین۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمان شہرون کو فتح تو کر لیتے۔ مگر اُن پہ حکومت قائم رکھنا دشوار ہوتا جہان ایک شہر کو فتح کر کے وہ کسی اور شہر کی طرف رخ کرتے اُس مفتوح شہر مین بغاوت پیدا ہو جاتی۔ اور اُس کو اُن رومی فوجون سے تقویت پہونچ جاتی جو اٹیالیہ اور قسطنطنیہ سے آپہونچتی۔ اور اُس شورش کے دبانے اور اپنا رعب بٹھانے کے لیے مسلمان جس شہر پر قبضہ کرتے اُسے خوب لوٹتے مارتے قتل عام کرتے اور مکانون مین آگ لگا دیتے۔

فضل بن جعفر کا بحری جہاد صقلیہ مین

ابو العباس کو افریقہ مین مسند نشین حکومت ہوئے دو ہی سال ہوئے تھے کہ فضل بن جعفر ہمدانی ایک بحری جہاد پر روانہ ہوا۔ اور جاتے ہی بندرگاہ مسینی (مسینا) کے علاقے مین اُتر پڑا۔ یہ بڑا زبردست شہر تھا۔ اور اٹیالیہ اور صقلیہ والون کے تعلقات کی اصلی کڑی یہی واقع ہوا تھا۔ مسینی کی نواح مین فضل نے اپنا پڑاو قائم کیا۔ اور اطراف و جوانب مین تاخت و تاراج اور قتل و غارت کے لیے فوجین روانہ کرنا شروع کین۔ اِس طریقے سے چند ہی روز مین اُس کے پاس بے انتہا مال غنیمت جمع ہو گیا۔ اٹیالیہ کا جو جنوبی علاقہ صقلیہ سے قریب تر تھا قلبریہ کہلاتا تھا۔ اور اُس پر اُن دنون وہ نابل (نیپلز) کی سلطنت مین شامل تھا۔ فضل نے قرب و جوار کے بلاد صقلیہ پر حملہ کرتے کرتے قلبریہ کا رخ کیا تو سلطنت نابل (نیپلز) نے اپنے لیے اس سے عاجزی کے ساتھ امان مانگی۔ اور اسی قدر نہین اُس نے وعدہ کیا کہ اگر آپ نے ہم سے دوستی کر لی تو صقلیہ کے مفتوح کرنے مین ہم آپ کو مدد دین گے۔ فضل نے اہل نابل کی یہ درخواست قبول کی۔ اور نابل والے اُسے اہل

اسی طرح صقلیہ پر فضل مسلسل دو سال تک حملے اور یورشین کرتا رہا۔ اور اسی کے درمیان مین وہ برابر اس شہر پر دھاوے کرتا رہا جس کے قریب پڑاؤ ڈالا تھا۔ بارہا شہر والون سے سخت لڑائیان ہوئین مگر شہر پر اُس کا قبضہ نہ ہو سکا۔ اتفاقاً اس شہر کے عقب مین ایک بلند پہاڑی تھی جو اُس طرف سے ایسا زبردست پہرہ دے رہی تھی کہ اُدھر سے شہر والون کو کسی قسم کا کھٹکا نہ تھا۔ محاصرے کو جب بہت طول ہوگیا تو مسلمانون کی الوالعزمی نے اُدھر کا رخ کیا۔ اُن کا ایک حصۂ فوج اہل شہر کو غفلت مین ڈال کے اُس پہاڑ کے پیچھے نکل گیا۔ یہ لوگ اُس پہاڑ کے اُس جانب پہونچ کے اُس پر چڑھے۔ پھر اُس سے اُتر کے شہر کی فصیل کے نیچے پہونچے۔ اور عین اُس وقت جبکہ فضل اور شہر والون مین سخت خونریزی کی لڑائی ہو رہی تھی اُن لوگون نے یکبیک پیچھے سے دھاوا کر کے شہر پناہ پر قبضہ کر لیا اور زور و شور سے تکبیر کے نعرے بلند کیے۔ یہ دیکھتے ہی شہر والون کے حواس جاتے رہے۔ اور ہر طرف سے میدان چھوڑ چھوڑ کے بھاگے اور فضل نے شہر مین داخل ہو کے شمشیر انتقام بلند کی۔

اسی سال مسلمان حملہ آوران صقلیہ نے شہر مکان پر بھی قبضہ کیا۔

غیر معمولی فتح

۲۲۹ھ مین فضل کا بیٹا ابوالاغلب عباس ایک زبردست فوج کے ساتھ جا کے شہر شیرہ پر حملہ آور ہوا۔ وہان ایک رومی لشکر موجود تھا جس نے نہایت ہی بامردی و شجاعت سے مقابلہ کرنا چاہا۔ لیکن انجام مین اُنھین ایسی فاش اور شرمناک شکست دی کہ ایسی شکست کم سُنی گئی تھی۔ رومیون اور شہر والون کے دس ہزار سے زیادہ مارے گئے۔ اور مسلمانون کے فقط تین آدمی شہید ہوئے۔ اس سے پیشتر اہل صقلیہ کو کبھی ایسی ذلیل شکست نہین ہوئی تھی۔

مسینا کی فتح

اس واقعے کے چوتھے برس خود فضل نے شہر مسینا پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اگرچہ وہ اس شہر کے مضافات ہی مین خیمہ زن تھا مگر اُس پر قبضہ کرنا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ اب اُس نے بڑھ کے مسینا کا محاصرہ کر لیا۔ اہل مسینا نے مزاحمت اور مقابلے کا پورا سامان کیا۔ اطراف و جوانب کے سردارون سے کمک مانگی۔ اور نکل نکل کے سختی سے مقابلہ کرنے لگے۔ دوران محاصرہ مین فضل کو اپنے جاسوسون سے خبر ملی کہ اہل مسینا نے صقلیہ کے رومی گورنر سے مدد مانگی تھی جو سلطنت قسطنطنیہ کی نیابت مین جزیرے کے غیر مفتوح علاقون پر حکومت کر رہا ہے اُس نے مدد کا مضبوط وعدہ کیا ہے۔ اور کہلا بھیجا ہے "میرے آنے کی یہ نشانی ہے کہ برابر تین راتون تک فلان پہاڑ پر آگ روشن ہو گی۔ تمھین جب یہ آگ تین دن تک نظر آئے تو سمجھ جانا کہ چوتھے دن مین آپہونچون گا۔ اُس دن ہم تم دونون مل کے اِن آفاقی عربون کا کام تمام کر دین گے۔

یہ معلوم ہوتے ہی فضل نے ایک طرف تو اُس رومی کمک کا راستہ روک دیا۔ اور دوسری طرف فوراً اُس موعودہ پہاڑی پر قبضہ کر کے مسلسل تین راتون تک اُس پر آگ جلوائی۔ اہل مسینا خوش ہو ہو کے اپنے ہمدرد دوستون کے استقبال کی تیاریان کرنے لگے۔

چوتھے روز لڑائی شروع ہونے کے تھوڑی دیر بعد مسلمان پسپا ہونے لگے۔ مسینا والے یہ سمجھ کے کہ حاکم کمک کو آگیا تعاقب کیا۔ اور ایسے جوش مسرت سے کہ سارا شہر باہر نکل پڑا مسلمان جب بہت دور تک ہٹ آئے۔ اور حریفون کو بھی بڑھا لائے تو ناگہان رومیون کے پیچھے سے نعرۂ اللہ اکبر بلند ہوا۔ اور ساتھ ہی پسپا ہونے والے بھی پلٹ پڑے۔ یہ عرب سپہ سالار کی چالاکی تھی جس نے فوج چھپا کے بٹھا رکھی تھی رومیون کے حواس جاتے رہے۔ بھاگنے کا راستہ نہ تھا۔ قریب قریب سب قتل ہو گئے۔ اور جو تھوڑے سے بچے اُنھون نے ہتھیار رکھ دیے۔ اس طرح اُنھین امان دے کے مسینا پر قبضہ کیا گیا۔

اگرچہ ہندوستان خصوصاً لکھنؤ مین سر کا قومی لباس ٹوپی ہے مگر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہان کی نزاکت پسندی نے پگڑی کو فنا کر دیا۔ دربار مین علی العموم پگڑیون کا رواج تھا۔ وہ دہلی کی باوقعت امیرانہ دستارین تو بیشک یہان نہین باقی رہین۔ اور امرا و اعزاے شاہی کے سرون پر فقط ٹوپیان رہ گئین۔ مگر دربار کے لیے پگڑیان آخر عہد تک مخصوص تھین۔ اور عام ملازمین کا اخلاقی فرض تھا اور اب بھی بڑی وسیع حد تک ہے کہ آقا کے سامنے جائین تو سر پر پگڑی باندھ کے جائین۔

خود حکمرانون کے سرون پر پرانی دستار نواب سعادت علیخان کے زمانے تک رہی۔ نواب برہان الملک۔ نواب شجاع الدولہ اور نواب آصف الدولہ کے سرون پر وہی۔ دہلی کے عہدہ داران سلطنت کی سی سفید دستار ہوا کرتی جس پر بڑے درбارون کے موقعون پر جواہرات کی کلغیان۔ مرصع جیغے اور سرپیچ لگا لیے جاتے۔ مگر فی نفسہ وہ دستارین سادی اور سفید ہوتی تھین۔ مگر نواب سعادت علیخان کے سر پر ہمین ایک نئی قسم کی پگڑی نظر آتی ہے۔ جس کو اہل لکھنؤ اپنی زبان مین شملہ کہتے تھے۔ یہ شملہ یہان اس طرح بنایا جاتا کہ بھراؤ مین کپڑے کا ایک چوڑا اور پتلا گردار حلقہ سر کی ناپ کے برابر بنایا جاتا جو بیچ مین خالی اور کھلا رہتا۔ پھر کسی نفیس ریشمی یا شالی کپڑے کی پتلی پتلی بہت لمبی بتی بنا کے اُس کے بیسیون پیچ اُس کپڑے کے حلقے پر نیچے اور اوپر برابر برابر لپیٹ کے ٹانک دیے جاتے۔ اس حلقے مین اوپر کی جانب ایک چوڑی پٹی ویسے ہی ریشمی یا شالی کپڑے کی جوڑ دی جاتی تاکہ وہ اِس حلقہ کو نیچے اُترنے سے روکے رہے۔ مگر اُس سے پوری چند یا ڈھنک نہ سکتی تھی۔ اس لیے اُس کے نیچے کوئی معمولی دو پلڑی یا چوگوشیہ ٹوپی ضرور رہتی۔ یہ تھا لکھنؤ کا اصلی شملہ جس کو پہلے پہل نواب سعادت علیخان نے پہنا۔ اور غالباً وہ وسط ہند کے ہندو اور مسلمان دربارون کی اُن پگڑیون سے

ترکیبون سے لپیٹ کے بنائی جاتی تھین۔ نواب سعادت علیخان نے اس شملے کو خود ہی نہین پہنا بلکہ معززین دربار اور عمائد سلطنت اور وزرا کو بھی وہی عطا ہوا۔

غازی الدین حیدر کو دولت انگلشیہ نے بادشاہ بنا کے تاج پنہا دیا۔ جو دراصل ہندوستان اور ایشیا کا تاج شاہی نہ تھا بلکہ ایک قسم کا یورپ کا تاج تھا۔ اُس وقت سے فرمان روایان لکھنؤ نے شملے یا دستار کو بالکل چھوڑ دیا۔ اور اُن کے ساتھ تمام شاہزادون نوابزادون اور عمائد شہر نے بھی پگڑی کو خیرباد کہہ دی۔ شاہزادے خاص موقعون پہ تو تاج۔ مگر علی العموم مسالے دار بھاری کام کی نگے دار ٹوپیان پہنتے۔ اور اُنھین کی تقلید شہر کے دیگر معززین بھی کرتے ہ

لیکن عہدہ داران سلطنت وزرا اور اہل کارون کو حکم تھا کہ شملہ پہن کے سلاطین و وزرا کے دربار مین آئین۔ غازی الدین حیدر کے زمانے سے امجد علی شاہ کے عہد تک تمام عہدہ دارون کے سرون پہ وہی شملہ ہوا کرتا تھا جس کی تصویر اپنے ناظرین کو ہم نے لفظون مین دکھا دی ہے۔ واجد علی شاہ نے جب اپنے دربار کی مخصوص ٹوپی عالم پسند (جھولا) ایجاد کی تو معمول ہو گیا کہ جن لوگون کو زیادہ تقرب حاصل ہوتا اور ,,دولہ،، کے خطاب سے سرفراز ہوتے اُن کو عالم پسند بھی عطا ہوئی۔ اُن کا فرض تھا کہ عالم پسند پہن کے دربار مین آئین۔ اُن سے کم درجے کے باریابان حضور جو کسی کارخانے یا محکمے کے دار وغہ ہوتے اُن کو دار وغگی کے خطاب کے ساتھ شملہ عطا ہوتا۔ اور وہ وہی پُرانا شملہ پہن کے حاضر ہوتے جو پہلے پہل نواب سعادت علیخان کے سر پہ لوگون کو نظر آیا تھا۔ باقی تمام لوگون کو حکم تھا کہ کسی قسم کی پگڑی باندھ کے دربار مین آئین۔ اور پگڑی نہ ہو تو ٹوپی اُتار لین۔ اہل کارون کے جس شملے کا ہم نے ذکر کیا ہے اسی قسم کا شملہ غالباً مرشد آباد کے دربار مین بھی تھا۔ اور اُسی کا باقی ماندہ

کو اُسی طرح کا شملہ پہنتے دیکھتے تھے۔ لیکن وہ شملہ دربار اودھ کے شملون سے سبک اور ہماری نظر مین ذرا اُوچھا ہوتا۔

اب پگڑی کو سوا عہدہ دارون کے تمام خوش باش لوگون اور معززین شہر نے مطلقاً ترک کر دیا تھا۔ لیکن اس پر بھی دربار مین اور نیز عوام مین پگڑی کی جو عزت دلون مین قائم تھی اور ہے اُس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ شادیون کے موقع پر ہراونے و اعلیٰ طبقے مین دولھا کے سر پر پگڑی ہی ہوا کرتی ہے۔ اور لکھنؤ کے شرفا مین تو عموماً بھاری کمخواب کے شملے کا رواج ہے۔

یہان کے دربار نے مذکورہ پگڑیون کے علاوہ ملازمین کے مختلف طبقون کے لیے جدا جدا وضعون کی پگڑیان بھی مخصوص کر دی تھین۔ اہل قلم یعنی محررون کے لیے اُسی مذکورہ شملے کی سی سفید ململ کی پگڑی مخصوص تھی۔ دربار کے ہرکارے اور چوبدار بھی اسی قطع کی پگڑیان پہنتے (اس لیے کہ وہ پگڑیان باندھی نہین بلکہ ٹوپی کی طرح پہنی جاتی تھین) فرق یہ تھا کہ ہرکارون کی پگڑیان سرخ ہوتین اور چوبدارون کی سفید براق جن پر آگے داہنی جانب منقیش کا ایک پھول بھی ٹنکا ہوتا۔ ہرکارون کی پگڑیون سے ملتی جلتی پگڑیان کہارون کی ہوتین۔ اُن کی پگڑیون مین داہنی جانب کی کور پر چاندی کی تھیلیان ٹنکی ہوتین۔ اور جسم پر سرخ بانات کے ڈھیلے ڈھالے چغے ہوتے۔

اُن کے علاوہ تمام نوجون اور معزز لوگون کے خدمتگارون مین بھی پگڑیون کا رواج تھا جو اپنی وضع پر جدا اور خودرو سی ہوتین۔

سب سے زیادہ معزز و محترم عمامے علما کے تھے۔ اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِس موقع پر پگڑیون کے سلسلے مین ہم علماے کرام و مقتدایان امت کے عمامون کے ساتھ پوری زی علما سے بحث کرین۔ لکھنؤ مین مسلمانون کے دو فرقون کے علما ہین۔ اول علماے اہل سنت۔ دوسرے مجتہدین و افاضل شیعہ۔ اِن دونون کی وضع جداگانہ ہے۔ سنیون کو تقدس اور ثقاہت کی شان

اہل عرب کے لباس مین نظر آتی ہے اور شیعون کو علماے [illegible]
وضع مین اسی مذاق و رجحان کے مطابق دونون گروہون کے علما کا لباس
بھی ہے۔

آنحضرت صلعم کے عہد مبارک مین عربون کا عمامہ صرف اس قدر تھا
کہ کوئی مختصر سا کپڑا سر پر لپیٹ لیا جائے جس کو نہ کسی قطعداری سے علاقہ
تھا اور نہ وضعداری سے۔ مگر جب خلفاے عباسیہ کے عہد مین عراق
مستقر خلافت قرار پایا تو عجمی و ساسانی لباس عمائد و اکابر عرب کی
وضع مین داخل ہو گیا۔ بہر حال جو بڑے بڑے شاندار عمامے اور
طیلسان وغیرہ عہد خلافت کے علماے عرب نے اختیار کیے اُن کو عربی لباس
مشکل سے کہا جا سکتا ہے۔ ہندوستان کے علماے اہل سنت نے اگلے دنون
عربی لباس چھوڑ کے دہلی کی درباری وضع اختیار کر لی تھی اور اِس وضعداری
کے ساتھ اُس لباس کو نباہا کہ آج ہندوستان کی سارے ابناے وطن نے اُسے
چھوڑ دیا مگر وہ ابھی تک اُس پر قائم ہین۔

چنانچہ آج تک علماے فرنگی محل کی اصلی وضع یہ ہے کہ ایک سیدھا
گول عمامہ باندھتے ہین جس کی بندش مین بالکل اس کی کوشش نہین کیجاتی
کہ پیشانی پر محراب کی قطع پیدا ہو۔ جسم مین اگلے زمانے کا جامہ ہوتا ہے جو
سب جگہ بالکل خواب و خیال ہو گیا۔ پاؤن مین چوڑے اور عرض کے پائچون
کا ٹخنون سے اُونچا پائجامہ ہوتا ہے۔ اور گلے مین ایک پتلا سا دوپٹہ پڑا
ہوتا ہے۔ اس وضع مین ہمارے دو ایک بزرگان فرنگی محل آج بھی
جمعہ کے نماز پڑھانے کو آتے ہین۔ مگر گھر دن مین وہ معمولی سادی دو پلڑی
یا چوگوشیہ ٹوپی لمبا کرتا جس مین گریبان کا چاک بیچ مین ہو یا انگرکھا اور عرض کے
پائچون کا پائجامہ پہنتے ہین۔ فی الحال حدیث العمر علماے فرنگی محل نے اب
اس وضع کو چھوڑ کے علماے حرمین اور مقتدایان شام و مصر کی وضع
اختیار کرنا شروع کر دی ہے۔ جسے آخر مین مولنا شبلی نعمانی نے بھی
قومی اور سرکاری دربارون کے لیے منتخب کیا تھا۔ ان بزرگون کا

چڑھوان جوتا۔

علماے شیعہ کی وضع اس سے بالکل جدا ہے۔ وہ اول تو سر پر
ویلڑی ٹوپی پہنتے ہین مگر عام لوگون کے خلاف اُس کی سیون بجاے آگے سے
پیچھے کی طرف رہنے کے آڑی یعنی ایک کان سے دوسرے کان تک رہتی ہے۔
اس پہ بلند اور پیچ عمامہ اہل عجم کے عمامے کی بندش سے ملتا ہوتا ہے۔
بدن مین لمبا کرتا مگر اُسکے گریبان کا چاک بجاے اس کے کہ سینے کے بیچ مین ہو بائین
شانے کے پاس ہوتا ہے۔ اگلے دنون علماے شیعہ کے کرتون مین گریبان کی جگہ
دو چاک دونون شانون پہ ہوا کرتے تھے مگر یہ وضع اب متروک ہو گئی ہے۔
جو علما ایران و کربلا ہو آئے ہین وہ کُرتے کے اوپر اگلی طیلسان پہنتے ہین جو یہان
قبا کہلاتی ہے۔ پاؤن مین چوڑے پائچون کا پائجامہ ہوتا ہے۔ اور علی العموم
کفشین پہنتے ہین جن کا ذکر جوتون کے بیان مین آئے گا۔

چند کتابون پر ریویو

ارض القرآن۔ مولنا شبلی نعمانی مرحوم کی یادگار مین "دار المصنفین" کے نام
سے جو علمی انجمن اعظم گڈھ مین قائم ہوئی ہے اُس کے سلسلے کی یہ پہلی کتاب ہے
اور مولانا سید سلیمان ندوی جو صحیح معنون مین مولنا شبلی کے علم و فضل کے
وارث ہین اِس کے مصنف ہین۔ اُن کی یہ جدید عالمانہ اور محققانہ جغرافیائی
تصنیف پورا ثبوت دے رہی ہے کہ شبلی مرحوم کے مذاق تحقیق کو
وہ بہت کامیابی کے ساتھ زندہ رکھ سکین گے۔ اکثر افسوس کیا جاتا ہے اور یہ
افسوس سچا بھی ہے کہ ہمارے جو صاحبان کمال دنیا سے اُٹھ جاتے ہین
اُن کا کمال بھی اُٹھ جاتا ہے۔ مگر دیگر باکمال مرحومون کے بخلاف مولانا شبلی
بڑے خوش نصیب مرنے والے ہین کہ مولنا سلیمان ندوی کا مذاق تصنیف
مسلمانون کو یقین دلا رہا ہے کہ وہ شبلی مرحوم کے کمال کو مرنے نہ

دین گے - اور ملک مین ایسے تصانیف کا سلسلہ [illegible] کی بنیاد [illegible]
شبلی مرحوم نے ڈالی تھی -

"ارض القرآن" مین اس مقدس سرزمین کے جغرافیہ کی تحقیق کیگئی ہے جس مین قرآن مجید نازل ہوا - اور جس کی خاک کو قرآن سے تعلق ہے -
مولنا سلیمان نے یونانی - رومی - اسرائیلی - مصری - اور عربی روایات پر بہت ہی تحقیق سے بحث کر کے عرب کے قدیم اور عہد نزول قرآن کے صوبون کا صحیح جغرافیہ بتایا ہے جس بحث پر اس سے پہلے کوئی کتاب نہین لکھی گئی تھی - اور اُن متعصب مستشرقین مغرب کی زور و شور سے تردید کی ہے جنھون نے غلط اور متعصبانہ نتائج نکالے ہین - مولنا ندوی اپنے اِس مقصد مین بہت اچھی طرح کامیاب ہوئے ہین - جس پر ہم اُنھین صدق دل سے مبارکباد دیتے ہین -

یہ کتاب دراصل جغرافیۂ عرب کے مباحث پر ایک کامیاب اور عالمانہ تنقید ہے - لیکن اردو زبان کو اِس سے زیادہ کسی ایسی کتاب کی ضرورت ہے جس مین ارض عرب اور اُس کے صوبجات و بلاد اور قدیم و جدید اقوام و قبائل عرب کے مسکنون اور اُن مسکنون کی تبدیلیون کا جغرافیہ سلجھا کے صفائی کی ساتھ بتا دیا جائے تاکہ ایسی ایک کتاب تاریخ اسلام کے ساتھ ہمارے دینی طلبہ کے نصاب تعلیم مین داخل ہو سکے - ہم امید کرتے ہین کہ ایسی ایک شاندار اور بکار آمد کتاب بھی مولنا سلیمان ہی کی توجہ سے تیار ہو سکے گی -
بائبل کے جغرافیہ پر جو کتابین مسیحی مشنریون نے شائع کی ہین وہ ہمارے لیے عمدہ نمونہ ہو سکتی ہین - میرے خیال مین ایسی ایک کتاب کا تصنیف کرنا اس تصنیف سے مقدم تھا - اس لیے کہ اُس کے دیکھنے کے بعد لوگون کو اس تنقیدی تصنیف مین پورا مزہ آتا - ایک مدت کے تجربہ کے بعد میرا یہ خیال قائم ہو گیا ہے کہ تاریخ و جغرافیہ اور اسی طرح جملہ فنون کی مفصل و مشرح اور مبسوط و حاوی کتابون کا اردو مین پیدا کر دینا ہمارا پہلا کام ہے - اور تنقید اور اُن کے مباحث کی عالمانہ تحقیق کا درجہ

انجمن اردو کی خدمت مین بھی بارہا ظاہر کیا- عرب کے جغرافیے پر ایسی کوئی مبسوط کتاب پہلے سے موجود ہوتی تو پھر لوگون کو نظر آتا کہ "ارض القران" کی تصنیف مین مولٰنا سلیمان نے کتنی محنت کی ہے اور کیسا اعلی درجہ کا کام کیا ہے- افسوس کہ ہمارے یہان اچھے نقشون کا تیار کر کے چھپوانا بہت دشوار کام ہے- اگرچہ کئی نقشہ اس کتاب مین موجود ہین- مگر جیسے نقشون کو آنکھین ڈھونڈھتی ہین ویسے نہین-

مجھے یقین ہے کہ ملک اس کتاب کی ضرور قدر کرے گا- اس لیے کہ مولٰنا سلیمان کے علم و فضل کا پایہ جس قدر بلند ہے سب جانتے ہین- اور اُنھین کسی کے سامنے روشناس کرنے کی ضرورت نہین- یہ کتاب ۲۶×۲۰ پیمانے کے ۳۲۲ صفحون اور عمدہ چکنے کاغذ پر نہایت صاف اور واضح چھپی ہے- قیمت دو روپیہ ہے-

اور مجلد کتاب چاہیے ہو تو سوا دو روپیہ (۲؍۴) جناب مصنف کی خدمت مین "اعظم گڈھ" کے پتے پر خط بھیج کے وی پی منگوائیے-

خذ ما صفا- یہ ۲۶×۲۰ پیمانے کے چکنے سفید کاغذ پر حاجی محمد اسمٰعیل خانصاحب کی ایک ۴۰۳ صفحے کی تالیف ہے جس مین ہندوستان کے مختلف اخبارون اور رسالون سے دلچسپ پسندیدہ اور مفید عام مضامین منتخب کر کے جمع کر دیے گئے ہین- اردو کے مفید لٹریچر کو ملک مین پسندیدہ اور مقبول بنانے کی اِس سے بہتر کوئی تدبیر نہین ہو سکتی- ہم جناب حاجی صاحب کی اِس نفع بخش علمی خدمت کے شکر گزار ہین خصوصاً اس لیے کہ اُنھون نے دلگداز کا ایک مضمون بھی اخذ فرما کے اِس مجموعے کے اول مین درج فرمایا ہے- یہ کتاب خود جناب حاجی صاحب موصوف سے "آگرہ" کے پتہ پر خط بھیج کے منگوائی جا سکتی ہے- قیمت ہمین نہین معلوم-

کفایت شعاری۔ ڈاکٹر اسمائلس کی مشہور کتاب "تھرفٹ" کا ترجمہ جسے ہمارے مکرم سید محمد مرتضیٰ صاحب سٹی مجسٹریٹ ریاست بھوپال نے بہت اچھی ستھری اور سلجھی اردو کا لباس پہنایا ہے۔ ہونے کو تو یہ ۱۸×۲۲ پیمانے کے صرف ۴۷ صفحون کا رسالہ ہے۔ مگر نہایت ہی جامع و مانع۔ اور بے انتہا ضروری۔ سخت ضرورت ہے کہ مدارس نسوان اور نیز لڑکون کے اردو ورنیکولر مدارس مین یہ رسالہ داخل نصاب کیا جائے۔ چونکہ یہ ضروری رسالہ ریاست بھوپال کی علمی برکتون مین سے ہے لہذا ہمین یقین ہے کہ حضور عالیہ رئیسۂ بھوپال ادام اللہ بالجاہ والاقبال کی کوشش سے یہ تعلیم نسوان کے نصاب مین ضرور داخل ہوگا۔ جناب مصنف سے منگوائیے۔

مطرب بگو کہ کار جہان شد بکام ما

ہم اپنے احباب و ناظرین دلگداز کے رنج و غم مین شریک ہین اور وہ ہمارے رنج و غم مین۔ اس لیے اطلاعاً عرض ہے کہ ادھر کئی مہینے سے ہمارے محلے مین طاعون کی شدت تھی اور جتنے لوگ مبتلا ہوئے اُن مین سے ایک بھی جان بر نہ ہو سکا۔ مگر ہم راضی برضا اور خاموش بیٹھے رہے۔ یکایک وسط مئی مین برخوردار صدیق حسن سلمہ سب ایڈیٹر دلگداز اسی ہولناک مرض مین مبتلا ہو۔ اس کی وجہ سے ہمین اور ہمارے اعزا و احباب کو جو تردد ہوا زبان سے نہین ادا ہو سکتا۔ تقدیر حکیم حافظ محمد عبدالعلی کے منجھلے فرزند حکیم محمد عبدالقوی صاحب کی طرف رجوع کیا گیا۔ یہ ہمین معلوم تھا کہ اسی سال اُن کے ہاتھ سے خدا نے بہت سے مریضان طاعون کو شفا دی تھی۔ اُنھون نے پوری توجہ اور مستعدی سے صدیق سلمہ کا علاج شروع کیا دن مین دو دو بار محض ہمدردی و محبت کے خیال سے تشریف لائے۔ ایسی تدبیرین اختیار کین کہ تین ہی چار روز مین مرض کا زور ٹوٹ گیا۔ قلب و دماغ پر جو خطرناک اثر پڑ رہا تھا دور ہوا۔ اور اُس کے بعد جو گلٹی بغل مین تھی وہ بھی جگہ چھوڑ کے منتشر ہونے لگی۔ چھ روز کے بعد بڑی احتیاط سے غذا دی گئی۔ اور خدا نے بڑا فضل و کرم کیا کہ صحت کامل حاصل ہو گئی۔ گلٹی کا کسی قدر اثر اب بھی باقی ہے مگر اندیشہ ناک نہین۔ ہم حکیم صاحب ممدوح کو شکر گزاری کے ساتھ اُن کی اس حاذقانہ کامیابی پر مبارکباد دیتے ہین۔ امید ہے کہ ہماری طرح ہمارے تمام احباب ضرورت کے وقت اُن کے طبی کمال سے فائدہ اُٹھائین گے جن کی مسیحا نفسی ہمین زندگی بھر نہین بھول سکتی۔

حُسن کی کرشمہ سازیان

(دکن کی کافر ماجرا مہ جبین پرتھال)

سلطان راجہ کی بے اعتدالی پر اس قدر برہم تھا کہ اُس کی درخواست کو کسی طرح قبول نہ کرتا تھا۔ ایلچیون نے بار بار التجا کی اور امیر فضل اللہ انجو نے ہر مرتبہ زمین بوس ہو کے سفارش کی۔ آخر اپنے بہادر اور نامور سردار کی سفارش اُس نے قبول کی اور اِن شرطون پر راجہ کا قصور معاف کرنے کا وعدہ کیا کہ (۱) دیو رائے اپنی بیٹی سلطان کی نذر کرے۔ (۲) اُس کی سکھیال کے ساتھ دس لاکھ ہُن۔ پانچ من موتی۔ پچاس کوہ پیکر ہاتھی۔ دو ہزار لونڈی غلام جو لکھے پڑھے اور رقص و سرود کے فن مین باکمال ہون۔ پیشکش کیے جائین۔ (۳) قلعۂ بنکاپور گو کہ اُس پر سلطان ہی کا قبضہ ہے مگر وہ بھی راج کنواری جہیز مین محسوب کر کے دولت بہمنیہ کی قلمرو مین شامل کر دیا جائے۔

راجگان کرناٹک مین سے کسی نے اس وقت تک کسی غیر قوم حکمران خصوصًا ایک مسلمان سلطان کو اپنی بیٹی نہین دی تھی۔ مگر راجہ دیو رائے سلطان فیروز شاہ بہمنی کا اس قدر دباؤ مان چکا تھا کہ اُسے طوعًا و کرہًا قبول ہی کرنا پڑا۔ اور جب بیٹی کا دینا اُس نے قبول کر لیا تو اور شرطون کے نہ منظور کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی؟ فورًا راج دولاری کے رخصت کرنے کا سامان ہونے لگا۔ اور اُس کے لیے راجہ نے ایسا اہتمام کیا کہ ایسی دھوم دھام اس سے پہلے کبھی بیجانگر مین نہین دیکھی گئی تھی۔ سلطان کا خیمہ بیجانگر کے پھاٹک سے

سات فرسخ پر تھا۔ لہٰذا سلطانی خیمے سے راج محل تک دو رویہ بازار
لگ گیا۔ اور ایک عظیم الشان میلہ قائم ہو گیا۔ دُکانیں بڑے تکلف اور نہایت
ہی زیب و زینت سے سجی گئیں جن کی آرایش میں ہندو مسلمان دونوں
نے مل کے اپنے کمالات و ہنر اور اپنی نفاست مزاجی کا ثبوت دیا۔ یہ میلا
مسلسل چالیس روز تک قائم رہا جس میں جابجا پری جمال ماہوشیں شب و روز
رقص و سرود میں مصروف رہتیں۔ اور ایک خلقت اُن کے شمع رخسار کا پروانہ
بنی رہتی۔ اکثر مقامات پر بازی گر اور مداری تماشا دکھاتے رہتے۔ رات بھر
روشنی ہوتی رہتی۔ اور معلوم ہوتا کہ دونوں حریف قومیں رشتۂ یگانگت
قائم ہوتے ہی ساری فکروں کو بھول کے عیش و عشرت میں منہمک ہو گئی ہیں۔
سلطان کی طرف سے اُس کے بھائی احمد خان خانخان اور امیر فضل اللہ
انجو بری کا جوڑا لے کے ایک باشان و شوکت شاہانہ جلوس اور برات کے ساتھ
راج محل میں گئے۔ جو ایک ہفتہ تک ٹھہرائے گئے۔ اور نہایت ہی عظمت و شان
سے اُن کی مہمان داری کی گئی۔ ہفتہ گزرنے کے بعد شاہزادی رخصت
کی گئی۔ جس کی سکھ پال پر سونے چاندی کے ہن لٹاتے ہوئے لشکر گاہ سلطانی
میں لائے۔ سلطان کو بھی اپنی اِس خوش نصیبی پر جوش آیا۔ دولھن کا ڈولا
پہونچتے ہی اُس نے خزانے لٹا دیے۔ اور جس ایثار نفس۔ حسن و ادب۔
اور خلوص و اطاعت سے راجہ نے اس رسم کو ادا کیا تھا۔ ویسی ہی فیاضی
گرمجوشی سے اُس کے عزیز ترین ہدیے کو قبول کیا۔ اور بے انتہا مسرور ہوا۔
شادی ہو جانے کے بعد چوتھی کے جلوہ پر راجہ نے سلطان کو اپنے
محل میں بُلایا۔ فیروز شاہ نے اُس کی درخواست قبول کی لشکر گاہ کا انتظام
خانخانان کے ذمے چھوڑ کے دُولھن شاہزادی کے ساتھ عظیم الشان جلوس
اور اعلیٰ درجے کے کروفر سے بیجانگر میں گیا۔ راجہ نے بھی استقبال
میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا تھا۔ پھاٹک سے راج محل تک تین فرسخ کی
مسافت تھی۔ اِس تمام راستے پر اطلس مشجر اور مخمل کا فرش بچھا ہوا تھا۔ اور
ادھر اُدھر طرح طرح کے قیمتی کپڑوں کے جوڑ لگا کے سارا راستہ گلزار

[illegible] بنا دیا گیا تھا۔ خود راجہ [illegible] تک استقبال کو آیا اور داماد
سے بغلگیر ہو کے اُسے اپنی مشایعت مین محل تک لایا۔ اس سارے راستے
مین راجہ کے ہاتھ مین ہاتھ دیے جب تک سلطان گزرتا رہا دونون
جانب سے اُس پر پری جمال عورتین اور نازک اندام خوبصورت لڑکے
تھالیون مین بھر بھر کے سونے چاندی کے پھول برساتے اور نچھاور کرتے
رہے۔ رستے مین ایک مقام پر بیجانگر کے تمام امرا و معززین نے جن مین مرد
عورتین سب ہی تھے حاضر ہو کے حسب حیثیت روپے اور اشرفیان نچھاور
کین۔ اس کے بعد ایک میدان پڑتا تھا۔ سلطان کی سواری اُس سے آگے
بڑھی تو خاص شاہی خاندان کے لوگون اور اعزاے شاہی کے گھرانون کے
زن و مرد نے حاضر ہو کے سلطان پر زر و جواہر نچھاور کرنا شروع کیے۔ اور
یونہین زر و جواہر لٹاتے ہوئے راج محل تک پاپیادہ اُس کے ہمراہ آئے۔

اس شان و شوکت اور اِس دھوم دھام سے دونون تاجدار
راج محل کے دروازے پر پہونچ کے گھوڑون سے اُترے۔ یہان ایک
مرصّع و جواہر نگار سکھ پال حاضر تھی۔ سلطان اُس مین سوار کرا کے حجلۂ عروسی
مین پہونچا گیا۔ جو خاص اُسی کے ورود کے لیے بنایا۔ اور بڑے اہتمام سے آراستہ
کیا گیا۔ تمام اُمرا و اعزاے شاہی پاپیادہ سلطانی سکھ پال کے جلو مین تھے جنمین
خود راجہ دیو راے بھی تھا۔ سلطان کو یہان تک پہونچا کے راجہ نے واپسی
کی اجازت لی۔ اور تمام اعیان سلطنت کے ساتھ واپس گیا۔ سلطان اور
اُس کی مہ جبین دولھن اپنے حجلۂ عیش مین مصروف عیش و عشرت رہے۔ اور
تین دن اسی جشن و طرب مین محو رہا جس کے مزے کو سلطان شاید زندگی
بھر نہ بھولا ہو گا۔

تیسرے دن سلطان نے واپسی کا ارادہ کیا تو راجہ نے حاضر
ہو کے اس قدر سامان دولت اور اتنا ایک زر و جواہر نذر کیا جو اُس سے
بدرجہا زیادہ تھا جو سلطان کی شرط کے مطابق شاہزادی کے ڈولے کے
ساتھ بھیجا گیا تھا۔ اور اسی مناسبت سے اب جو شہنشاہ کی سواری اور

[illegible] ہوئی تو اُس کی شان و شوکت
اور اُسکا کر و فر پہلے سے بدرجہا زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ مشایعت کے لیے
خود راجہ چار فرسخ تک سلطان کے جلو میں گیا۔ اور وہان سے رخصت
ہو کے اپنے شہر مین واپس آیا۔

لیکن باوجود استقبال کا اس قدر اہتمام کرنے کے راجہ کے دل
مین اپنی بے عزتی و رسوائی کا ایسا گہرا زخم لگا تھا کہ ضبط کرنے پر بھی
کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتا جس سے اُس کا دلی صدمہ ظاہر ہو جاتا۔ چھوٹی
نسل کا ایک عظیم الشان راجہ تھا جس کے عظمت و جبروت کو سارا ہندوستان
مانے ہوئے تھا۔ چنانچہ سلطان سے رخصت ہونے وقت اُسے غیرت
کا کچھ ایسا جوش آ گیا کہ چھتریون کے اکھڑپن کے لہجے مین چند ایسی باتین
کین کہ سلطان کو اُس کے الفاظ اور اُس کا گستاخانہ لہجہ سخت ناگوار ہوا۔
اور راجہ کا سب کیا دھرا بیکار ہو گیا۔ چنانچہ راجہ کے واپس جاتے ہی
سلطان نے امیر فضل اللہ انجو سے (جو ہمراہ رکاب تھا اور اُسی کی
سفارش سے اُس نے یہ صلح قبول کی تھی۔) غصہ کے لہجے مین کہا "شرط
تو یہ تھی کہ دیو راسے ہمین ہمارے خیمے تک پہونچانے گا۔ یہ راستہ مین
سے کیون پلٹ گیا؟" اِس کے بعد آپ ہی دل مین کچھ سوچ کے کہا "خیر
مضائقہ نہین۔ سمجھا جائے گا۔" سلطان کے یہ الفاظ راجہ دیو راسے کے گوش
گزار ہوئے تو طیش مین آ کے اور بگڑا۔ اور کچھ اور سخت و سُست الفاظ
زبان پر لایا۔ بہر حال انجام یہ ہوا کہ ایسی قرابت ہو جانے اور مہانداری
و دعوت مین ایسی فیاضی دکھانے پر بھی دونون تاجدارون کے دل نہ
صاف ہوسے۔ مگر ملال صرف دلون مین رہا۔ اس وقت کوئی اور جھگڑا نہین
پیدا ہوا۔ صلح کے تمام شرائط پر عملدرآمد ہو گیا۔ اور سلطان نے اپنے
خیل و حشم اور نئی دلھن کے ساتھ اپنے دار السلطنت فیروزآباد کی
راہ کی۔

چونکہ یہ سب واقعات پرتھال ہی کے حُسن عالم آشوب کے کرشمے

اِس کی ہم نے اُن کو تفصیل سے بیان کر دیا۔ اور اُن کے بیان مین اِس درجہ مصروف ہوئے کہ پرتھال کا خیال ہی ذہن سے اُتر گیا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہین۔ اِس لیے کہ لڑائی کی شورش مین راجہ دیورائے بھی اُسے بھولا ہوا ہے۔ مگر ہمین افسوس تو اِس بات کا ہو کہ اتنا سب ہوا۔ ہزارہا خلقت کٹ گئی۔ اور راجہ دیورائے کی راج دُلاری تک سلطان فیروز شاہ کی دولھن بن گئی مگر دیورائے کی آرزو نہ بر آئی۔ اُسے کسی طرح اُس مہ پارہ سُونارن کا جلوہ دیکھنا نہ نصیب ہوا۔

سلطان کو اثنائے فوج کشی مین معلوم ہو گیا تھا کہ راجہ نے بہمنی قلمرو مین ملک گیری کے خیال سے نہین بلکہ پری جمال پرتھال کے شوق وصال مین قدم رکھا تھا جس سے محروم رہا۔ گھر پہونچ کے اُسے شوق ہوا کہ مُدگل کے سُنار کی اُس خوبصورت لڑکی کو دیکھے۔ فوراً ایک سردار تھوڑی سی فوج کے ساتھ بھیجا گیا جو عزت اور قدر و منزلت کے ساتھ پرتھال اور اُس کے ماں باپ کو لے آیا۔ فیروز شاہ نے جو اِس کافر ماجرا لڑکی کی صورت دیکھی اور اُس کا گانا سُنا تو عشش کر گیا۔ بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا "فتبارک اللہ احسن الخالقین"۔ اور دیر تک اُس کے حسن و جمال کی تعریف کرتا رہا۔ اِس کے بعد کہا "مین اب بوڑھا ہون۔ اس لیے اگر اپنے محل مین رکھون تو اِس پری اور اس کے عدیم المثال حسن و جمال پر ظلم ہو گا۔ اِس لڑکی کا ابھی عنفوان شباب ہے اور اسی طرح میرے فرزند حسن خان کی رگون مین بھی جو نہایت ہی خوش جمال ہے آغاز جوانی کا پُرجوش خون دوڑ رہا ہے۔ لہذا مین چاہتا ہون کہ اس لڑکی کی شادی اُسی کے ساتھ کر دیجائے۔

یہ تجویز کرتے ہی سلطان نے پرتھال کو اپنی چچی کے حوالے کیا کہ اُس کی شادی کا اہتمام شاہانہ شان و شوکت سے کرے اور عقد کی تاریخ مقرر کر کے خود حسن خان کو بڑے کرّ و فر اور حشمت و شکوہ سے دولھا بنا کے چچی کے گھر برات کے ساتھ لے گیا۔ اور مہ جمال پرتھال کو سلطنت بہمنیہ کی عالی مرتبہ بہو بنا کے بیاہ لایا۔ پرتھال کو معلوم ہوا کہ میرے خواب کی یہ تعبیر تھی۔ اور آرزومندی و مقصود...

کے ساتھ عالم تبہ سلمان شاہزادہ دن کی سی زندگی بسر کرنے لگی جس کی طرف
اُس کے دل کو پہلے ہی سے رجحان تھا۔ اور خود ہی پردہ کرنے لگی تھی
شاید ایسی عدیم المثال اور بے نظیر دلھن کے ملنے ہی کا نتیجہ تھا کہ حسن خان
کو بجز عیش و عشرت اور رقص و سرود کے دنیا و مافیہا سے کوئی سروکار
نہ تھا۔ رات دن محبوبۂ مہ جبین کے آغوش مین بیٹھا رہتا اور اُس کے ناز و ادا
کا لطف اُٹھایا کرتا۔ نہ سلطنت سے سروکار تھا۔ نہ حکمرانی کی لیاقت اُس مین
پیدا ہو سکی۔ فیروز شاہ نے آخر زندگی مین لاکھ سر مارا۔ اور اُسے اپنا
ولی عہد بنا دیا۔ مگر سلطنت اُس کی تقدیر مین نہ تھی۔ فیروز شاہ کا بھائی
خانخانان اُس کی زندگی ہی مین بادشاہ بن گیا۔ بیٹے کی محبت مین بادشاہ
بھائی کا دشمن ہو گیا۔ اور خود فوج لے کے اُس کے سامنے صف آرا
ہوا۔ فیروز شاہ اُن دنوں سخت بیمار تھا۔ اثنائے جنگ مین اتفاقاً اُسے
غش آیا۔ لشکر مین اُس کی موت کی خبر اُڑ گئی۔ اور خود اُس کی فوج
والے اُس کا اور ولی عہد کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کے خانخانان سے جا ملے۔
ہوا کا رُخ پلٹا دیکھ کے حسن خان اور دیگر سردار بادشاہ کے میانے کو قریب
کے ایک قلعے مین اُٹھا لے گئے۔ اور خانخانان نے بڑھ کے اُس قلعے کا
محاصرہ کر لیا۔

اب فیروز شاہ کو ہوش آیا۔ اور واقعات جنگ سُنے تو اپنی
بے دست و پائی پر متعجب ہوا۔ اور فرزند سے کہا۔ "بیٹا۔ مین نے بہت چاہا
مگر اِس کو کیا کرون کہ سلطنت تمھاری قسمت مین نہین ہے۔ اب بھائی سے
لڑنا قسمت سے لڑنا ہے۔ قلعے کے پھاٹک کھول دو۔ اور خانخانان سے
کہو کہ فاتحانہ شان سے اندر آئے۔ اس حکم پر عمل کیا گیا۔ اور خانخانان
آکے صاحب تاج و سریر بھائی کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ بیمار و ناتوان
بادشاہ سرکش بھائی کی صورت دیکھتے ہی زار و قطار رونے لگا۔ اور کہا
"تاج و تخت تمھین مبارک۔ محبت پدری کے تقاضے سے مین نے اپنے فرزند
کے لیے ولی عہدی کی کوشش کی۔ مگر چونکہ یہ خدا کو منظور نہ تھا اِس لیے

ناکام و نامراد رہا۔ بس اب آج سے تم ہی صاحب تاج و دیہیم ہو۔ اور میں اپنے فرزند حسن خان اور ساری رعایا کو تمھارے سپرد کرتا ہوں"
بس اسی دن یعنی ۵ر شوال ۸۲۵ھ کو خانخانان نے تاج شاہی سر پر رکھا اور "احمد شاہ بہمنی" کے لقب سے حکومت کرنے لگا۔ دس دن بعد یعنی اُسی مہینے کی ۱۵ تاریخ فیروز شاہ نے دنیا کو رخصت کیا۔ اور اُس کی وصیت کے مطابق نئے فرمان روا احمد شاہ بہمنی نے سوچنا شروع کیا کہ بھتیجے یعنی حسن خان کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ بعض مشیروں نے رائے دی کہ اس شاہزادے سے مطمئن نہ رہنا چاہیے۔ اُسے یا تو قتل کرنا چاہیے۔ یا اُس کی آنکھیں نکلوا ڈالی جائیں۔ مگر احمد شاہ نے اس صلاح کو نہ مانا۔ بلکہ بھتیجے کو پانصدی ع.ت سے سرفراز کیا۔ اُس کے ساتھ دریاے تنگ بھدرا کے کنارے قلعہ فیروز آباد اُسے بطور جاگیر عطا کیا۔ اور کہا "اُس خوش سواد قلعے میں جس کی فضا میں دریاے تنگ بھدرا نے جان ڈال دی ہے بیٹھ کے تم عیش کرو۔ اپنی محبوبہ کے حسن سے لطف اُٹھاؤ۔ قلعے کے بُرجوں سے عالم کی بہار دیکھو۔ سیر و شکار کا شوق ہو تو گرداگرد دو فرسخ تک جا کے لطف شکار اُٹھا سکتے ہو۔ اور اِس سے زیادہ دور جانے کو جی چاہے تو مجھ سے اجازت لے لینا۔
حسن خان بھی دل سے یہی چاہتا تھا اس خلوتکدہ عیش میں بیٹھا تو پھر مر کے وہاں سے نکلا۔ اور ہمیں نہیں معلوم کہ اِس کے بعد اُس کا اور اُس کی مہ جبین محبوبہ پرتھال کا کیا حال ہوا۔

تاریخ صقلیہ

اس نایاب تاریخ کا سلسلہ ہم نے فروری کے دلگداز سے شروع کیا ہے۔ اور اِس طریقے سے شائع کرنا شروع کیا ہے کہ بعد تکمیل کے اِس کے اوراق دلگداز سے الگ کر لیے جا سکیں۔ مسلمانان ہند کے لیے یہ بالکل نایاب تاریخ ہے۔ اگرچہ عربی کی عام تاریخوں۔ طبری۔ ابن اثیر۔ اور ابن خلدون وغیرہ میں ضمناً

نے عرب اس لئے کا بھی ذکر آگیا ہو جس پر عام ناظرین کی نظر بھی نہین پڑی سسلی
فتوحات صقلیہ پر کوئی مستقل کتاب نہ عربی مین لکھی گئی۔ نہ فارسی مین اور نہ
انگریزی مین کوئی ایسی کتاب موجود ہے جس سے اِن واقعات مین سے
ایک واقعہ بھی معلوم ہو سکے۔ یورپ کی موجودہ کوششین بچاس سال پیشتر
کے مذاق تحقیق سے بدل کے اب فقط اِس غرض کے حاصل کرنے مین مصروف
ہین کہ اپنی اگلی کمزوریون کو جہان تک بنے دبایا اور چھپایا جائے۔ اگرچہ دنیا کی
کوئی قوم نہین جس نے ترقی سے پہلے تنزل کا مُنہ نہ دیکھا ہو۔ جو صاحب علم
ہونے سے پہلے جاہل مہذب بننے سے پہلے وحشی۔ اور فاتح بننے سے مفتوح
نہ رہی ہو۔ مگر انسان کی سرشت مین یہ عجیب کمزوری رکھی گئی ہے کہ عروج حاصل ہونے
کے بعد یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ہمین ہمیشہ سے ایسا ہی عروج حاصل تھا۔ اور ہم
ہر زمانے مین ایسے ہی مہذب و ترقی یافتہ تھے۔ چاہتا ہی کہ اپنی گزشتہ ذلتون
اور کمزوریون کو خود بھی بھلادے۔ اور کسی اور کو بھی وہ یاد نہ رہین۔ افسوس اِس
طبعی کمزوری سے یورپ بھی خالی نہین۔

مگر جو واقعات گزر چکے ہین ہزار چھپاؤ کُھل ہی جاتے ہین۔ اٹلی اور
سسلی آج چاہین کیسے ہی شہ نشین و دولتمندی پر پہونچ جائین مگر اُن کی کمزوری کے
زمانے کے یہ حالات اور اُن کی یہ ذلتین لوح زمانہ پر ثبت ہو گئی ہین۔ اپنے
لٹریچر سے اُنھون نے اِن کو مٹا دیا تو کیا ہوا ہمارا لٹریچر تو موجود ہے جو ہر بھولے
ہوے کو یہ واقعات یاد دیلا کرے گا۔

بہر تقدیر دلگداز کے اس دوران پر زمانے کو ایک ایسی تاریخ مِل جائے گی
جس سے اہل وطن بالکل ناآشنا ہین۔ اور اُسے اور کہین بڑی مشکل سے پا سکین
گے۔ ہم نے اس مین جو کچھ لکھا ہی خالص عربی تاریخون سے بلکہ کلیتہً ابن اثیر سے لیا ہے
اور امید ہی کہ اِس تاریخ کے مکمل ہوتے ہی اردو مین ایک ایسی تاریخ پیدا ہو جائے گی جو
مستقل طور پر شاید دنیا کی کسی زبان مین نہین موجود ہی۔ یہ ہم نہین کہہ سکتے کہ ہمین
کے مہینون تک یہ سلسلہ اور جاری رکھنا پڑیگا مگر کم از کم دلگداز کے چار پانچ پرچون
کے اوراق اور اِس کی نذر ہون گے۔

ایطالیہ پر مسلمانون کا حملہ

۲۲۲ھ مین مسینا پر قابض ہو جانے سے عربون کا زور اس قدر بڑھ گیا تھا کہ جزیرہ صقلیہ سے آگے بڑھ کے خاص ملک اٹلی (ایطالیہ) کی طرف اُنھون نے توجہ کی۔ اور اُن کا ایک زبردست لشکر سمندر سے اُتر کے جنوبی ایطالیہ کے شہر طارنت (ٹارنٹم) مین ٹھہر گیا۔ اور اٹلی کے صوبۂ انکبرد پر تصرف کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

رومی جہازون کی ناکامی و تباہی

۲۲۳ھ مین قسطنطنیہ سے دس رومی جہاز جن کو عرب لوگ "شلندیات" کہتے تھے فوج لی کے صقلیہ مین آئے۔ اور بندر گاہ طین مین لنگر انداز ہولے۔ ساحل پر اُترے۔ اور بڑھے کہ مسلمانون کے مقبوضات پر حملہ کرین۔ مگر کچھ ایسا اتفاق پیش آیا کہ راستہ بھول گئے۔ اور کسی ایسے مقام تک نہ پہونچ سکے جس پر حملہ کر کے عربون کو نقصان پہونچا سکین۔ مجبور ہو کے پلٹے۔ ساحل پر ناکام و نامراد واپس آئے۔ اور اپنے جہازون پر سوار ہو کے چلے کہ کسی اور طرف کا رُخ کرین۔ مگر ہوا کچھ ایسی ناموافق تھی کہ دس مین سے سات جہاز ڈوب گئے۔ اور تین اپنے سپاہیون کو لے کے جہان سے آئے تھے وہین واپس گئے۔

شہر ارغوس پر حملہ

۲۲۴ھ مین مسلمانون نے شہر آرغوس پر حملہ کیا۔ شہر والے اگرچہ نہایت سرکش تھے مگر اپنے مین تاب مقاومت نہ پا کے اُنھون نے صلح کی درخواست پیش کی اور بغیر کسی شرط کے اپنی قسمت فاتحون کے ہاتھ مین دیدی۔ مسلمانون نے شہر پر قبضہ پاتے ہی اس خیال سے کہ یہان والے ہمیشہ موقع پاتے ہی

علانیہ بغاوت پر آمادہ ہوتے یا دشمنون سے سازش کرتے اور سرکشی کیا کر لیا کرتے تھے۔ اُسے منہدم کر دیا۔ اور بہت کچھ مال و اسباب شہر والون سے بطور جرمانے کے وصول کر لیا۔

قصریانہ پر تاخت

۲۲۵ھ مین قصریانہ والون نے پھر سر اُٹھایا تھا۔ چنانچہ عربون کا ایک لشکر اُن کی سرکوبی کو جا پہونچا۔ اُنھین لوٹا مارا۔ اور عوالی شہر کو اُس کی متواتر سرکشیون کی سزا مین جلا کے خاک کر دیا۔

عباس بن فضل بن یعقوب امیر صقلیہ

اس وقت تک افریقہ کے تاجداران بنی اغلب کی جانب سے صقلیہ کا امیر اور والی محمد بن عبد اللہ بن اغلب رہا تھا۔ مگر وہ ایسا اولو العزم اور فتوحات کا شائق نہ تھا جیسے کہ اُس سے پہلے کے والی ہوتے آئے تھے۔ مگر چونکہ بنی اغلب کے شاہی خاندان سے تھا۔ اس لیے اُس کی زندگی مین کسی نے اُس کے حکم سے سرتابی نہین کی۔ اُس کا معمول یہ تھا کہ اپنے مرکز حکومت شہر بلرم (پلرمو) مین قیام پذیر رہتا۔ اور ضرورت کے اوقات مین لشکر اور مہمین بھیج بھیج کے اپنی سطوت قائم رکھتا۔ اور خوش قسمتی تھی کہ ایسی تمام مہمون مین وہ کامیاب و فتحمند رہا۔ مگر اُس کے زمانۂ امارت مین ابو العباس الفضل بن یعقوب بن جعفر ہمدانی نے مختلف شہرون مین جہاد کر کے فوج اور تمام مسلمانان صقلیہ مین ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمد بن عبد اللہ بن اغلب نے ۱۹ سال حکومت کر کے رجب ۲۳۶ھ مین وفات پائی تو مسلمانان صقلیہ نے فضل بن یعقوب کو (جس کا نام اس سے پیشتر ہم نے فضل بن جعفر ہمدانی بتایا ہے۔) خود ہی اپنا والی و امیر منتخب کر کے شاہ افریقہ محمد بن اغلب

اور وہان کا امیر الجہاد ہو گیا۔

فضل کی پہلی مہم اپنے عہد امارت مین

پہلا والی صرف یہ کرتا رہا تھا کہ بلرم مین بیٹھ کے عیش کرتا۔ اور اُس کی فوجین جو مال غنیمت مختلف حملون سے لا لا کے پیش کرتین اُسے جمع کرتا۔ فضل نے سند پاتے ہی لشکر مرتب کر کے سفر جہاد شروع کیا۔ اپنے چچا ترباح کو اپنی فوج مقدمۃ الجیش کا افسر بنایا۔ راستے مین قلعہ آلجا تور پڑا۔ ایک فوج بھیج کے اُسے اپنی مملکت مین شامل کر لیا۔ لیکن چونکہ یہ فتح بغیر لڑے نہین حاصل ہوئی تھی اس لیے اُسے لوٹا۔ وہان کے بہت سے لوگ پکڑ کے لونڈی غلام بنائے۔ اور بہت کچھ مال غنیمت حاصل کیا۔ اس کے بعد پھر شہر قصریانہ کی طرف رُخ کیا جو کسی طرح سرکشی سے باز نہ آتا تھا۔ خود شہر پر تو قابو نہ چلا مگر اُس کے حوالی و نواح کو خوب لوٹا۔ جلایا۔ اور ویران کر دیا۔ تاکہ سرکش بطریق (حاکم) قصریانہ جو اپنی قلعہ بندیون مین چھپا بیٹھا تھا باہر نکل کے مقابلہ کرے۔ مگر اُسے کسی طرح باہر آنے کی جراُت نہ ہوئی۔ اور فضل ملک کو خوب لوٹ مار کے اور تباہ و برباد کر کے بلرم مین واپس گیا۔

دوسری مہم

چند ہی روز سستا کے اُس نے پھر فوج کشی اختیار کی۔ اور ۲۳۸ھ مین ایک زبردست لشکر اپنے اسلامی جھنڈے کے نیچے لے کے قصریانہ پر تاخت کی۔ مگر یہ زبردست شہراب کی بھی فتح نہ ہو سکا۔ تاہم اُس نے اپنی اس مہم کو بھی فتوحات سے خالی نہ جانے دیا۔ مختلف شہرون قطانیہ۔ سرقوسہ نوطس۔ اور ارغوس پر فوجین بھیجین۔ جنھون نے ان سب شہرون کو لوٹا مارا۔

بعد اُس نے بڑھ کے شہر تبیرہ کا محاصرہ کر لیا۔ پانچ مہینے کی محصوری کے بعد اہل شہر نے اطاعت قبول کی۔ پھاٹک کھولے۔ اور شہر مقبوضات اسلامیہ مین داخل ہو گیا۔

ابوابراہیم احمد کی فرمان روائی افریقیہ

۲۴۲ھ مین ابوالعباس محمد بن اغلب بن ابراہیم بن اغلب نے ۱۵ سال ۸ مہینے اور ۱۰ دن حکومت کر کے سفر آخرت کیا۔ اور اُس کی جگہ اُس کا بیٹا ابوابراہیم احمد بن محمد بن اغلب اورنگ نشین افریقیہ ہوا اور صقلیہ کی اسلامی قلمرو کے سیاہ و سفید کا اصلی مالک بنا یہی تھا۔ اچھا اور نیک فرمان روا تھا۔ عنان حکومت ہاتھ مین لیتے ہی اُس نے رعایا سے بہت اچھا سلوک کیا۔ اور فوج کو انعام و اکرام سے سرفراز اور مسرور کر کے اپنا فریفتہ کر لیا۔

تیسری اور چوتھی مہمین

اسی ۲۴۲ھ مین عباس ایک زبردست لشکر لے کے اطراف صقلیہ مین روانہ ہوا۔ اور بہت سے قلعے فتح کر لیے۔ اور ملک کا ایک معتدبہ حصہ اپنے قبضے مین کر کے واپس آیا۔ لیکن ۲۴۳ھ مین اُس نے گزشتہ مہمون سے زیادہ ساز و سامان کے ساتھ سفر کیا۔ اور سیدھا قصریانہ کیطرف چلا جس کے فتح کرنے کی اُسے دُھن لگی ہوئی تھی۔ اب کی قصریانہ والون نے اپنی عادت کے خلاف نکل کے مقابلہ کیا۔ مگر سخت شکست کھائی۔ کثرت سے مارے گئے۔ جو کچھ ساز و سامان اُن کے ساتھ تھا مسلمانون کے ہاتھ لگا۔ اور وہ بھاگ کے پھر اپنے قلعے مین پناہ گزین ہو گئے۔

اس کے بعد اُس نے سرقوسہ اور طبرمین پر حملہ کیا جہان کے لوگون

اختیار کر لی تھی۔ ان دونون شہرون
کو خوب لوٹ مار کے اور جابجا آگ لگا کے سرکش باغیون کو کافی سزا
دی۔ اور وہان سے بڑھ کے قصر جدید کے سامنے خیمہ زن ہوا۔ اور
اُس کا محاصرہ کر لیا۔ اُس شہر مین جو رومی تھے اُنھون نے پندرہ ہزار
دینار ادا کر کے اپنی جان بچانی چاہی۔ مگر فضل نے نہ مانا۔ اور محاصرے
مین اور سختی شروع کر دی۔ آخر لوگون نے زندگی سے تنگ آ کے ہتھیار رکھ
دیے۔ اور شہر حوالے کر دیا۔ اُن کی صرف اتنی شرط فضل نے قبول کی تھی کہ
دو سو آدمیون کو آزادی دیدیجائے گی۔ چنانچہ جن دو سو آدمیون کو
اُنھون نے بتایا اُن کو چھوڑ کے کل اہل شہر مرد ہون یا عورت فاتحون کے
مملوک بنا لیے گئے۔ ان کثیر التعداد غلامون کو فضل نے وہین کھڑے کھڑے
بیچ ڈالا۔ اور قلعے کو منہدم کر کے ویران کر دیا۔ تاکہ پھر کوئی اُس مین پناہ
گزین نہ ہو سکے۔

پانچوین مہم اور فتح قصریانہ

۲۴۴ھ مین ابو العباس فضل پوری طرح آمادہ ہو گیا کہ شہر قصریانہ
کو جو کسی طرح سرتابی و سرکشی سے باز نہین آتا تھا اُسے فتح کر لے۔ صقلیہ مین رومیون کا
دار السلطنت یہی شہر تھا۔ پہلے یہان کے حکمران شہر سیرقوسہ مین رہا کرتے تھے۔
جب مسلمان جزیرے کے ایک حصے پر قابض و متصرف ہو گئے تو اُنھون
نے سرقوسہ کو چھوڑ کے اسی شہر قصریانہ کو اپنا دار السلطنت بنایا۔
اس لیے کہ یہ شہر اُن کے خیال مین نہایت مضبوط اور ناقابل فتح تھا۔
اب کی فضل قصریانہ پر ایک بحری لشکر کو اپنے بیڑے پر سوار
کرا کے لایا۔ جس نے آتے ہی ۸۰ رومی جہازون سے مقابلہ کیا۔ ایک
سخت بحری لڑائی ہوئی۔ جس مین اسلامی جہازون نے رومی حامیان

چلا گیا۔ اس کے بعد موسم سرما آیا تو افسن نے ایک لشکر بھیجا کہ قصریانہ پر تاخت کرے۔ یہ فوج آئی اور شہر کے اطراف و جوانب مین خوب لوٹ مار کر کے اور بہت سے قیدیون کو پکڑ کے واپس گئی۔ ان قیدیون مین ایک معزز رومی سردار تھا جس کی قصریانہ مین بڑی عزت تھی۔ فضل نے اُس کے قتل کا حکم کیا تو اُس نے عاجزی سے کہا:" میری جان لینے سے آپ کو کیا مل جائے گا؟ ہان اگر میری جان بخشی ہو تو مین آپ کو ایک نہایت ہی قیمتی مشورہ دون گا۔" پوچھا گیا۔" وہ مشورہ کیا ہے؟" بولا" وہ ایسا مشورہ ہے کہ اگر آپ نے اُس پر عمل کیا تو شہر قصریانہ پر قابض ہو جائین گے۔"

اس وعدے کے مطابق اُس کی جان بخشی کی گئی۔ اور اُس نے کہا" ابھی جاڑون کا موسم ہے اور برف پڑ رہی ہے۔ جس کی وجہ سے اہل شہر کو آپ کے حملے کا اندیشہ نہین۔ وہ اپنے شہر مین مطمئن اور غافل ہین۔ یہ موقع بہت غنیمت ہے۔ آپ تھوڑی سی فوج میرے ہمراہ کر دین۔ اور مین وعدہ کرتا ہون کہ اُن سب سپاہیون کو نہایت خاموشی کے ساتھ شہر کے اندر لے جا کے کھڑا کر دون گا۔ فضل نے اپنی فوج مین سے دو ہزار شریف و خاندانی بہادر منتخب کر کے اُس کے ہمراہ کیے۔ اور اِس فوج کا سردار اپنے چچا رباح کو مقرر کیا۔ پھر اُس کے پیچھے خود بھی سارا لشکر لے کے چل کھڑا ہوا۔ اور قصریانہ کی شہر پناہ کے قریب پہونچ کے چھپ رہا۔ یہ سب کارروائی راتون رات اندھیرے مین ہوئی۔ اور اندھیرے ہی کے دامن مین چھپ کے اُس رومی سردار نے مسلمانون کو شہر پناہ قصریانہ کے ایک ایسے حصے کے نیچے پہونچا دیا جہان تمام پہرے والے غافل پڑے سو رہے تھے۔ لیکن اُس مقام تک پہونچنا بہت دشوار تھا۔ چنانچہ وہ دو ہزار مسلمان جو اُس کے ہمراہ تھے کئی جگہ پہاڑ کے ٹیلون پر چڑھے۔ بعض مقامات پر کھڑی اور سیدھی چٹانون پر سیڑھیان لگا کے چڑھے اور اُترے۔ نیچے پہونچ کے

شہر پناہ مین ایک چھوٹی سی بدرو تھی۔ جس مین سے ہو کے شہر کے اندر راستہ
گیا تھا۔ اُس مین گندہ پانی بہتا رہتا تھا۔ اور اہل شہر اکثر غلاظت لا کے
اُسی مین ڈالا کرتے۔ رومی سردار مسلمانون کو لے کے اُس کے اندر
گھسا۔ اور دم بھر مین سارا لشکر شہر کے اندر کھڑا تھا۔ صبح ہو چکی تھی مگر اندھیرا
باقی تھا کہ اِن مسلمانون نے شہر کے اندر نعرہ "اللہ اکبر" بلند کیا جس سے سارے شہر
کے در و دیوار اور اُن سے زیادہ اہل شہر کے دل ہل گئے۔

نعرۂ تکبیر کے ساتھ ہی اِن لوگون نے تلوارین بلند کین اور شہر مین
قتل عام ہونے لگا۔ تھوڑی ہی دیر مین فتحیاب مسلمانون نے پھیل کے شہر
کے سب پھاٹک کھول دیے۔ اور ابو العباس فضل اپنی ساری فوج
کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ یہ شوال کی ۱۵ تاریخ تھی۔ اور عید الفطر
کی مسرت ابھی تک دلون مین باقی تھی۔ دم بھر مین تمام اہل شہر پناہ مانگنے
لگے۔ اور مسلمانون نے قصریانہ کے اندر بڑے زور و شور اور بڑی بھاری
جماعت سے نماز فجر ادا کی۔ چنانچہ جس مقام پر اُنھون نے نماز پڑھی تھی اُسی
وقت وہان ایک عالی شان مسجد کی بنیاد ڈال دی۔ اور اسی کی بنیاد دن
مین جمعہ کی نماز شکوہ و اجلال سے پڑھی گئی۔

قتل عام کا انجام یہ ہوا کہ جتنے لڑنے والے مسلح آدمی ملے سب
قتل ہوئے۔ اور بطارقہ یعنی معززین روم کی جتنی عورتین اور لڑکیان
ملین سب مع زیور کے اسیر کر کے لونڈیان بنا لی گئین۔ یہان بعض
شاہزادے بھی اسیر ہوئے۔ اور غنیمت مین اتنی دولت ہاتھ آئی
جو بیان نہین ہو سکتی۔ اور یہی تاریخ ہے کہ جس دن سے عرب
کہتے ہین کہ صقلیہ مین کفر و شرک ذلیل و خوار ہوا۔ اور توحید کا پرچم
اقبال لہرانے لگا۔

قصریانہ کے اس طرح مسلمانون کے قبضے مین ہو جانے کی خبر قسطنطنیہ
مین پہونچی تو لوگون کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور فوراً وہان کا ایک امیر البحر تین سو

[illegible]

کہ ابو العباس اُن کے سر دن پر جا پہونچا۔ اور ایسی زبردست شکست دی کہ وہ سب ٹھہرنے کی بھی جرأت نہ کر سکے۔ گھبرا کے اپنے جہازون پر سوار ہوئے۔ اور اُسی وقت لنگر اُٹھا کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ مگر فضل کے بیڑے نے سمندر مین بھی اُن کا تعاقب کیا۔ سو جہاز پکڑ لیے۔ اور بحری فوج مین سے بہتون کو قتل کر ڈالا۔ یہ مہم اِس قدر کامیاب تھی کہ اِس مین صرف تین مسلمان کام آئے۔ جو بحری دشمنون کے تیرون کا نشانہ ہوئے۔

عام فتحین

۲۳۲ھ مین مسلمانون کی فتحون کی ایسی دھاک بیٹھ گئی تھی کہ وہ قلعے پر قلعہ اور شہر پر شہر اپنے قبضے مین کرتے چلے جاتے تھے۔ اور یونانی دولت روم کے بنائے کچھ نہ بنتی تھی۔ چنانچہ ابو العباس نے زبردست لشکر لے کے متواتر شہرون کو فتح کرنا شروع کیا۔ جابجا رومی سردارون نے مقابلہ کیا۔ مگر انجام مین ناکام ہوئے اور اپنے بہت سے بہادرون کی جانین ضائع کرا کے اُس کے آگے ہتھیار رکھ دیے۔ اسی سلسلے مین اُس نے قلعۂ عبد المومن اور قلعۂ آملاطنو کا محاصرہ کر لیا۔ ان قلعون کو گھیرے پڑا تھا کہ خبر آئی ایک بڑا بھاری لشکر آ پہونچا۔ فوراً مقابلہ کو چلا۔ بمقام خفلودی مین دونون حریفون کا سامنا ہوا۔ رومی بڑی بہادری سے لڑے مگر شکست کھائی۔ اور شہر سرقوسہ مین گھس کے پھاٹک بند کر لیے۔ یہ شہر مسلمانون کے قبضے مین تھا۔ مگر رومیون کو دیکھ کے اہل شہر بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ فضل نے پروانہ کی اور طرف جا کے بہت سے شہر اور قلعے فتح کر لیے۔ اور قصریانہ مین واپس آیا۔ اُسے ایک اسلامی شہر قرار دے کے خوب مضبوط کیا۔ اِس مین بہت سی فوج رکھی۔ اور بے انتہا سامان جنگ جمع کر لیا۔ مقصد یہ تھا کہ مغربی صقلیہ مین جس طرح پلرمو مسلمانون کا مرکز حکومت ہے مشرقی صقلیہ مین قصریانہ ہو۔

سر اور درمیانی حصۂ جسم کے لباس کا حال تفصیل و وضاحت سے ہم بیان کر چکے اب اسفل جسم کے لباس کی طرف توجہ کرتے ہین۔ پھر اُس کے بعد دیگر زوائد لباس اور مختلف گروہون کی خاص خاص وضعون کا اور اُن کے بعد عورتون کے لباس کا تذکرہ کرین گے۔

نشیبی حصۂ جسم کے لیے عربون مین سوا تہمت کے کچھ نہ تھا۔ عربی تہمت اور ہندون کی دھوتی دونون بے سی ہوئی پتلی چادرین ہوتی ہین۔ فرق یہ ہے کہ تہمت دو تین گز سے زیادہ لمبا نہین ہوتا۔ اور دھوتی پانچ گز سے کم نہین ہوتی۔ تہمت صرف کمر مین لپیٹ کے اٹکا لیا جاتا ہے۔ دھوتی ہندوستان کی مختلف قومون مین خاص خاص بندشون سے باندھی جاتی ہے۔ اُس کا ایک سرا نیچے سے پھیر دے کے پیٹھ کے نیچے گھرس لیا جاتا ہے۔ اور دوسرے کو بعض لوگ کمر مین لپیٹ لیتے ہین بعض چُنّٹ دے کے اوراوپر سے ناف کے پاس گھرس کے آگے لگا لیتے ہین۔ عربون کے تہمت نے بعد کے زمانے مین یہ ترقی کی کہ اُس کے دونون سرے سی کے ایک حلقہ بنا لیا جاتا ہے۔ اور اُس مین دونون پاؤن ڈال کے اور کمر کے پاس اُسے سمیٹ کے بندش کر دی جاتی ہے۔

ظہور اسلام کے وقت اور اُس سے مدتون پیشتر عربون کا قومی لباس زیرین یہی تھا۔ امیر و غریب بادشاہ و وزیر سب تہمت باندھتے۔ فرق اس قدر تھا کہ اُمرا اور متکبرین عرب اپنی نخوت اور اپنے غرور کا اظہار اس طرح کرتے کہ یہ تہمت بہت نیچا اور زمین سے ملا ہوا ہوتا۔ جس مین سارے پاؤن چھپ جاتے۔ اور اُس کے دونون سرے زمین پر لوٹتے اور رگڑتے ہوئے چلتے۔ چونکہ اِس وضع مین کبر و نخوت کی بو آتی اور جو شخص ایسا نیچا تہمت باندھ کے نکلتا دوسرون کو اپنے سامنے ذلیل و حقیر خیال کرتا اِس وجہ سے اسلام نے اس وضع کی سخت ممانعت کی۔ حکم دیدیا۔

کہ ازار (تہمت) ٹخنون سے نیچی نہ رہے۔ علمائے اسی حکم کی بنا پر فی الحال یہ فتوی دے رکھا ہے کہ پائجامہ یا ٹانگون کا کوئی لباس ٹخنون سے نیچا نہ ہو۔ حالانکہ پائجامہ نہ اُن دنون تھا اور نہ اِس حکم مین شامل ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ نیچی اور زمین پر لوٹتی ہوئی ازار باندھنے سے جو کبر و نخوت کا خیال امرائے عرب مین پیدا ہوتا تھا ہندوستان کے نیچا پیجامہ پہننے والون مین ہرگز نہین ہوتا۔

حضرت رسول خدا صلعم کے زمانے ہی مین پائجامہ دیگر ممالک و اقوام سے عرب مین پہونچ گیا تھا۔ اور بعد کے زمانے مین بغداد کے دربار کا اور اُن عربون کا جو عرب سے نکل کے دیگر ممالک مین متوطن ہو گئے تھے قومی لباس بن گیا۔ ہندوستان مین مسلمانون سے پہلے دھوتی کے سوا پائجامہ نہ تھا۔ مسلمان فاتح اسے اپنے ساتھ ہندوستان مین لائے جن مین ملے ہوئے چند ایسے عابد و زاہد اور مقتدایان دین تھے جو سنت نبوی کی پیروی مین تہمت ہی باندھے ہوئے اس سرزمین پر آ گئے۔ تہمت چونکہ سنت ہونے کی وجہ سے ایک خالص دینی لباس تھا۔ اس لیے بے نفس اور دیندار مسلمانون یا طالب علمون ہی کے ساتھ مخصوص رہا مگر پائجامہ یہان کی سوسائٹی مین اِس قدر عام ہو گیا کہ مسلمان درکنار ہندؤن اور یہان کی دوسری قومون مین بھی اُس کا رواج ہو گیا۔

لیکن غور طلب یہ امر ہے کہ مسلمانون کا پہلا اور اصلی پائجامہ کس وضع کا تھا۔ غالباً وہ تنگ مہری کا اُٹنگا پائجامہ جو شرعی پائجامہ کہلاتا ہے اور اتقیائے اہلسنت مین مروج ہے مسلمانون کا پہلا پائجامہ ہے۔ یہی بغداد مین مروج تھا۔ اسی کا رواج ایران و ترکستان مین ہوا۔ اور اسی کو پہنتے ہوئے مسلمان ہندوستان مین آئے۔

ہندوستان کے آخر عہد مین اُس کی قطع مین اتنا تغیر ہوا کہ پائنچے یا مہری پنڈلی سے لپٹی رہتی مگر اوپر کا گھیر قریب اُتنا ہی ہوتا جتنا کہ پرانے شرعی پائجامے کا تھا۔ چند روز بعد مہری کسی قدر لمبی اور نیچی ہو گئی مگر

ٹخنون سے آگے نہین بڑھی۔ دہلی کے آخر عہد تک وہان اور سارے ہندوستان
مین مسلمانون کا یہی پائجامہ تھا۔ اگرچہ ادنیٰ طبقے کے مسلمان ہند و عوام کی آمیزش سے
دھوتیان باندھتے تھے۔ اور معزز درجے کے ہندو اپنے گھرون مین چاہے
دھوتیان باندھے رہین مگر مہذب صحبتون مین آتے تو پائجامہ پہن کے آتے۔

انھین دنون کابل و قندہار مین دو متضاد قسمون کے پائجامے مروج
تھے۔ کابل والون کا پائجامہ نیچے مہری کے پاس تنگ اور اوپر گھیر کے پاس اتنا
ڈھیلا ہوتا کہ نیچے کا جسم ایک بہت بڑے جھولدار غبارے مین غائب ہو جاتا۔
اور ایک ایک پائجامے مین ایک ایک اور دو دو تھان خرچ ہو جاتے۔ یہ آج
بھی افغانیون کی ٹانگون مین نظر آ سکتا ہے۔ برخلاف اس کے قندھار والے
ایسا پائجامہ پہنتے جس کا اوپر کا گھیر تو زیادہ نہ ہوتا۔ مگر دونون پائنچے کلیان جوڑ جوڑ
کے اتنے بڑے اور اتنے گھیر کے بنا دیے جاتے کہ جب تک انسان اُن کو گھرس نہ لے
یا ہاتھ سے سنبھالے نہ رہے چلنا دشوار تھا۔

دربار دہلی مین بکثرت قندھاری آ آ کے فوج مین نوکر ہوئے وہ لوگ چونکہ
بڑے بہادر سمجھے جاتے اس لیے یہان کے عام سپہگرون مین اُن کے وضع و لباس
اور عادات و خصائل رواج پانے لگے۔ اور یہ اُنھین کی برکت اور اُنھین کی
صحبت کا اثر تھا کہ دہلی مین بانکے بڑے بڑے کلیون دار پائنچون کے پائجامے پہنتے
دہلی کے آخر عہد مین بانکون کی وضعداری و شجاعت اس قدر پسندیدہ ہو گئی کہ صدہا
شریف زادون نے بانکون مین داخل ہو کے اُن کی وضع اختیار کر لی۔ اور
شرفا جن مین اکثر اپنی اصلی وضع پر تھے۔ اور بہت سے بانکے بنے ہوئے تھے
لکھنؤ مین آئے۔

لکھنؤ مین آ کے یکایک ایک ڈھیلا عرض کے پائنچون کا پائجامہ
پیدا ہو گیا۔ شجاع الدولہ۔ آصف الدولہ اور سعادت علی خان کے زمانون تک تو
اُس کا پتہ نہین چلتا۔ مگر معلوم ہوتا ہے غازی الدین حیدر یا اُن کے فرزند
نصیر الدین حیدر کے زمانون مین جبکہ یہان لباس و معاشرت مین تغیر ہو رہا تھا اُسی بانکون
کے کلیون دار قندھاری پائجامہ سے مختصر کر کے یہ پائجامہ بنا لیا گیا۔ جو اتنا

ڈھیلا تھا کہ ایک ایک پائجامے مین ایک ایک تھان صرف ہو جاتے اور نہ تنگ
مہری والے پُرانے پائجامے کی طرح اتنا تنگ کہ پائنچہ اوپر چڑھانا غیر ممکن ہو۔
یہ نیا پائجامہ ہلکا پھلکا اور ہندوستان کی گرمیون مین نہایت آرام دہ تھا۔
چند ہی روز مین امرا اور مہذب لوگون مین اِس قدر مقبول ہو گیا کہ سوا اُن
لوگون کے جو بانکپن کا دعوے رکھتے تھے تمام اہل علم وفضل زہاد واتقیا اور
سارے شرفا و امرا کی وضع مین یہی پائجامہ داخل تھا۔

اب لکھنؤ مین صرف دو پائجامے تھے۔ ایک تو وہی بانکون کا کلیون
دار پائجامہ دوسرا یہ عرض کے پائنچون کا پائجامہ جو سارے شہر کے مہذب
لوگون کی وضع مین داخل ہو گیا تھا۔ اور اِس شان کے ساتھ کہ اکثر مہذب
وتعلیم یافتہ لوگ بھی گلبدن اور مشروع کا سلواتے۔ اور اُس کے پائنچون
مین چوڑی گوٹ لگائی جاتی۔ بانکون والے اول الذکر پائجامے کو خود
نصیر الدین حیدر نے اپنی وضع مین داخل کر لیا۔ ان کو انگریزی لباس
کا بھی شوق تھا۔ اس لیے یا کوٹ پتلون پہنتے یا کلیون دار پائجامہ جس کو
فی الحال پنجاب والے غرارے دار پائجامہ کہتے ہین۔ نصیر الدین حیدر کو یہ
پائجامہ اِس قدر عزیز تھا کہ انگریز لوگون کی گون کے مشابہ دیکھ کے اُنھون
نے اُسے اپنے محل کی بیگمون کو بھی پنھانا شروع کیا۔ اور محل کی وضع
مین داخل ہو جانے کا یہ اثر ہوا کہ شہر کی تمام عورتین اسی کو پہننے لگین
جس کا ذکر عورتون کے لباس کے بیان مین آئے گا۔

شاہی مین اودھ کی فوج فتح پنجاب کے موقع پہ انگریزون
کے ساتھ جا کے سکھون سے لڑی تھی۔ سکھ لوگ ایک نئی قسم کا اور یہی
نہین ترچھی کاٹ کا تنگ اور چست پائجامہ پہنتے تھے جو گھٹنا کہلاتا ہے
بہت سے پنجاب جانے والون نے اُس وضع کو بہت پسند کیا۔ اور گھرون
مین واپس آئے تو وہی آڑی کاٹ کے گھٹنے پہنے تھے۔ یہان کے اکثر لوگون
نے یہ پائجامہ بہت پسند کیا۔ اور یکایک ایسا رواج ہوا کہ لکھنؤ کے تمام
بانکے ترچھے شوقین اور امیرزادے گھٹنا پہننے لگے جو خوب چست

رکھی جائین۔

لکھنؤ مین یہی تین پائجامے تھے کہ انگریزی ہو گئی۔ بڑے بڑے پائچون کا کلیون دار پائجامہ تو بانکون اور اسلحہ کے ساتھ سارے مردون مین سے فنا ہو گیا۔ نصیر الدین حیدر کی عنایت سے فقط عورتون مین باقی رہگیا ہے۔ مردون مین فقط دو پائجامے تھے۔ یعنی عرض کا پائجامہ اور گھٹنا یا سُنّی اہل تقا مین سے بعض بعض پُرانا شرعی پائجامہ پہن لیا کرتے۔ انگریزی دور نے پہلا اثر یہ کیا کہ پائجامون کی وضع قطع تو وہی رہی مگر اطلس گلبدن اور مشروع کے یا رنگین سوتی پائجامے مردون سے بالکل چھوٹ گئے۔ چند روز بعد علیگڈھ کالج کے شوشل اسکول سے انگریزی پتلون کی نقل کے پائجامے ایجاد ہوئے جو نہ اتنے تنگ ہوتے ہین کہ پنڈلی سے لپٹے رہین اور نہ اتنے ڈھیلے کہ پائنچہ اوپر تک چڑھا لیا جا سکے۔ انگریزی تعلیم پانے والون اور سارے ہندوستان کے اکثر شریف زادون مین اب اسی پائجامے کا رواج بڑھتا جاتا ہے۔ اگرچہ اکثر تعلیم یافتہ جو تہذیب جدید کے ملاءِ اعلیٰ تک پہونچ گئے ہین اپنا سارا لباس چھوڑ کے کوٹ پتلون پہننے لگے ہین۔ لیکن لکھنؤ مین آج بھی بعض گنتی کے ایسے ثقہ لوگ نظر آ سکتے ہین جو پُرانی قطع کے عرض کے پائجامے پہنتے ہین۔ اور اپنی وضع نہین چھوڑتے۔

دو دو باتین

لڑائی کا ختم ہونا درکنار اُس کے شعلے روز بروز زیادہ بھڑکتے جاتے ہین۔ سال حال کے آخری واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہان تک تدابیر اور حکمت عملی کو تعلق ہے اتحادیین نے جرمن کو دبا لیا اور سیاسی شکستین دے دین۔ لیکن میدان جنگ مین ابھی تک

ہم سے جو جنگ کے ختم ہونے کے انتظار مین بے صبریان ظاہر ہو رہی ہین اُن کی وجہ فقط یہ ہے کہ ہم اپنے مایحتاج زندگی سے روز بروز زیادہ محروم ہوتے جاتے ہین۔ جرمن و اسٹریا کی چیزون کے معدوم ہو جانے سے جو سخت ترین تکلیف ہوئی تھی اُسے تو ہم جھیل لے گئے۔ اب خاص انگلستان کی بنی ہوئی چیزین بھی مفقود ہوئی جاتی ہین۔ خدا ہمین اِن مصائب کے برداشت کرنے کی قوت و توفیق دے۔

مسز اینی بسنت کے نظربند ہونے سے ہندوستان مین ہوم رول لیگ یعنی حکومت خودمختاری کی تحریک کو ہندو مسلمان دونون مین یک بیک اُبھار دیا۔ اور مختلف صوبجات ہند کے حکام نے اس تحریک کے دبانے کی غرض سے جو جداگانہ پالسیان اختیار کین حیرت انگیز ہین۔ لیکن اس مین شک نہین کہ بعض حکام کی پالسی یہ نظر آتی ہے کہ بغیر امن و امان مین خلل ڈالے ملکی قانون کی نگہداشت کے ساتھ بھی اگر کوئی آزادی کی تحریک کیجائے تو اُسے وہ برداشت نہین کر سکتے۔

اس کی شکایت تو فضول ہے کہ اس قسم کا دباؤ تعلیم یافتہ ہندوستانیون پر کیون ڈالا جاتا ہے۔ لیکن اصلی شکایت یہ ہے کہ ہم سے کیون ایسی آزادی کے وعدے کیے گئے؟ اور ہم کو کیون یقین دلایا گیا کہ ہم ایک کانسٹی ٹیوشنل مہذب گورنمنٹ کے زیر فرمان اور اپنے جائز حقوق کے ماننے مین آزاد ہین؟

اِس سے بڑی کوئی خوش خبری اور علماے فرنگی محل کی روشن دماغی و وسیع الخیالی کی کوئی دلیل نہین ہو سکتی کہ مدرسۂ عالیہ نظامیہ

فرغ ... عربی طلبہ کے لیے ایک نیا درجہ "اجتہاد" قائم کیا گیا ہے۔ جہان تک ہمین یاد ہے اس اور اس نوعیت کی کوئی جماعت درسی کبھی اس سے پہلے ہندوستان کی کسی عربی درس گاہ مین نہین کھلی تھی۔ اور سچ یہ ہے کہ تعلیم عربی خصوصًا دینیات کی تعلیم کا منتہاے کمال یہی ہے جو اس درجے کے ذریعے سے فاضل طلبہ مین پیدا کرنا مقصود ہے۔

لیکن محقق علماے مدرسہ کی وسیع النظری مین ایک خفیف سی تنگ خیالی کی بھی بو آتی ہے۔ وہ یہ کہ غیر مقلدیت کے سیلان سے بچانے کے لیے یہ درجہ "اجتہاد فی المذہب" کا ہوگا۔ اس سے اگر مراد اجتہاد فی المذہب الحنفیہ مراد ہے تو بڑی تنگ خیالی ہونے کے علاوہ اُس کے نصاب مین جو کتابین داخل کی گئی ہین اُن مین سے اکثر خارج کر دینے کے قابل ہین۔ اور اگر اجتہاد فی المذاہب الاربعہ یا اجتہاد فی مذاہب الائمۃ السلف" مراد ہے تو ہم سچے دل سے اپنے وطنی علما کو ان کی روشن خیالی پر مبارک باد دیتے ہین۔

لیکن تینون صورتون مین ہمارے نزدیک نصاب بہت ناقص ہے۔ اس مین کتابون ہی نہین کئی فنون کے بڑھانے کی سخت ضرورت ہے۔ جن مین بصیرت حاصل کیے بغیر سچے اجتہاد کا درجہ کسی کو نہین حاصل ہو سکتا۔ اجتہاد فضیلت علم دین کا اعلی ترین درجہ ہے۔ اس مین چاہے زمانۂ تکمیل بجاے ایک سال کے دو تین چار سال ہو جائین مضائقہ نہین قابلیت پوری مکمل ہونی چاہیے۔ جس کے ضرورت ہے کہ تفسیر۔ رجال سیرۃ نبوی۔ سیر صحابہ۔ علم ملل ونحل۔ اور اسلام سے ایک صدی پیشتر سے تین صدی مابعد تک کی تاریخ لازمی طور پر داخل نصاب کیے جائے۔ جب تک اِن فنون پر نظر نہ ہو نہ انسان پر احادیث کے مستند و غیر مستند ہونے کا پورا راز منکشف ہو سکتا ہے۔ نہ اکثر مسائل کی تاریخ معلوم ہو سکتی ہے کہ یہ کب اور کس ضرورت سے پیدا ہوئے۔ اور اُن مین

کیا اختلافات پڑے اور کیون پڑے۔ نہ اس کی حقیقت [illegible] ہے کہ کن تبدیلیات
اور دیگر اقوام و ملل کے روایات اسلام مین کب اور کیونکر شامل ہو گئے
بہرحال اگر بزرگان فرنگی محل نے علم دین کی ایسی اعلیٰ خدمت اپنے ذمے لی ہے
تو اُسے پوری روشن خیالی و وسیع النظری سے بجا لائین۔

اسلامیہ کالج دہلی کی تجویز جو ۱۳ جولائی کے ہمدم سے معلوم ہوئی ہے
قومی زندگی اور مبارک فالی کی بہت بڑی نمایان دلیل ہے۔ اگرچہ اس کالج
کی نوعیت اور اُس کا نصاب بالکل نہین معلوم ہوا۔ لیکن چونکہ علمائے امت
اور انگریزی تعلیم یافتہ دونون شریک ہین اس لیے امید ہے کہ جو کچھ
ہو گا مفید اور قابل اطمینان ہو گا

اس کالج کے قیام کے متعلق مین اتنا ضرور کہون گا کہ جو کچھ کیا جائے
خود اپنی قوت کے سہارے پر کیا جائے اور سرکاری ایڈ (اعانت) کا خیال
دل سے بالکل نکال ڈالا جائے۔ اب زمانہ آگیا ہے کہ انگریزی و عربی دونون
قسم کے مدارس لوگ محض اپنی قوت سے قائم کرین۔ اس کا بھی خیال نہ کرین کہ
یونیورسٹی افیلیئیٹ کرتی ہے یا نہین۔ انگریزی طلبہ کو پرائیوٹ حیثیت سے
امتحان دلائین۔ اُن کو مفت تعلیم دین۔ اور اُن کے امتحان کی فیس کا
بار بھی مسلمان اپنے ذمے لین۔ پاس ہونے یا نہ ہونے کی مطلق پروا نہ کرین
بلکہ صرف انگلش اور حساب مین اعلیٰ درجے کی استعداد پیدا کرا کے طلبہ
کو یونہین چھوڑ دین تو زیادہ مناسب ہو گا۔ ان کو اگر اچھی لیاقت ہوگی
تو یونیورسٹی کا سرٹفکیٹ چاہے اُن کے پاس ہو یا نہ ہو وہ ذریعۂ معاش
بخوبی پیدا کر سکین گے۔ یا نوین درجے مین شامل ہو کے وہ بہت ہی جلد
یونیورسٹی کلاسون مین پاس ہو جائین گے۔ اس کے سوا اب کوئی صورت
قومی فلاح کی نہین نظر آسکتی۔

ہاتھی کا شکار پھندے سے

ہمارے مکرم و محترم دوست مرزا محمد عسکری صاحب مترجم محکمۂ لیجس لیٹو کونسل گورنمنٹ آف انڈیا نے یہ مضمون انگریزی اخبار اسٹیٹسمین سے ترجمہ کر کے دلگداز مین شایع کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ لہذا ترجمے کی خوبی اور سلاست زبان کی داد دے کے ہم اسے شایع کرتے ہین۔

ہندوستان مین ہاتھی بوجھل چیزین اُٹھانے اور لڑائی کے کامون مین زمانۂ قدیم سے کام آتے ہین مشہور ہے کہ راجہ پورس کے پاس جس سے اور سکندر اعظم سے دریاے اٹک پر ایک عظیم الشان لڑائی ہوئی تھی ایک ہزار ہاتھی تھے جن کی مدد سے اُس نے سکندر کی بہترین سپاہ کا اس خوبی سے مقابلہ کیا کہ آخر کو اُنھون نے اِن جنگی دیوون کے سامنے آنے سے انکار کر دیا۔ مگر وہ باتدبیر بادشاہ کب چوکنے والا تھا؟ ایک نئی ترکیب سوجھا یعنی بہت سے بھینسے بہم پہونچائے جن کے سینگون پر جلتی ہوئی مشعلین باندھ دی گئین اور ہنکا دیے گئے۔ ہاتھی اس عجیب الہیئت حریف کو دیکھکر ایسا سہمے کہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور بجاے دشمن کی طرف بڑھنے کے خود اپنی فوج کو روندتے اور کچلتے چلے گئے جس سے یونانیون کی نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہو گئی۔

ہاتھیون سے بحالت قید بچہ لینے کی تدبیرین اب تک سب بیکار ہوئی ہین۔ لہذا سواے اِس کے کہ جنگلی ہاتھی پکڑے جائین اور کوئی طریقہ اُن کی

ہین جن مین سے ایک کھیدا ہی اُس کے ذریعے سے ہاتھیون کی ایک کثیر تعداد ایک دفعہ مین پکڑی جا سکتی ہے مگر اِس مین روپیہ کا صرف اور اہتمام بہت کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے طریقے شکار کے ہاتھیون کو گڑھے مین گرا کے پکڑنا یا پھندے مین پھانسنے کے ہین اول الذکر طریقے مین ایک بڑا نقصان یہ ہی کہ اکثر اوقات چوٹ لگنے کی وجہ سے یا تو ہاتھی بالکل بیکار ہو جاتے ہین یا بہت زمانے مین اور بڑے صرف کے بعد اچھے ہوتے ہین سب سے زیادہ دلچسپ نیز سب سے زیادہ خطرناک طریقہ پھندے سے پکڑنے کا ہی جس کے لیے بہت ضروری ہی کہ شکاری ہاتھی خوب سدھے ہون اور پھندا پھینکنے والے بیحد مشاق ہون۔

راقم کو اس قسم کے شکار کے دیکھنے کا موقع تمبائی کے جنگل مین ملا تھا اور مین وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ بڑے جانورون کے شکار مین اِس سے زیادہ پر لطف اور پر از خطرہ شکار شاید ہی کوئی ہو۔ یہ چھوٹی سی ریاست چھوٹا ناگپور کے جنگلی اضلاع مین واقع ہی جس سے بیس پچیس برس اُس طرف جب تک بنگال ناگپور ریلوے نہین نکلی تھی یورپین لوگ بالکل ناآشنا تھے۔

ایک عجیب بات ان اطراف کی دیسی ریاستون مین یہ ہی کہ یہان کے اصلی باشندے تو قدیمی اقوام سونتھال بھیل گونڈ وغیرہ سے ہین مگر ریاستین زیادہ تر راجپوتون ہی کے ہاتھ مین ہین جن کی ذات برادری کے لوگ دربار مین دس بارہ سے زیادہ نہ ہون گے مگر یہی مختصر جماعت پورے دباؤ اور کامیابی کے ساتھ اُن قدیمی اقوام پر حکمرانی کرتی ہی۔ راجہ تمباے ایک خوبصورت نہن راجپوت تقریباً بارہ سو میل مربع کے مالک با اختیار ہین۔

مین شاید سب سے پہلا گورے رنگ کا آدمی تھا جس نے اِس دور و دراز ریاست مین قدم رکھا تھا مجکو دیکھکر یہان کے قدیمی باشندے سمجھے کہ میرا رنگ بھی مثل اُنھین کے سیاہ ہی مگر کوئی سفید چیز جیسا کہ وہ خود کسی تہوار مین یا ادائے رسوم کے موقع پر لگا لیتے ہین مین نے بھی اپنے چہرے اور ہاتھون پر لگائی ہی جس سے رنگ دوسرا معلوم ہوتا ہے۔ میری سیاہ

جرابون کو دیکھ کر انکا یہ خیال اور پختہ ہو گیا۔ مگر جب مین اپنی جرابین اُتارنے لگا تو یہ دیکھتے ہی وہ ایسے خوف زدہ ہوئے کہ دور بھاگے اور پھر پاس نہ پھٹکے شاید یہ خیال کرکے کہ مین اپنی کھال کو مثل سانپ کے اُتار سکتا ہون۔

راجہ کے یہان دس بارہ ہاتھی ہین مگر اُن مین سے صرف پانچ شکاری ہین باقی سواری وغیرہ کے کام مین آتے ہین۔ یہ زمانہ شکار کے واسطے بہت مناسب تھا۔ شکار مین ہتھنیان بہ نسبت نرون کے زیادہ کار آمد ہوتی ہین کیونکہ غول کے ہاتھی اُنکو دیکھ کے کچھ نہین بولتے مگر نر سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہین اور آخر کار اُس کو بھاگنا پڑتا ہے۔ شکار مجر دا کے جنگل مین تھا جو نبا سے بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مین اور راجہ ایک بڑے قدآور ہاتھی کی پیٹھ پر گدی پر سوار تھے باقی چار ہتھنیون پر ایک ایک پھندا پھینکنے والا مہاوت کے پیچھے بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر مین ہمکو سے خبر لائے کہ ایک غول اُنیس ۱۹ ہاتھیون کا جس مین دو نر اور باقی مادہ اور بچے ہین قریب دکھائی دیا ہے۔ ہتھنیان زیادہ بکار آمد اس وجہ سے بھی ہوتی ہین کہ اول تو نرون کو سدھانا زیادہ مشکل ہوتا ہے دوسرے وہ ایک خاص فصل مین مست ہو جاتے ہین اور اُس وقت بڑی تکلیف دیتے ہین۔ اسی وجہ سے بڑے قد کے ہاتھی سوا نمائش کے کامون کے یا جبکہ کوئی جشن وغیرہ ہو اور اُن پر سواری کیجا ئے اور کوئی کام شکار وغیرہ کا کسی طرح اُن سے نہین لیا جا سکتا گو اُن مین جو کہ قوت زیادہ ہوتی ہے اِس لیے شکار مین اُن کو بھی خاص موقعون کے واسطے لگا رکھتے ہین۔

بالآخر جب وہ غول قریب آیا تو شکاری ہتھنیان آگے کر دی گئین اور ہمارا ہاتھی پیچھے لگا دیا گیا تاکہ نہ صرف شکار کا تماشا اچھی طرح دیکھا جائے بلکہ اگر ضرورت ہو تو ہتھنیون کو مدد بھی دیجائے اور بعد کو معلوم ہوا کہ ہماری قربت بہت ضروری تھی جیسا کہ ذیل کے واقعات سے معلوم ہوگا۔ مہاوتون کی اب یہ کوشش ہوئی کہ غول کے اندر گھس جائین اور ایک جوان ہتھنی کو غول سے الگ کرکے باہر نکال لائین مگر یہ کام آسان نہ تھا۔ اِس مین بڑی چالاکی

قاعدہ ہے کہ جب شکار کو غول سے الگ کرنا منظور ہوتا ہے تو اُس کے داہنے
بائین دونون طرف دو دو سدھی ہوئی شکاری ہتھنیان لگا دیتے ہین جو اُسکو
رگیدتی ہوئی غول کے کنارے تک لے آتی ہین اور آخر مین بالکل باہر نکال
لاتی ہین۔ چنانچہ ہمارے مہاوتون نے بھی ایسا ہی کرنا چاہا اور بڑی مشکل
سے ایک ہتھنی کو غول سے الگ تو کر لیا مگر اُس کے بعد اُن کی تمام کوششین
بیکار تھین۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھیون کے حلقے سے کسی طرح نکلنا نہین چاہتی
تھی۔ اور کنارے پر پہونچکر برابر گھوم جاتی اور جنگلی ہاتھیون مین پھر مل جاتی
اور ہماری شکاری ہتھنیان سوا اُس کے ساتھ داہنے بائین رہنے کے
اور کچھ نہ کر سکتین۔ راجہ نے اس وقت کو دیکھکر اب اپنا ہاتھی آگے بڑھایا
جو اُس ہتھنی کے ٹھیک آمنے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ اب یہ صورت تھی کہ اُس کے
دونون طرف تو چار شکاری ہتھنیان ہین جو اُس کو مڑنے اور گھومنے سے
روکتی ہین اور ٹھیک سامنے ہمارا ہاتھی ہے جو آگا روکے کھڑا ہے اور
اُس کے زبردست دانت خوف دلا رہے ہین کہ اگر ہتھنی نے ذرا بھی قدم
آگے بڑھایا تو اُن مین چھد کے رہجائے گی۔ اِس صورت سے وہ غول کے ہاتھیون
سے الگ کر کے تھوڑی دور تک لائی گئی مگر ایک جگہ پر پھر ٹھٹک کے کھڑی ہو گئی
اور اب اُس نے اپنی سونڈ کھڑی کی۔ شاید اِس غرض سے کہ ساتھ والے ہاتھیون
کی بو سونگھ کر اُن کی سمت دریافت کرے۔ بس اُس کی یہ حرکت پھندے والون
کے لیے جو دیر سے اسی تاک مین تھے ایک بہترین موقع تھا ایک مضبوط
پھندا اُس کی گردن مین اُسی وقت ڈالدیا گیا اور ایک آن واحد مین وہ پھنسی
ہوئی تھی۔

پھندے کی رسی چپٹی مثل فیتہ کے اور نہایت مضبوط ہوتی ہے۔
اور اِس حصۂ ملک مین ایک خاص قسم کی گھانس سے جو مثل سَن کے نرم ہوتی
ہے اور بکثرت اُگتی ہے تیار کیجاتی ہے۔ رسی کی موٹائی تقریباً ایک انچہ اور
اُسکی چوڑان دو ڈھائی انچہ کی ہوتی ہے اور نرمی سے یہ فائدہ ہے کہ کھال

ہین جو مہینون مین اچھے ہوتے ہین۔ پھندے کی گرہ بھی معمولی قسم کی ہوتی ہے اینچنے والی نہین ہوتی جس سے گلا گھٹنے کا اندیشہ ہے اور گردن مین ٹھیک بیٹھ جاتی ہے۔ دوسرا سرا رسی کا کسی شکاری ہاتھی کی پیٹی مین کس کے باندھ دیا جاتا ہے اور جب ایسے ایسے دو رسے دو ہاتھیون کی پیٹیون مین باندھ دیے جاین تو گرفتار ہاتھی کا بھاگنا محال ہے۔

جونہین ہتھنی کی گردن مین دو مضبوط رسے پڑ گئے وہ زور سے چنگھاڑی اور اُس کی مہیب آواز سنکر ایک اور ہتھنی جو نہایت زبردست اور یقیناً اُس کی ماں تھی غول سے نکلکر فوراً اُس کی مدد کے واسطے دوڑی آئی۔ اس نئے حملے آور نے بڑھکر ایک بغل والی شکاری ہتھنی کے پیٹ مین اس زور سے مستک ماری کہ وہ گر پڑی اور اُس کے ساتھ وہ گرفتار ہتھنی بھی گری مگر دوسری جانب کی ہتھنیون نے دونون کو خوب سنبھالا ورنہ قلابازی کھا جاتین۔ ایک مہاوت جو گر پڑا تھا جان بچا کے بھاگا مگر پھندے والا اتنے ہاتھیون کے نرغہ مین پھنس گیا تھا۔ وہ نکل نہ سکا۔ جنگلی ہتھنی اُس کو دیکھکر سونڈ اُٹھائے اُس کی طرف جھپٹی کہ ایک ضرب سے اُس کا کام تمام کر دے۔ اور اِس نازک موقع کو دیکھکر ہم سب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے کہ دفعتہً راجہ ہاتھی سے کود پڑے اور ایک ایسا نمونہ بہادری اور دلیری کا ہمارے پیش نظر تھا جو عمر بھر ہم کو یاد رہیگا۔ راجہ ہاتھی سے کود کر ایک سانٹا ہاتھ مین لیے اُس جنگجو ہتھنی کی طرف دوڑے اور تابڑ توڑ اُس کی مستک اور آنکھون پر مارنا شروع کیا۔ مار سے گھبرا کر ایک مہیب آواز کے ساتھ وہ گھوم پڑی اور راجہ پر اپنی سونڈ مارنے کے لیے اُٹھائی جو اگر کہین پڑ جاتی تو پاش پاش کر دیتی۔ مگر وہ بہادر راجپوت اُسی شجاعت اور مردانگی سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور برابر سانٹے رسید کرتا گیا اور ہاتھی کو اشارہ کیا کہ اُس کی سُونڈ مین اپنی سونڈ پھانس لے۔ جونہی دونون زبردست سونڈین ایک دوسرے سے گتھین ہم کو معلوم ہوا کہ گویا دو زبردست حریف ایک رستا کھینچ رہے ہین اور ایک دوسرے کو کھینچ لانے کی جان توڑ کوشش مین مصروف

ہین- یہ منظر لطف اور خطرے سے خالی نہ تھا اور ہم تو کبھی نہ بھولے گا- یہ ہتھنی اپنے
قد و قامت نیز قوت دونون کے اعتبار سے ہمارے ہاتھی سے کہین زیادہ
تھی اور اُس کے زبردست نکیلے دانتون کا مقابلہ ہوتا تو یقیناً وہی جیتتی
مگر اتنے مین دو مضبوط بیڑیان اُس کے پاؤن مین ڈالدی گئین اور ہاتھی گھما
دیا گیا- اِس حرکت سے ہتھنی نے غصہ مین آکر وہ گدی جس پر مین سوار تھا کھینچ کے
زمین پر گرادی اور چاہتی تھی کہ مجکو روندڈالے کہ راجہ کا وہ معجز نما کوڑا پھر
اُس پر پڑنے لگا اور پھندے والون نے دو زبردست رسے اُس کی پیچھی گردن
مین ڈالدیے اور اسی حالت سے اُس کو کشان کشان لیچلے- راستے مین وہ کبھی
گھٹنے ٹیک دیتی اور کبھی ساتھ والے ہاتھیون کو کھینچنے کی کوشش کرتی مگر آخر
مین بےچاری تھک گئی اور ہم لوگ راجہ کے اصرار سے اب اُس طرف چلے
جہان پہلی ہتھنی کو فیلبان ایک مضبوط درخت مین باندھ رہے تھے- اس کے
بعد وہ دوسری بھی ہزار دن دقتون کے بعد ایک درخت مین جکڑ بند کردیگئی
اور ہمارا دلچسپ شکار کامیابی کے ساتھ ختم ہوا- پانچہزار روپیہ ان دونون کی
قیمت تجویز کیجاتی ہے- راجہ نے پھر دوسرے دن بھی مجکو شکار کے واسطے
بلایا لیکن مین نے دوبارہ اپنے تئین ایسے خطرے مین ڈالنا مناسب نہ جانا
اور نہایت شکریے کے ساتھ اُن سے معافی کا خواستگار ہوا- اس پر راجہ
صاحب ہنسے اور فرمایا "کہ آپ صاحب لوگ شکار کے شائق تو بڑے ہوتے
ہین- مگر چھوٹی چڑیون کا شکار آپ لوگون کو زیادہ پسند ہے بلکہ بعض تو جال
مین خوبصورت تتلیان پکڑتے پھرتے ہین- مگر ہمارا خیال شکار کی نسبت بالکل
مختلف ہے- ہمارے نزدیک شکار بغیر خطرے کے لطف ہی نہین دیتا- خطرہ
اس کا جزو اعظم ہے"

حسن کی کرشمہ سازیان

(دیدون ملکۂ سور)

ہم مین بہت کم لوگ ہین جنھون نے "سریانی" زبان کا نام نہ سنا ہو-

شہرون مین "طائر" نام ایک شہر ہے جو اگلے دنون "سُوُر" کے نام سے مشہور تھا۔ یہان قدیم الایام مین ایک قوم آباد تھی جو "فنیقی لوگ" کہلاتے تھے۔ اُنھین لوگون کا دارالسلطنت یہ قدیم شہر سُوُر تھا۔ یہ لوگ بنی اسرائیل کے رقیب اور اُن سے پیشتر سے یہان آباد تھے۔ دنیا مین سب سے پہلے اسی قوم نے تجارت کے ذریعے سے زبردست سلطنت پیدا کی۔ اور جہازرانی مین کمال حاصل کیا۔ اسی قوم اور اسی شہر سُوُر کی قدیم زبان سریانی تھی اور یہین کی ملکہ ڈیڈون تھی جس کا زمانہ حضرت رسالت مآب صلعم سے ۱۴۲۱ برس پیشتر تھا۔

ڈیڈون سُوُر یہ یعنی علاقہ سُوُر کے بادشاہ تقلوس کی بیٹی اور مقام ہرقلیس کے دولتمند کاہن سیتہ کی جورو تھی۔ حسن وجمال مین ملکون مُلکون اُس کا شہرہ تھا۔ اور مروت واخلاق مین اپنی ساری قوم کی سرتاج تھی۔ ڈیڈون کے بھائی پگالیون نے جاہ ودولت کی ہوس مین اُس کے شوہر کو مار ڈالا۔ شوہر کے ماتم مین سوگوار تھی کہ خواب مین دیکھا آنجہانی شوہر آکے کہہ رہا ہے "تم سُوُر چھوڑ کے کہین اور چلی جاؤ"۔ محبت والی جورو کے لیے اتنا اشارہ کافی تھا پہلے پوشیدہ پوشیدہ اپنا تمام قیمتی مال واسباب اور اپنی ساری دولت کرنا نام ایک مقام مین پہونچا دی جو سُور اور صیدا کے درمیان واقع تھا۔ پھر اپنے دوستون اور طرفدارون کو لے کے جہاز پر سوار ہوئی۔ لنگر اُٹھا دیا۔ اور شمالی ہنیقیہ کا رخ کیا۔

اثناے سفر مین جزیرۂ صقلیہ پر گزر ہوا۔ وہان ایک عید کا دن تھا۔ ساحل پر میلا لگا تھا۔ اور شہر کی حسین ونازنین لڑکیان کھیل کود رہی تھین کہ ناگہان مردون نے پری جمالون کے جھرمٹ پر نرغہ کر دیا۔ اور جسے جو لڑکی پسند آئی اس کو بے تکلف پکڑ لے گیا۔ یہ تماشا دیکھ کے ڈیڈون نے یہان سے بھی کوچ کیا۔ اور آگے کی راہ لی۔

اب اُس کے جہاز جزیرۂ صقلیہ کے محاذی ساحل زوجیتا مین پہونچے جو اُن دنون افریقہ کا ایک ساحلی علاقہ تھا۔ یہان کا فرمانروا آیارباس نام ایک بیدارمغز بادشاہ تھا۔ ڈیڈون نے اُس کی قلمرو مین لنگرانداز ہوکے اُس سے ایک قلعہ تعمیر کرنے کی اجازت مانگی۔ آیارباس نے باج گزار بن کے رہنے کا وعدہ لے کے اجازت دیدی۔ اور ڈیڈون نے بصرہ نام ایک قلعہ تعمیر کیا۔ سُریانی قلعہ کو بصرہ

لیے تھے مگر یونانیون نے چند روز بعد بصرہ کو اُن کے برسہ بنا دیا جس معنے اُن کی زبان مین بیل کے چمڑے کے ہین۔

چند روز بعد ڈیدون نے ساحل موریطانیہ (مراکو) پر وہان کے بادشاہ سے ایک قطعۂ زمین مول لے کے اُس پر مشہور تاریخی شہر قرطاجنہ آباد کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ڈیدون قرطاجنہ (کارتھیج) ہی نہین کارتھیج کی زبردست سلطنت کی بھی بانی ہوئی۔

اسی زمانے مین شاہ آیارباس اُس کا عاشق شیدا ہو گیا۔ برضا و رغبت یا بہ جبر و اکراہ اُس سے شادی کرنے پر آمادہ ہوا۔ اور بار بار پیام دینے لگا۔ اِس شاہی پیام کی وجہ سے ڈیدون عجیب مشکل مین پڑ گئی۔ ایک طرف تو اُس نے اپنے آنجہانی شوہر سے قسم کھا کی وعدہ کیا تھا کہ تمھارے بعد مین کسی اور کی نہ ہون گی۔ دوسری طرف بادشاہ وقت پیچھے پڑا ہوا تھا کہ جس طرح ہو سکے میری ملکہ بنو۔ جب اِس تحریک مین اصرار ہوا تو اُس نے مجبوراً نکاح کا وعدہ کر لیا۔ مگر تقریب شادی کا سامان کرنے کے لیے تین مہینے کی مہلت مانگی۔ شاہ آیارباس نے یہ مہلت منظور کی۔ اور ڈیدون بٹنہ لگانے اور شادی کا سامان کرنے لگی۔ یہان تک کہ تین مہینے گزر گئے۔ رعایا کو دھوم کے جلسے دیکھنے اور بادشاہ کو وصال محبوبہ سے شادکام ہونے کا وقت آیا تو مدت معہودہ کے آخری دن ڈیدون ایک بلند پہاڑی پر چڑھ گئی اور اُس کی چوٹی پر کھڑے ہو کے اپنے کلیجے مین خنجر بھونک لیا اور شہر قرطاجنہ کے ساتھ عورتون کی وفاداری کا ایک بے نظیر نمونہ اپنی یادگار چھوڑ گئی۔

ویدون کے حالات بتا رہے ہین کہ وہ کوئی معمولی عورت نہ تھی۔ وہی تھی جس نے سواحل شام سے جا کے شمالی افریقہ مین وہ زبردست سلطنت قائم کی جو مدت دراز تک رومی عظمت و جبروت کی حریف مقابل رہی۔ ہنی بال کے کارنامے اصل پوچھیے تو اسی ویدون کے حسن و جمال اور زلف گرہ گیر کے آخر نمونے تھے جنھون نے دنیا کو اُس شکاری کے تمدن سے بچانا چاہتے تھے جو رومیون کی ترقی سے پیدا ہوا۔ اور جس نے کامیاب ہو کے ساری دنیا کے اخلاق کو غارت کر ڈالا۔

ابو العباس فضل بن یعقوب کی وفات

۲۴۷ھ مین فضل نے بلرم سے روانہ ہوکے پھر شہر سرقوسہ پر حملہ کیا۔ اُس کے اطراف و مضافات کو خوب لوٹا مارا اور قرقنہ کے غارون کی طرف روانہ ہوا۔ سفر کی مشقت اور آب وہوا کی ناموافقت سے راستے مین بیمار ہو گیا۔ اور یہ مرض ایسا جان ستان ثابت ہوا کہ مبتلا ہونے کے تیسری ہی دن ۳ جمادی الآخر کو سفر جہاد سے سفر آخرت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ہمراہیون نے اُس منزل مین اُسے آغوش لحد کے سپرد کر دیا۔ مگر رومیون کو اس سے اس درجہ عناد تھا کہ مسلمانون کے واپس آنے کے بعد جیسے ہی موقع ملا اُس کی لاش زمین سے کھود کے نکالی اور جلا دی۔

ابو العباس بڑا زبردست بہادر اور حوصلہ مند والی تھا۔ گیارہ سال والی رہا۔ اور کوئی سال جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کی کوششون سے خالی نہین رہا۔ جاڑے گرمی برسات ہر موسم مین وہ سلسلہ جہاد جاری رکھتا۔ اُس نے جزیرۂ صقلیہ مین اسلام کی بنیاد مضبوط کر دی۔ اور وہین نہین اپنی فتحون کا سلسلہ اُس نے ملک ایطالیہ تک پھیلا دیا۔ چنانچہ صوبجات قلوریہ (کلبیریہ) اور انکبردہ مین جو قدیم مملکت روم کے صوبے اور اُن دنون حکومت نیپلز کے زیر فرمان تھے اُس نے متعدد شہر فتح کیے۔ اور اُن سب شہرون مین مسلمان خاندانون کو لیجا کے بسایا۔ تاکہ کفرستان مین توحید کی تخم پاشی ہو جائے۔

عبداللہ بن ابو العباس والی صقلیہ

مسلمانان صقلیہ نے اُس کی جگہ اُس کے بیٹے عبداللہ کو اپنا حاکم منتخب کر کے افریقیہ مین اِس کی اطلاع دی۔ اور عبداللہ عنان فرمان روائی ہاتھ مین لیتے ہی جہاد کی تیاریان کرنے لگا۔ اُس مین بھی اپنے باپ کی سی

اولوالعزمی و دلیری تھی۔ فوراً حملون اور یورشون کا سلسلہ شروع کر دیا۔
جبل ابی مالک قلعہ آرمنین اور قلعہ مشارعہ کی طرف اپنی فوجین بھیجین
اور ہر طرف فتحمندیون کی بنیاد ڈالدی۔

خفاجہ بن سفیان والی صقلیہ

عبداللہ پانچ ہی مہینے جوش اولوالعزمی ظاہر کرنے پایا تھا کہ افریقہ
کے دربار بنی اغلب سے خفاجہ بن سفیان سند ولایت لے کے اور امیر
صقلیہ بن کے آپہونچا۔ وہ ۲۴۸ھ مین وارد صقلیہ ہوا۔ اور آتے ہی
عنان حکومت عبداللہ کے ہاتھ سے لے لی۔ یہ بھی بڑا شجاع اور حوصلہ
مند حاکم تھا۔ اور اُس سے بھی بغیر جہاد کے ایک دن بھی خاموش نہ بیٹھا جاتا۔

اُس کے حملے بلاد صقلیہ پر

حاکم صقلیہ ہوتے ہی اُس نے جو پہلا لشکر مرتب کیا اُس پر اپنے
فرزند محمود کو سردار مقرر کرکے سرقوسہ کیطرف بھیجا۔ جہان رومیون نے مضبوطی سے
زمین پکڑ لی تھی۔ محمود نے شہر مذکور کے سامنے پہونچتے ہی اُس کے
گرد نواح کو لوٹا مارا جلایا۔ تباہ و برباد کیا۔ اور سارے علاقے پر
اس قدر دست درازی کی کہ رومیون نے شہر سے نکل کے مقابلہ کیا۔
سخت لڑائی ہوئی جس کے انجام مین رومی شکست کھا کے بھاگے۔
پھاٹک بند کرکے بیٹھ رہے۔ اور محمود اُنھین اسی حال مین چھوڑ کے
واپس چلا آیا۔

اس اثنا مین اہل آرغوس نے خود اپنے نائبون کو بھیج کے
محمود سے امان مانگی۔ اُس نے اُن کو امان دی اور بلرم مین واپس آیا۔
بعض اہل روایت کہتے ہین کہ اہل آرغوس کے امان مانگنے کا واقعہ ۲۵۲ھ مین پیش آیا۔

زیادۃ اللہ بن محمد کی فرمان روائی افریقیہ

خفاجہ کو صقلیہ مین آئے ایک ہی سال ہوا تھا کہ ۱۷ ذی القعدہ ۲۴۹ھ کو حاکم افریقیہ ابو ابراہیم احمد نے ۲۸ سال کی عمر مین سات سال دس مہینے اور بارہ دن حکومت کر کے سفر آخرت کیا۔ اور اس کا جانشین اُس کا بھائی زیادۃ اللہ ابن محمد قرار پا کے افریقیہ اور صقلیہ کی قسمت کا مالک ہو گیا۔

شہر نوطس اور شکلہ فتح ہوئے

۲۵۰ھ مین صقلیہ کا شہر نوطس فتح ہوا۔ یہ زبردست اور ناقابل فتح مقام تھا۔ مگر رعایا پر مسلمانون کی اس قدر ہیبت چھا گئی تھی کہ اُنھین کی دوستی و خیر خواہی مین اپنی فلاح سمجھتے تھے۔ چنانچہ نوطس کے ایک آدمی نے آ کے خفاجہ سے خود ہی درخواست کی کہ اگر میرے حال پر آپ مہربانی کرنے کا وعدہ کرین تو مین آپ کو شہر نوطس مین داخل ہونے کا مخفی راستہ بتا دون۔ خفاجہ نے اُس سے وعدہ کیا۔ چنانچہ اُس کی رہبری سے محرم کے مہینے مین مسلمانون ایک نے اور مخفی راستے سے شہر کے اندر پہونچ گئے۔ اور ناگہان تکبیر کے نعرے لگا لگا کے تلوارین بلند کین۔ دشمنون کو قتل کیا۔ اُن کے مال و اسباب اور اُن کے اہل و عیال کو لوٹا مارا اور پکڑ پکڑ کے لونڈی غلام بنایا۔

ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن اغلب حاکم افریقیہ

اسی اثنا یعنی ۲۵۰ھ مین زیادۃ اللہ حاکم افریقیہ فقط ایک سال حکومت کر کے رہ نورد عالم بالا ہوا۔ اور اُس کا جانشین اُس کا بھتیجا یعنی اُس سے پہلے حاکم افریقیہ کا بیٹا ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن اغلب قرار پایا۔

عہد خفاجہ کی دیگر مہمین

سنہ ۴۵۲ھ مین خفاجہ سیدھا شہر تُوسہ پر گیا جہان کے لوگ کسی طرح اطاعت نہین قبول کرتے تھے۔ مگر بجاے فتح کے اُس کے مضافات اور بیرونی مقامات کو لوٹ مار کے اُس نے جَبل نار (علاقہ کوہ اٹنا) کی راہ لی۔ شہر طبرمین کے قریب پہونچا تو وہان کے لوگون نے خود ہی اپنے وکیلون کو بھیج کے اظہار اطاعت و فرمان برداری کیا۔ اور خفاجہ کو بھی اُن لوگون پر اِس قدر بھروسہ ہو گیا کہ اپنے بیوی بچون اور اہل خاندان کو اُسی شہر مین بھیج دیا تاکہ امن و امان سے وہان ٹھہرے رہین۔ مگر اِن بدعہد لوگون نے اس وقت تو اظہار فرمان برداری کر کے خفاجہ کے بال بچون کو اپنے شہر مین رکھ لیا مگر اُس کے آگے جاتے ہی بغاوت کر دی۔ یہ خبر سُنکے تو خفاجہ نے اپنے فرزند محمود کو زبردست لشکر کے ساتھ بھیجا۔ محمود نے جاتے ہی سختی سے محاصرہ کر لیا۔ اور ایسے زبردست حملے کیے کہ چند ہی روز مین یورش کر کے شہر کو فتح کر لیا۔ اور وہان کے تمام لوگون کو پکڑ کے لونڈی غلام بنا لیا۔ غالبًا تمام لوگون کے پکڑ لینے کی کوئی وجہ نہین ہو سکتی۔ مگر افسوس ہمین یہ پتہ نہین چل سکا کہ امیر خفاجہ کو اپنے زن و فرزند بھی زندہ واپس ملے یا نہین۔ غالبًا اہل شہر نے دغابازی سے اُن کو قتل کر ڈالا ورنہ عرب مورخین اُن کی واپسی کا حال ضرور بتا دیتے۔

اسی سال خفاجہ نے آرغوس پر دوبارہ حملہ کیا۔ جن لوگون نے خود ہی اظہار اطاعت کر کے بدعہدی کی تھی۔ مسلمان والی کی عدم موجودگی مین تو بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ مگر جب زبردست لشکر لے کے وہ سر پر آ پہونچا تو حواس جاتے رہے۔ لڑنے کی کس مین تاب تھی؟ عاجزی سے امن و امان کی درخواست پیش کی۔ اور خفاجہ نے اس شرط پر اُن کی درخواست قبول کی کہ فقط ایک شخص کو جسے وہ بتا دین آزادی دیجائیگی۔

شہر سے نکل جائے۔ باقی اور سب کے ساتھ فاتحون کو اختیار ہے کہ جو سلوک چاہین کرین۔ اہل آرغوس کو زندگی سے اس قدر یاس تھی کہ اِس کو بھی قبول کر لیا۔ چنانچہ اُن مین کا ایک شخص جو غالباً اُن کا سردار و سرغنا ہو گا اپنے اہل و عیال اور اسباب کو لے کے چلا گیا۔ باقی سب لوگ مسلمانون کے لونڈی غلام بنا کے فروخت کر ڈالے گئے۔

اس کے بعد خفاجہ نے غاردن کے علاقے (غالباً کوہ اِتنا کے علاقے) کا رُخ کیا۔ اُن لوگون نے یہ دیکھ کے کہ ہم مین تاب مقاومت نہین ہے صلح کر لی۔ اس کے بعد خفاجہ نے جزیرۂ صقلیہ کے اور بہت سے قلعے فتح کیے۔ یہان تک کہ اپنے سفر جہاد مین بیمار پڑ گیا اور ایسا بیمار کہ مجبوراً بَلَرم مین واپس گیا کہ اطمینان سے بیٹھ کے علاج کرے۔

دوسرا سال یعنی ۲۵۳ھ شروع ہوتے ہی خفاجہ پھر بلرم سے روانہ ہوا۔ اور سیدھا سرقوسہ اور قطانیہ پر پہونچا جہان کا جھگڑا کسی طرح فیصل ہونے ہی کو نہ آتا تھا۔ مگر اب کی بھی یہ مہم پوری نہ ہوئی اس لیے کہ وہ اِن شہرون کے اطراف و جوانب کے گاؤن اور قصبون کو لوٹ مار کے کھیت اور باغ غارت و پامال کر کے۔ اور بہت سے لوگون کو پکڑ کے واپس گیا۔ اور ہر طرف صقلیہ کے بہت سے شہرون پر فوجین بھیجین۔ اُن کو اپنے قبضے مین لایا۔ جا بجا تاختین کین اور لوٹ مار کے بے انتہا مال و دولت جمع کرنے کے ساتھ جزیرے کے بہت سے حصے کو اپنے قبضے مین کر لیا۔

اب ۲۵۴ھ شروع ہو گیا۔ اس سال اُس نے اپنے بیٹے محمود کو جہازون پر سوار کرا کے اور بحری مہمون کا امیر البحر بنا کے روانہ کیا۔ خود ایک اور جانب فوج لے کے گیا۔ اور ایک فوج سرقوسہ پر بھیجی اگرچہ سرقوسہ فتح نہین ہوا۔ مگر ان سب مہمون مین اُس کی فوجین کامیاب ہوئین۔ بے انتہا مال و دولت لوٹ کے اور ہزارون لونڈی غلامون کو لے کے بلرم مین واپس آئین۔

ایک زبردست معرکہ

یہ فوجین متفرق مقامون پر اپنا کام کر رہی تھین کہ خبر آئی قسطنطنیہ سے ایک رومی سردار بہت بڑا زبردست لشکر لے کے آیا ہے کہ اہل صقلیہ کی مدد اور مسلمانون سے مقابلہ کرے۔ خفاجہ فوراً ایک بڑا بھاری لشکر لے کے اُس کے مقابلہ پر گیا۔ اور بڑی بھاری لڑائی ہوئی۔ مسلمانون کی پامردی نے رومی لشکر کو شکست دی۔ اُن کی بہت سی فوج قتل ہو گئی۔ اور جو کچھ ساز و سامان اور مال و اسباب لائے تھے سب مسلمانون کے ہاتھ لگا۔ واپسی کے وقت خفاجہ سرقوسہ کی طرف سے گزرا۔ خوب جی بھر کے اُس کے مضافات و نواح کو پھر لوٹا۔ اور بلرم مین واپس چلا آیا۔

مغربی ایطالیہ پر ایک بحری حملہ

اب کی بلرم مین آنے کے بعد خفاجہ نے ایک بہت بڑا بیڑا تیار کیا۔ پھر فوج منتخب کر کے اپنے بیٹے کو اُس کا سردار اور امیر البحر مقرر کیا۔ اور حکم دیا کہ جا کے شہر غیطہ پر حملہ کرے۔ یہ شہر آج بھی موجود ہے جس کا املا انگریزی حرفون مین "Gaeta" ہے اٹلی کے مغربی سواحل پر شہر نیپلز سے بہت اوپر نیپلز اور رومۃ الکبریٰ کے وسط مین سمندر کے کنارے واقع ہے۔ اس سے پیشتر مسلمان کبھی اتنی دور تک آگے نہیں بڑھے تھے۔ اور اِس شہر تک پہونچ جانے کے معنی یہ ہین کہ وہ قدیم رومی دارالسلطنت رومۃ الکبریٰ کے پاس پہونچ گئے تھے۔

بہرحال محمد بن خفاجہ جہازون پر سوار ہو کے یکم رجب ۲۵۴ھ کو روانہ ہوا۔ غیطہ کے پاس ساحل پر پہونچتے ہی عربی بہادرون نے جہازون سے اُتر کے شہر غیطہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور شہر والون کو شہر پناہ کے اندر بند کر کے چارون طرف فوجین بھیج بھیج کے گاؤن اور مضافات شہر کو لوٹنا شروع کیا۔ اِس طریقے سے مسلمان حملہ آورون نے بے انتہا دولت جمع کر لی۔ اور اُن کے

پاس اتنا سامان دولت جمع ہو گیا کہ اس سے زیادہ بڑھتا تو ساتھ لے آنا دشوار ہوتا۔ چنانچہ ماہ شوال مین بلرم مین واپس آ گئے۔

در اصل مسلمانون سے بن نہ پڑتا تھا کہ اِن ملکون اور شہرون کو جن مین صرف مسیحی آباد ہین قبضے مین لینے کے بعد کیونکر اپنے تصرف مین رکھین۔ اور اُن کے بنائے کچھ نہ بنتی تھی۔ اِدھر فتح کر کے واپس آئے اور اُدھر مسیحی رعایا نے چاہے کیسے ہی مضبوط عہد و پیمان کر چکی ہو پھر بغاوت کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک ایک شہر کو بیس بیس دفعہ اُنھون نے لوٹا مارا۔ اور بعض اوقات ساری رعایا کو لونڈی غلام بنا لیا۔ اور جو ہاتھ آیا اُسے قتل کر ڈالا۔

بہر حال اٹلی پر مسلمانون کا یہ حملہ بھی اگرچہ کلیتہً کامیاب تھا مگر اُس کا کوئی اثر غبطہ مین قائم نہ رہ سکا۔

فتح طبرمین

محمد بن خفاجہ اٹلی کی بحری مہم سے واپس آ کے چند مہینے دم لینے پایا تھا کہ الوالعزم باپ نے دوسرے برس یعنی صفر ۲۵۵ھ مین پھر اُسے صقلیہ کے باغی شہر طبرمین کی فتح پر مامور کیا۔ اور اُس کی وجہ یہ ہوئی کہ وہان کے ایک شخص نے آ کے امیر خفاجہ سے وعدہ کیا کہ اگر آپ اپنے ایک لشکر کو میرے ہمراہ کر دین تو مین وعدہ کرتا ہون کہ ایک پوشیدہ راستے سے اُسے شہر کے اندر داخل کر دون گا۔ خفاجہ نے یہ مہم اپنے فرزند محمد کے سپرد کی۔ ایک لشکر اُس کے ساتھ کیا۔ اور وہ رہبر بھی اُس کے ہمراہ ہوا۔

محمد بہت ہی مخفی طور پر طبرمین کے قریب پہونچا۔ اور شہر کے باہر تھوڑے فاصلے پر کسی مخفی مقام مین ٹھہر گیا۔ اور تھوڑی پیدل فوج مخبر کے ساتھ کی۔ اُس نے اُس فوج کو مخفی راستے سے شہر کے اندر پہونچا دیا۔ جہان پہونچتے ہی عربون نے پہلے شہر کے پھاٹکون پر قبضہ کر لیا۔ پھر نعرۂ تکبیر کے ساتھ تلوارین بلند کین۔ اور قتل و غارت اور گرفتاری و اسیری کی کارروائی شروع ہو گئی۔ لیکن وقت مقررہ پر

محمد بن خفاجہ اور اُس کا لشکر یہ پہونچ گیا - شہر والے مسلمانون کو اُن کی نسبت
تردد ہوا - لوٹ مار سے ہاتھ روک کے اُس کی مدد اور خبرگیری کے لیے
باہر نکلے - اتنے مین وہ بھی آ گیا - اور سب نے بہ اطمینان طبریین مین داخل
ہو کے شہر پر قبضہ کیا ۔

ایک اور مہم اور مسلمانون کی سخت شکست

اسی سال ربیع الاول مین خفاجہ نے ایک اور مہم اختیار کی جس مین
اُس کی اصلی غرض یہ تھی کہ شہر سرقوسہ پر قبضہ کرے - اس سفر مین جب وہ شہر
مرسہ مین پہونچا تو اپنے بیٹے محمد کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ سرقوسہ
پر بھیجا - دشمنون نے شہر سے نکل کے پوری قوت سے مقابلہ کیا - اور ایسی
دلیری و پامردی سے لڑے کہ مسلمانون کو بڑی سخت شکست ہوئی - وہ ہمت
ہار کے بھاگے - دشمنون نے تعاقب کیا - مسلمان بھاگنے مین کثرت سے مارے
گئے - اور جو بچے کمال پریشانی و شکستہ حالی سے خفاجہ کے پاس پہونچے - خفاجہ
کو اُس کا کافی پر بڑا غصہ آیا - اور اپنے پورے لشکر کے ساتھ کوچ کر کے
سرقوسہ پر حملہ کیا - اب کی اُن لوگون کو سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوئی - آخر
مجبور ہو کے خفاجہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا - شہر پناہ کے نیچے پڑاؤ ڈال دیا - اور
باہر سے شہر والون کے تعلقات اِس قدر منقطع کر دیے کہ عیسائی سخت تنگی
اور فقر و فاقہ مین مبتلا ہو گئے - اسی دوران مین گرد و نواح کے تمام گاؤن
مسلمانون نے خوب جی کھول کے لوٹے تاکہ اہل شہر تاؤ مین آ کے نکل پڑین
مگر اُن کو اِس کی جرأت نہ ہونا تھی نہ ہوئی - آخر کار اُن کا جفاکشی کا استقلال
کارگر ہوا - خفاجہ یہان پڑے پڑے اُکتا گیا - اور دل مین یہ کہہ کے کہ پھر
دیکھا جائے گا محاصرہ چھوڑ دیا - اور بلرم کی راہ لی -

انگرکھے یا چپکن وغیرہ کے اوپر اگلے دنون دوشالے کا رواج زیادہ نظر آتا ہے اور یہی شاہی درباروں سے خلعت مین عطا ہوا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ شالی رومال اوڑھنے کا بھی ایک معمولی حد تک رواج تھا۔ یہی دونون چیزین دہلی سے لکھنؤ مین آئین۔ مگر لکھنؤ مین زیادہ رواج رومال کے اوڑھنے کا تھا۔ جاڑون مین اکثر شالی رومال اور سردی کے اوقات مین دوشالہ اوڑھا جاتا۔ لکھنؤ مین دربار قائم ہونے کے بعد جب گرمیون کے لیے لباس مین نفاست ولطافت اور سبکی کو ترقی ہونے لگی تو ابرہ لیٹ اور چکن کے رومال ایجاد ہوے۔ اور تمام سفید پوش شریفون کا یہ لباس ہو گیا کہ سر پہ قالب چڑھی چکن کی چوگوشیہ ٹوپی بدن مین انگرکھا پاؤن مین عرض کے پائنچون کا پاجامہ اور کندھے پر ہلکا چکن یا جالی کا رومال۔ شرفاے لکھنؤ کی یہ پہلی عام وضع تھی جس کو میر انیس مرحوم کا خاندان اُنھین اگلے تکلفات کے ساتھ آج تک نباہ رہا ہے۔

لباس مین سب سے آخری اور بڑی اہم چیز جوتا ہے مسلمانون کے آنے سے پہلے ہندوستان مین جوتے کا مطلق رواج نہ تھا۔ اس لیے کہ چمڑے کے استعمال سے ہندو لوگ مذہبًا احتراز کرتے تھے۔ بلکہ جوتے کے عوض یہان لکڑی کی کھڑاوین پہنی جاتین جو آج کل کے بعض فقیرون اور مرتاض رشیون کے قدیم راجاؤن مین بھی مروج تھین۔ مسلمان اپنے ساتھ یہان محیط لباس کے ساتھ چمڑے کے جوتے بھی لائے۔

مسلمانون کا پہلا جوتا عربون مین فقط ایک چمڑے کا تلہ تھا جو تسمے یا بندھنون کے ذریعے سے پاؤن مین اٹکا لیا جاتا۔ عجمیون اور رومیون کا چمڑے کا موزہ جوتے سے پہلے عرب مین پہونچ گیا تھا۔ پھر جب عربی دربار شام وعراق یعنی روم کے آغوش مین قائم ہوے تو چمڑے کے جوتون کا رواج شروع ہوا۔ مگر وہ پہلے جوتے بظاہر سیدھی سادی زیرپائیان تھے۔ اُنھین کو پہنے ہوے مسلمان ہندوستان مین آئے۔

دہلی کے امرا اور بادشاہ [illegible]

کی کفش نما جوتیان پہنے نظر آتے ہین۔ دہلی کے آخر عہد مین چڑھوان جوتا ایجاد ہوا۔ جس کی ابتدائی وضع یہ تھی کہ آدھا پنجہ اور گٹے سے نیچے تک پاؤن اُس مین چھپ جاتا۔ اُس کے سرے پر چوڑی نوک پنجے پر جھکا کے بٹھا دی جاتی یہ پہلا دِلّی وال جوتا تھا۔ جس کا پچاس سال پیشتر زیادہ رواج تھا۔ اس کے بعد سلیم شاہی جوتا نکلا جو غالباً جہانگیر کے زمانے مین ایجاد ہوا۔ اس کی نوک آگے نکلی اور اُٹھی ہوئی ہوتی اور نوک کا تھوڑا سا باریک سرا اوپر موڑ دیا جاتا۔ ایجاد کے بعد اُس پر کلابتون کا مضبوط کام بننے لگا۔ جو بالکل سچا اور قیمتی ہوتا۔ اگرچہ یہ کام دِلّی وال اور سلیم شاہی دونون وضع کے جوتون پر بنایا جاتا مگر سلیم شاہی جوتے کا بہت زیادہ رواج ہوا۔ اور اُس نے چند روز مین پُرانے دِلّی وال کو مٹا دیا۔ اور اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اب جبکہ انگریزی وضع و قطع نے ہمارے سارے لباس اور ہماری تمام چیزون کو مٹا دیا وہ آج تک باقی اور مقبول عام ہے۔ اور اکثر ہندوستانی وضع پسند کرنے والے وضعدار ہماری سے ہماری لباس پر اُسی کو پہنتے ہین اور فی الحال لکھنؤ مین بھی بہت سے لوگ اُس کو پہنتے ہین۔

مگر لکھنؤ مین بعد شاہی ایک نئی قطع کا خورد نو کا جوتا ایجاد ہوا جس کو یہان کے وضعدارون نے ابتداءً بہت پسند کیا تھا۔ اُس مین نوک بالکل نہ ہوتی۔ بلکہ جو نوک دِلّی وال اور سلیم شاہی مین اوپر نکالی جاتی اُس مین سینے کے بعد اُلٹ کے اندر کر دی جاتی نوک کے پاس فقط ایک ذرا سا اُبھار رہتا۔ یہ جوتے لال نری کے نہایت ہی سبک اور صاف بنائے جاتے اور نفاست و سبکباری کے اگلے مذاق نے اِس کو یہان تک سبک کیا کہ بعض موچیون کے ہاتھ کا جوڑا وزن مین چار پانچ پیسون سے زیادہ نہ ہوتا۔ اگرچہ عوام اور دیہاتیون کے لیے اُسی وضع کے چمرودھے جوتے اتنے بھاری ہوتے کہ سیر سیر ڈیڑھ ڈیڑھ سیر سے کم نہ ہوتے۔ اور پھر کڑوا تیل پلا پلا کے اور بھاری کر لیے جاتے۔

کی طرف توجہ ہوئی پہلے جاڑے گرمیون کے خشک موسم کے لیے کاشانی مخمل کے اور برسات کے لیے کیمخت کے بننا شروع ہوئے۔ اور اس مین کوئی شک نہین کہ بانات کا جوتا نہایت ہی نفیس سادہ سبک اور خوشنما ہوتا کیمخت سبز زنگاری رنگ کا ہوتا جو گھوڑے یا گدھے کی کھال سے بنتا اور اُس مین کھٹل کے خارون کی طرح دانے اُبھار کے پیدا کیے جاتے۔ اور تعریف یہ تھی کہ برسات مین چاہے کتنا ہی بھیگے اُس کے رنگ روپ مین فرق نہ آتا خود کیمخت کے بنانے کا فن اگرچہ باہر سے آیا تھا مگر لکھنؤ مین اُس کے بہت سے کارخانے جاری ہو گئے۔ اور سب جگہ سے اچھا بننے لگا۔

چند روز بعد جوتون کی آرائش مین اور ترقی ہوئی۔ اور سلمے ستارے کے کارچوبی کام کے جوتے بننا شروع ہوئے۔ جن مین مقیش کے پھندنے لگا کے عجب چمک دمک اور آب و تاب پیدا کر دی جاتی۔ اس کے بعد جب جھوٹا سلمہ اور کلابتون اور جھوٹے ستارے ایجاد ہوئے تو جھوٹے کام کے چڑھوین جوتے بننے لگے جو بہت سستے داموں مین عجب بہار دکھادیا کرتے۔

لیکن چڑھوین کے ساتھ ہی ساتھ یہان ایک گھیتلا جوتا مروج تھا۔ جو دراصل پُرانے کفش نما جوتون سے ماخوذ تھا۔ اور عالی مرتبہ امیرون اور اکثر اعلیٰ طبقے کے شریفون مین علی العموم پہنا جاتا تھا۔ دراصل یہی ہندوستان کا پُرانا قومی جوتا تھا۔ اور اُسی کی یادگار حیدرآباد کی چپل اور دیگر مقامات کے دیسی جوتے ہین۔ اور یہی اگلے اہل دربار اور وطنی بزرگان سلف کے پاؤن مین نظر آتا ہے۔ گھیتلے مین اتنی ترقی ہوئی کہ اُس کی نوک بجائے مختصر رہنے کے ہاتھی کی سونڈ کی طرح بہت بڑھا کے اور پھیلا کے نیچے کے اوپر ایک بڑے حلقے کی صورت مین لپیٹ دی گئی۔ یہ جوتا اودھ کے اگلے بادشاہون اور وزرا و امرا سب کے پاؤن کی زینت ہوا کرتا۔ چڑھوین جوتے نے ایجاد ہونے کے بعد اُس کی جگہ لینا شروع کی۔ یہان تک کہ غدر ہوتے ہوتے گھیتلا فقط عورتون کے پاؤن مین رہ گیا۔ جن کے نازک پاؤن کا وہ عام لباس تھا۔ اور مردون کی پوشاک سے وہ بالکل خارج ہو گیا۔

علی کے اتقیا و صلحا خصوصًا مجتہدین کیا مخصوص ہین۔

گھیتلے جوتون کفشون اور اُن پر جو کارچوبی کام بنایا جاتا ہے اُس نے مسلمانان لکھنؤ مین دو خاص پیشے پیدا کر دیے جن پر بہت سے لوگون کی معاش کا دارومدار ہو گیا۔ پہلے تو مسلمان موچی جن کی یہان ایک مستقل قوم اور برادری ہے۔ یہ لوگ سوا گھیتلے جوتے بنانے کے اور کسی قسم کا جوتا بنانا اپنی شرافت کے خلاف جانتے ہین۔ لکھنؤ مین اِن لوگون کے بہت سے گھر تھے اور سب سچے مسلمان سفید پوش اور بمقابل دوسرے ادنے طبقے والون کے ممتاز تھے۔ اور اگلے دنون نہایت فارغ البالی سے بسر کرتے تھے۔ لیکن اب قدیم وضع و لباس کے بدلنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ مردون کے بعد عورتون نے بھی گھیتلا جوتا بالکل چھوڑ دیا۔ اور بازار جو اعلےٰ درجے کے گھیتلے جوتون سے بھرا رہتا تھا اُس مین اب اگر کسی دوکان پر اُس وضع کا ایک آدھ جوڑا مل بھی جاتا ہے تو بہت ہی ذلیل و حقیر پڑا ماندا اور میلا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان موچیون کا گروہ بالکل تباہ ہو گیا۔ اُن کے بیسیون گھر اُجڑ گئے۔ اور جو باقی ہین قعر فنا کے بالکل کنارے ہین۔ لیکن اِن لوگون کی وضع داری کی داد دینا چاہیے کہ لٹ گئے اور تباہ ہو گئے مگر یہ نہ گوارا کیا کہ گھیتلے جوتون کے عوض سلیپر یا بوٹ بنائین۔ اور رفتار زمانہ کا ساتھ دے کے پہلے سے زیادہ ترقی کرین۔

دوسرا گروہ اہل حرفہ جو اُن جوتیون کے صدقے مین پیدا ہوا جوتون کی جھوٹی ادھگیان بنانے والون کا ہے۔ ادھگی کارچوبی کام کے اُن مختلف قطع کے ٹکڑون کو کہتے ہین جو زنانے یا مردانے جوتون پر لگائے جاتے ہین۔ ادھگیان یہان بہت ہی نفیس زرق برق اعلےٰ درجے کی نفیس بنتی تھین جیسی کہین نہ بن سکتی تھین۔ اور اُن کی مانگ اِس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ آبادی کا ایک معتدبہ حصہ اُنھین کی تیاری پر زندگی بسر کر رہا تھا۔ بہر حال گھیتلا جوتون کے فنا ہونے سے اِن دونون گروہون کو

گھرانون مین یا خاص موقعون کے لیے تمام شریف بی بیون مین اعلی درجے کے سلیپر
کا رواج ہے دولتمند گھرانون مین گھتیلہ جوتا چھوڑ کے ٹاٹ بافی (یعنی کارچوبی کام
کے) بوٹ پہننا شروع کیے تھے اُن کے چند ہی روز بعد چمڑے کے بوٹ جو بغیر کھولے
پاؤن سے اُتر سکین پہنے جانے لگے۔ اور اب تو علی العموم پمپ شوز اور جن
لوگون نے پوری انگریزی وضع اختیار کر لی ہے اُن کی بیگمین تو ہر قسم لیڈیز
شوز پہننے لگی ہین۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی سلسلے مین عورتون کے عام لباس کو
بھی بیان کر کے ہم وضع و لباس کی بحث کو ختم کر دین۔

ہندوستان مین عورتون کا قدیم لباس صرف ایک بے سی ہوئی لمبی
چادر تھی جو آدھی کمر سے لپیٹ کے باندھ لی جاتی اور آدھی کندھے یا سر پر ڈال کے
اوڑھ لی جاتی۔ اُس کے ساتھ سینے کا ایک لباس بھی ہندؤن کے پرانے زمانے
سے چلا آتا ہے جو بلندی ہند مین ''انگیا'' اور جنوبی ہند مین ''چولی'' کہلاتا ہے۔
یہ لباس سری کرشن جی کے زمانے مین بھی معلوم ہوتا ہے کہ موجود تھا۔ آخر زمانے
مین چولی اور انگیا کی تفریق یون ہوئی کہ دکھن مین ایک جھولدار پٹی سی پیچھے سے
آگے کی طرف لا کے دونون چھاتیون کے درمیان مین گرہ دے کے یا بوتام
لگا کے کس دیجاتی ہے۔ اور دونون چھاتیان اُس جھول مین کسی قدر اُبھار
کے ساتھ دبی اور کسی رہتی ہین۔ یہی دکھن کی چولی ہے۔ بہ خلاف اِس کے بلندی
ہند مین انگیا یون بنتی ہے کہ پستانون کے مناسب ناپ کے کپڑے کی دو کٹوریان
بنائی جاتی ہین جو دو تین انگل تک باہم سی کے جوڑ دیجاتی ہین اور اُن کے
بالائی کونون پر جالی کی دو چھوٹی چھوٹی آستینین لگا دیجاتی ہین۔ اور اُن آستینون
کے نیچے دونون پہلوؤن پر دو دو بند لگا دیے جاتے ہین۔ اس طرح طیار
کر کے اور دونون ہاتھون کو آستینون مین ڈال کے یہ انگیا پہن لی جاتی ہے۔ آستینین
بہت ہی چھوٹی آدھے بازوؤن سے بھی کم رہتی ہین۔ اور چھاتیون کو کٹوریون
مین ڈال کے پیٹھ پر بند کھینچ کے نیچے اوپر دو بندشین دیدیجاتی ہین۔ بخلاف چولی

کے انگیا چھاتیون کو اصل سے زیادہ ابھار کے نمایان کر دیتی ہے۔

بہرحال یہ پرانا ہندو لباس ہے۔ اور ہم نہین جانتے کہ مرور زمانہ سے اُس مین کیا اصلاحین یا ترقیان ہوئین۔ بادی النظر مین انگیا زیادہ ترقی یافتہ اور بعد کی اصلاح معلوم ہوتی ہے۔

اس کے سوا ہندو زمانے مین عورتون کا اور کوئی لباس نہین معلوم ہوتا۔ سیے ہوے کپڑے اور کرتا پائجامہ مسلمان اپنے ساتھ لائے۔ مسلمانون کی عورتین ملک عجم سے عرض کے ڈھیلے پائچون کے پائجامے پہنے ہوئے یہان آئین جو ٹخنون پر چُنٹ دے کے باندھ دیے جاتے تھے۔ چند روز بعد وہ پائجامے تنگ مہری کے گھٹنے ہو گئے جن کا گھیرا اوپر سے ڈھیلا ڈھالا ہوتا۔ رفتہ رفتہ اُن مین کھنچاؤ کا شوق بڑھتا گیا یہان تک کہ اوپر کا گھیر بھی کم ہو گیا۔ اور پائچون کی مہریان تو اِس قدر تنگ ہو گئین کہ پہننے کے بعد کس کے سی لی جاتین۔ اور اُتارتے وقت مہری کے ٹانکے توڑنے کی ضرورت لاحق ہوتی۔ جیسے پائجامے آج بھی بہت سے شہرون مین مروج ہین۔

لکھنؤ مین مسلمان بیگمون کی وضع ابتداءً وہی تنگ مہری کا کھنچا ہوا پائجامہ سینے پر چھوٹی اور تنگ آستینون کی کھنچی ہوئی انگیا۔ اور پیٹ اور پیٹھ چھپانے کے لیے ایک عجیب و غریب کرتی جو آگے کی طرف اُس حد تک کاٹ دی جاتی جہان تک جسم پر انگیا کا تصرف رہتا۔ اُس مین نہ آستینین ہوتین۔ اور نہ سینے پر اُس کا کوئی حصہ رہتا۔ دو لمبے بندون کے ذریعے سے جو شانون پر سے ہو کے آتے پیٹ اور پیٹھ پر معلق ہوتی۔ اُس کے اوپر تین گز کا چُنا ہوا باریک دوپٹہ جو سر سے اوڑھا جاتا۔ لیکن آخر مین فقط شانون پر پڑا رہنے لگا۔

ہندوستان کے موسم اور مزاجون کی نزاکت نے محرم کرتی اور دوپٹے سب کو روز بروز سبک کرنا شروع کیا یہان تک کہ لاہی کی انگیا اور کریب کے دوپٹے وضعدار امیرزادیون کے فیشن مین داخل ہو گئے۔ نصیرالدین حیدر

پائنچوں کے کلیوں دار پائجامے جو کمر کے پاس بہت ہی تنگ ہوتے اور چوڑائی یعنی میانی خوب کھنچی رہتی علی العموم رواج پا گئے عورتوں کی خاص وضع قرار پا گئے۔ یہ پائنچے آگے کی طرف ایک نفاست و خوش نمائی کے انداز سے ناف کے نیچے گھرس لیے جاتے تاکہ چلنے پھرنے میں زمین پر لوٹ کے خراب اور میلے نہ ہوں۔ غدر کے قریب زمانے یا شاہی کے عہد آخر میں باریک کپڑوں اور آدھی آستینوں کے تنگ شلوکوں کا رواج ہو گیا جو کرتی کے عوض پہلے تو محرم کے اوپر پہنے جانے لگے۔ اور چند روز بعد انھوں نے محرم کی ضرورت بھی اڑا دی۔ مگر اب بھی بہت ہی باریک کپڑوں کے استعمال کیے جانے کی وجہ سے یہ لباس ننگا معلوم ہوتا خصوصًا اس لیے کہ باہیں بالکل ننگی رہتیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شلوکوں کے عوض کسی قدر ڈھیلے کرتوں کا رواج ہونے لگا۔ لیکن اب یکایک کرتوں کی جگہ انگریزی جاکٹ اور باڈس پہنے جانے لگے۔

اب ہر صوبے اور ہر شہر کی وضعوں کا مقابلہ اور اس کے ساتھ باہمی اختلاط ہونے لگا ہے۔ اور بعض مسلمانوں یا خود خاتونوں کو ساری زیادہ خوشنما نظر آنے لگی۔ جس کی وجہ سے لکھنؤ کی عورتیں آدھے کے قریب پرانی وضع چھوڑ کے ساریاں باندھنے لگی ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس میں زیادہ سادگی ہے۔ میں اگرچہ اس کے خلاف نہیں ہوں کہ عورتیں اپنے حسن میں جدت اور تازگی پیدا کرنے کے لیے مختلف لباسوں کو پہنیں۔ اور بمصداق ع ہر لحظہ بوضع دگر آن یار بر آمد۔ نئی نئی دھجوں سے اپنے شوہروں کی دلداری کریں۔ لیکن میں اس کے سخت خلاف ہوں کہ اپنی قومی وضع بالکل چھوڑ دی جائے۔ اور اپنے معاشرتی خصائص فنا کر دیے جائیں۔ ساری ایک غیر مخیط کپڑا اور تمدن انسانی کے بالکل ابتدائی اور غیر متمدن زمانے کی یادگار ہے۔ سادگی بیشک دلکش چیز ہے۔ مگر بہت سی قیدوں اور خصوصیتوں کے ساتھ ورنہ پوری سادگی تو عریانی میں ہے۔ خود لباس فطرت انسانی کو اپنے تکلفن کا جامہ پہناتا ہے۔ اس لیے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ساری میں کیا خاص خوبی و خوبصورتی ہے۔

جس طرح مرد کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ اپنی حسین ترین منکوحہ سے اکتا کے

سے سیر ہو کے دوسری قوموں کی عورتوں کے لباس پر فریفتہ ہو جاتے ہین- مگر خوب یاد رکھیے
کہ جس طرح آپ اُن کے لباس پر فریفتہ ہین اُسی طرح دوسری قوموں کے مرد آپ کی
عورتون کے ترقی یافتہ لباس مین زیادہ دلکشی و رعنائی پاتے ہین- یہ نفسانی خواہشات کا ایک
مغالطہ ہی جو فی الحال آپ کی نظر مین اپنی عورتون کے لباس کو معیوب ثابت کر کے
بار بار ملک مین یہ بحث پیدا کراتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانون کی بی بیون کے
لیے مناسب لباس کیا ہے-

ہم اِس مسئلہ پر اچھی طرح بحث کرتے اگر ہمین یقین ہوتا کہ خالص
عورتون کی اخلاقی و معاشرتی اصلاح کی غرض سے یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے- دراصل
یہ مسئلہ اُسی تقاضاے طبع سے پیدا ہوا ہے جس نے نوجوانون کو کوٹ پتلون پہنایا-
ہیٹ سے اُن کے سرون کو زینت دی- اور سوا رنگت کے اُن مین کوئی
اپنی چیز نہین باقی رکھی- لہذا ہم کو یقین ہے کہ یہ مسئلہ فقط اِس جوش مین پیدا
ہوا ہے کہ مردون کی طرح عورتین بھی انگریزی لباس اختیار کرین- ہم خوب
جانتے ہین کہ اس بارے مین لکھنا پڑھنا اور کہنا سننا سب بیکار ہے- اِس لیے
کہ جب تک انگریزی سایے اور سگرٹ اور بانٹ (انگریزون کی ٹوپی) پہننے
کا فیصلہ نہ کر دیا جائے گا ہمارے مصلحان معاشرت اور نقال موجدان فیشن کو چین
نہ آئے گا- اس کے سوا اور چاہے کیسی ہی اچھی اصلاح و ترمیم کیجائے گی اُن کا
اطمینان نہ ہوگا-

غرض اِس انجام کو سوچ کے اس بارے مین اخبارون اور رسالون
کے صفحے سیاہ کرنے کا کوئی نتیجہ نہین-

خریداران مورخ! آپ کا حساب جولائی سنہ ۱۶ سے شروع ہوا تھا اور جون سنہ ۱۷ مین سال پورا ہو گیا-
جولائی سنہ ۱۷ سے نئی جلد شروع ہوتی ہے- جس مین تاریخ ارض مقدس کی تیسری کتاب "تاریخ عرب"
شروع ہوگی- اور یقین ہے کہ مسلمانون کے لیے نہایت دلچسپ ثابت ہو- جولائی سنہ ۱۷ کا مورخ ایک ہفتہ مین
خریدارون کی خدمت مین صہ روپیہ وی پی حاضر ہوگا- سب حضرات اس کو قبول فرمانے کے لیے تیار رہین- بلکہ کتنی قدر
اپنی طبیعت پر جبر گوارا کر کے اس کی اعانت فرمائین تاکہ یہ تاریخی لٹریچر کا رسالہ جاری رہ سکے- لیکن اگر کوئی صاحب کسی

ملک چین ایک ہزار سال پیشتر

چین مین آج کل مسلمانون کی کئی کرور آدمیون کی تعداد بتائی جاتی ہے۔
مگر اس کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ مسلمان وہان کب اور کس عہد مین پہونچے۔ خود مسلمانان
چین کا دعوی ہے کہ اُن کی ہدایت و تعلیم کے لیے ایک صحابی رسول اللہ قرن اول
ہی مین وہان پہونچ گئے تھے۔ جن کی قبر اسوقت تک زیارت گاہ عام و خاص ہے۔
اگرچہ ہمارے کتب آثار و سیر مین ایسے کسی صحابی کا پتہ نہین لگتا۔ لیکن ممکن ہے کہ
ایسے کوئی محترم صحابی ہون جن کے حالات سے ہم محروم رہ گئے ہون۔ لیکن چین
مین اُسی زمانے مین اسلام کے پہونچ جانے مین کوئی شک نہین اس لیے کہ ہمین
اپنی تاریخون سے آج سے ایک ہزار ستر برس پہلے چین مین مسلمانون کے بکثرت
موجود ہونے کا حال بخوبی معلوم ہوتا ہے۔

علامۂ ابن اثیر ۲۴۲ھ کے حالات کے سلسلے مین بیان کرتے ہین کہ اس
سال ملک چین مین ایک مجہول الحال شخص نمودار ہوا جس نے سلطنت کی مخالفت مین
جھنڈا بلند کیا اور اکثر متفنی اور بدمعاش لوگ اُس کے ساتھ ہو گئے۔ خاقان چین نے اُس
کے حالات سنے مگر اُسے حقیر و ذلیل سمجھ کے پروا نہ کی اور اُس نے موقع پا کے اپنی
قوت بہت بڑھالی۔ اور ہر طرف سے شریر و فتنہ جو لوگ آ آ کے اُس کے جھنڈے
کے نیچے جمع ہونے لگے۔ جن کو ساتھ لے کے اُس نے ملک مین لوٹ مار شروع کر دی
اور اُس کے دست تظلم سے سارا ملک چیخ اُٹھا۔ یہان تک کہ اُس نے آ کے خاص
دارالسلطنت خانقوا کا محاصرہ کر لیا۔ یہ غالباً پیکن کا قدیم نام ہے۔ یہ بڑا زبردست
اور مضبوط شہر ہے۔ اور بڑے بھاری دریا کے کنارے آباد ہے۔ جس مین مسلمانون

نصرانیون یہود اور مجوس کا ایک عالم کثیر آباد ہے - جو سب خاص چین کے باشندہ ہین -

جب اس باغی نے خاص دار السلطنت کا محاصرہ کیا تو شاہی لشکر نے اُس سے مقابلہ کیا - مگر فاش شکست کھائی - میدان چھوڑ کے بھاگے - باغیون نے شہر پر لڑ بھڑ کے قبضہ کر لیا - اور بے شمار اہل شہر اُن جفا کیشون کے ہاتھ سے مارے گئے -

خاقان چین اپنا دار السلطنت دشمنون کے ہاتھ مین چھوڑ کے ایک اور شہر مین چلا گیا - اور دشمنون نے کوشش کی کہ بڑھ کے اُس شہر کا بھی محاصرہ کر لین - آخر خاقان نے لشکر جمع کر کے اِس مجہول الحال دشمن سے مقابلہ کیا - اور برابر ایک سال تک لڑائی ہوتی رہی لیکن انجام پھر یہی ہوا کہ خاقان میدان چھوڑ کے بھاگا - اور دشمن نے تعاقب کیا - یہان تک کہ خاقان بھاگتے بھاگتے اپنی قلمرو کے ایک سرحدی قلعے مین داخل ہو کے قلعہ بند ہو گیا - اور باغی دشمن اکثر صوبون اور بڑے بڑے شہرون پر متصرف ہو گیا -

لیکن باوجود ان سب فتحون اور کامیابیون کے اِس سرکش باغی کو یقین تھا کہ چاہے کچھ ہو مین نہ خاقان چین بن سکتا ہون - اور نہ تاج و تخت مجھے نصیب ہو سکتا ہے - اِس خیال سے اُس نے سارے ملک کو جی کھول کے دونون ہاتھون سے لوٹنا شروع کر دیا - اور سلطنت کے تمام شہرون اور خزانون پر اب وہی قابض تھا -

خاقان چین کو سب طرف سے یاس ہوئی تو اُس نے راجگان ہند سے مدد مانگی - اُنھون نے اِس نازک موقع پر اُس کا ساتھ دیا - اور اپنے زبردست لشکر اُس کی کمک پر بھیجے - ان ہندی فوجون نے جا کے اُس عجیب و غریب باغی کی روک تھام شروع کی - اور ایک سال تک پھر میدان جدال و قتال گرم رہا - اسی اثنا مین خبر آئی کہ وہ گمنام باغی جس نے یہ اندھیر مچا رکھا تھا - یک بیک غائب ہو گیا - اور اُس کی فوجین بے سر رہ گئین - اس شخص کی نسبت طرح طرح کی افواہین مشہور تھین - کوئی کہتا کہ دریا مین ڈوب گیا - کوئی شخص کسی غنیم کا کچھ اور قصہ بیان کرتا - اور کوئی کہتا کہ لڑائی مین مارا گیا - مگر ثبوت کسی

اُس کے غائب ہوتے ہی خاقان نے حملے شروع کیے۔ اور چند ہی روز مین باغیون اور سرکشون کو شکستین دے دے کے ملک پر قبضہ پا سکا۔ اس لیے کہ ہر صوبے کو کوئی جداگانہ شخص دبا بیٹھا۔ اور مملکت چین کی وہی حالت ہو گئی جو سکندر کے حملے کے بعد ملوک طوائف یا عجمی طوائف الملوکی کے عہد مین دولت ایران کی ہو گئی تھی۔ خاقان نے اِس حالت مین اسی کو غنیمت جانا کہ اِن تمام متغلب حکمرانان صوبجات نے اُس کی فرمان بر داری و اطاعت کا وعدہ کر لیا۔ چنانچہ مدت دراز تک ملک چین کی یہی حالت رہی۔

شاہان چین فغفور کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے جس کے معنی "آسمان کا فرزند" ہین۔ اِس کا مقصد یہ تھا کہ وہ خدا کی جانب سے اُن کے تاجدار و حکمران مانے جاتے۔ اور دیوتا سمجھ کے اِن کی پرستش کی جاتی۔

ایک زنانی خانقاہ اسلام

عسائیون مین اُن کی نفس کش اچھوتیون کی بدولت قدیم الایام سے زنانی خانقاہون کا رواج چلا آتا ہے جو قرون وسطیٰ مین عجیب و غریب اسرار کا مرکز تصور کیجاتی تھین مگر اسلام مین تصوف و رہبانیت کے پیدا ہونے کے بعد اگرچہ ہر اسلامی شہر اور اکثر قریون تک مین عظیم الشان خانقاہین بن گئین مگر مسلمانون مین کسی زنانی خانقاہ کا ذکر لوگون نے شاید ہی سُنا ہو گا۔ لیکن ایک نیک اور پارسا شاہزادی کی فیاضی سے قاہرہ مصر مین ایک بہت ہی مشہور و مقبول عام زنانی خانقاہ قائم ہو گئی تھی جو ۶۸۴ھ ہجری سے ۸۰۶ھ یعنی ۱۲۲ سال تک موجود رہی۔ اُس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔

مصر و شام مین صلاح الدین اعظم کی وفات کے بعد سے طوائف الملوکی ہو گئی۔ اُس کے بیٹے ۱۶۰۵ اور سرداران فوج جُدا جُدا شہرون کے فرمانروا بن گئے۔ جن مین ہمیشہ لڑائی رہا کرتی اور کوئی کسی کا دوست نہ تھا۔ جس کا

انجام یہ ہوا کہ آخر سلطنت خاندان ایوبی یعنی صلاح الدین کے گھرانے سے نکل کے
فرمان روایان مصر کے پروردہ غلامون کے ہاتھ مین آگئی۔

چنانچہ ۶۵۸ھ مین سیف الدین قطز نام ایک سردار نے ملک پر قبضہ
کر لیا۔ اور اپنا لقب الملک المظفر قرار دیا۔ اُنھین دنون دنیا مین تاتاریون کا
سیلاب آیا ہوا تھا۔ وہ لوگ بغداد کو تباہ کر کے ملک شام مین پہونچے تو اسی
ملک المظفر نے مصر سے جا کے اُنھین ایسی زبردست شکست دی کہ اسی لڑائی سے
اُن کا زور ٹوٹ گیا۔ اُنھین بھگا کے ملک المظفر مصر مین آیا تو قصر شاہی ایک
منزل باقی تھا کہ نامور اور بہادر و منتظم شاہی غلامون مین سے رکن الدین
بیبرس بند قداری نے اُسے قتل کر ڈالا۔ اور سب نے اُسی کو تخت پر بٹھا دیا۔
جو الملک الظاہر کا لقب اختیار کر کے فرمان روائے مصر ہو گیا۔

یہ فرمان روا اگرچہ اصل مین غلام تھا مگر نہایت ہی منتظم اور بہادر
تھا۔ اُس نے تخت و تاج پر قبضہ پاتے ہی سارے مصر و شام کو اپنی قلمرو مین
شامل کر لیا۔ شام سے بڑھ کے رومی علاقے کے بعض مقامات فتح کیے صلیبیون
کو شکستین دین اور ایسا نام پیدا کیا کہ لوگون کو صلاح الدین اعظم کا زمانہ یاد آگیا۔
اور ساری دنیائے اسلام اُس کے نام کا ادب کرتی تھی۔

ان فتوحات کے ساتھ وہ بڑا دیندار بھی تھا چنانچہ عابد و زاہد متصوفین
کے رہنے کے لیے اُس نے ایک عالیشان خانقاہ بنائی جو خانقاہ بیبرس کے نام سے صدیون
تک اہل زہد و تقویٰ اور صاحبان حال و قال کا مرجع و ماویٰ بنی رہی۔

مگر اُس کی اِس سے بھی زیادہ قابل یادگار برکت اُس کی دیندار بیٹی
تذکار بائی خاتون کے ہاتھون سے اُس کی وفات کے بعد دنیا کو نظر آئی۔
جس سے ہماری مراد یہی "زنانی خانقاہ" ہے جس کا حال ہم اِس مضمون مین
بیان کرنا چاہتے ہین۔

اس شاہزادی کے نام مین "بائی" کا لفظ دیکھ کے اکثر لوگون کو حیرت
ہو گی۔ معزز شاہزادیون اور بیگمون کے نام کے ساتھ یہ لفظ جنوبی ہند مین
مدت ہائے دراز سے چلا آتا ہے۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ہندی الاصل

پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ پہلے مصر و عرب مین پیدا ہوا- اور عرب مسلمانون کے ساتھ سواحل ہند پر آیا-

تندکار بائی خاتون کی نسبت مورخین کہتے ہین کہ بڑی نیک بیوی تھی- باوجودیکہ آغوش سلطنت مین پرورش پائی مگر بڑی عابدہ وزاہدہ تھی- اور نہایت ہی متقی و پرہیزگار- اس کے ساتھ مخیر و فیاض ہونے مین مصر مین کوئی اُس کا مماثل نہ تھا- جہان کسی متقی و پرہیزگار اور عالم و درویش کا نام سُن پاتی اُس کی خدمتگذاری کو موجود رہتی- خصوصاً عابدہ وزاہدہ عورتون اور دیندار و پاکدامن بیویون کی تو وہ عاشق تھی- جہان تک ممکن ہوتا اُن کی مدد کرتی- اور پاکدامن و بیکس خاتونون کا ایک بڑا بھاری گروہ اُس کی فیاضی پر زندگی بسر کر رہا تھا-

چنانچہ اسی شوق مین اُس نے دیندار اور نکوکار بیویون اور تارک الدنیا خاتونون کے رہنے کے لیے ایک عالیشان خانقاہ بنوا دی جو رباط بغدادیہ اور رواق بغدادیہ کہلاتی- اور خانقاہ بیبرس کے قریب قاہرہ کے محلہ دب اصفر مین عین بازار کی جگہ واقع تھی-

علامہ مقریزی اِس خانقاہ کے حالات مین لکھتے ہین "اس خانقاہ کو خاتون محترم سیدہ تندکار بائی خاتون ملک الظاہر بیبرس کی بیٹی نے ۸۴ھ مین تعمیر کرایا تھا"

بیبرس نے ۷۶ھ مین وفات پائی اس سے پتہ چلتا ہے کہ دیندار بیٹی نے باپ کی وفات کے آٹھ سال بعد اُسے قائم کیا-

اور اُس کے قائم کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اُن دنون مصر مین ایک بڑی مشہور و ممتاز بیوی زینب بنت ابوالبرکات تھین جو ولیہ بے ہمتا اور مرشدہ صاحبہ دل تسلیم کیجاتین- یہ ولیہ "بنت بغدادیہ" کے لقب سے مشہور تھین تندکار بائی کو اُن سے بڑی عقیدت تھی اِس لیے کہ اُن کی وجہ سے سارے مصر کی عورتون مین دینداری اور زہد و تقویٰ کا چرچا ہو گیا تھا- وہ دراصل

بغدادیہ رہتی تھین اور اندیشہ تھا کہ [illegible] بھی
جائین۔ بس اسی خیال سے اور محض اُن کے روکنے کے لیے تنکز کا رائی نے
اپنی یہ زنانی خانقاہ تعمیر کرائی۔ اور اُس مین اُن ولیۂ محترمہ بنت بغدادیہ کو مع
اُن کی مرید و معتقد خاتونون کے لا کے رکھا۔ اور اُنھین کی وجہ سے اس خانقاہ
کا نام رباط یا رواق بغدادیہ پڑ گیا۔

ولیۂ زینب کے ساتھ خانقاہ مین بہت سی عابدہ و زاہدہ عورتین
رہنے لگین اور ولیۂ ممدوحہ کے بعد کوئی اور نیک بیوی اُن کی جانشین ہوئی۔
اور اِس کے بعد یہ سلسلہ جاری ہو گیا کہ جب ایک شیخہ و مرشدہ کا وصال
ہوتا تو اُس کی سجادہ نشین کوئی اُس کی مرید بی بی ہو جاتی۔ جس کا کام
یہ ہوتا کہ مصر کے زنان خانون مین جا کے بی بیون کو دینداری اور اخلاق کی تعلیم دیتی۔ گھر گھر
مین دینداری کا چرچا کرتی۔ اور شہر کی عورتون کو جب کوئی دینی یا معاشرتی مشکل پیش آتی
تو وہ فوراً اِس خانقاہ مین دوڑی آتین۔ اور یہان کی نیک مرشدہ اور دیندار
بہنون سے تسلی و تشفی کے ساتھ اطمینان بخش مدد پاتین۔ بہت سی بیواؤن اور شوہر
کی ستائی ہوئی مظلومہ خاتونون کی جائے پناہ یہی خانقاہ تھی۔

اس خانقاہ کی بعد والی مشہور زمانہ سجادہ نشین اور مرشدہ محدثۂ و فقیہہ
بے ہمتا زینب بنت فاطمہ بنت عباس بغدادیہ تھین اُن کی عمر اسّی برس سے زیادہ
ہوئی۔ اور ذی الحجہ ۷۴۱ھ مین اُنھون نے سفر آخرت کیا۔ وہ بہت بڑی عالمۂ و فاضلہ
اور لاجواب عابدہ و زاہدہ تھین بہت ہی تھوڑے پر قناعت کرتین۔ اور
ہمیشہ نفع رسانی خلق مین مصروف رہتین۔ ہر دم یاد الٰہی مین مشغول نظر آتین
اور جو کچھ کرتین خدا کے لیے کرتین۔ دل مین خلوص اور خدا کا خوف تھا شرع
شریف کی پوری پوری پابندی کرتین۔ اور بے نظیر واعظہ تھین۔ امرائے مصر کے
گھرون مین اِن کی وجہ سے وعظ کی زنانی محفلین ہوتین۔ اور اُن مین جا کے وہ
اس خوبی سے وعظ کہتین کہ عورتون پر اُن کی معجز بیانی کا بے انتہا اثر ہوتا۔ وہ
تمام بیویون مین مقبول عام تھین۔ اور ہر دل مین اُن کی جگہ تھی۔ دمشق و مصر
کی ہزارون عورتون نے اُن کی ذات اور اُن کے علم و فضل سے بے انتہا فائدہ

یہ مرشدہ بیوی چونکہ عوام مین "بغدادیہ" کے لقب سے مشہور تھین
اس لیے اُن کے بعد سے معمول ہو گیا کہ جو خاتون اُن کی جانشین اور اس زنانی
خانقاہ کی شیخہ و مرشدہ قرار پاتی وہ بھی "بغدادیہ" ہی کہلاتی - آخری بغدادیہ جنھون
نے اس خانقاہ مین نہایت ہی نیکنامی کے ساتھ زہد و تقوی کی زندگی بسر کی بڑی
ہی نیک بیوی تھین علامۂ مقریزی نے اُن کی شہرت کا زمانہ اپنی آنکھون سے دیکھا تھا -
اور لوگون کو اُن کے روحانی کمال اور زہد و تقوی کا از حد معتقد پایا تھا - ان
آخری بغدادیہ نے ۲۲ جمادی الاخری ۷۹۶ھ کو وفات پائی - اور اُن کے بعد
سے اس خانقاہ کی انتظامی حالت مصر کی پولیٹکل حالت بگڑنے کے باعث روز بروز
ابتر ہوتی گئی یہان تک کہ جب ۸۰۶ھ کے ہنگامے شروع ہوئے تو یہ زنانی خانقاہ
بالکل تباہ و برباد ہو گئی اس لیے کہ شورش پسندون اور خصوصاً اس محلہ والون
نے جس مین یہ خانقاہ تھی اِس بات کی مطلقاً ممانعت کر دی کہ زاہدہ و عابدہ
عورتین اس کی چار دیواری مین رہین - یا زمانے کی ستائی ہوئی بیویون کا
کوئی امن دنیا مین باقی رہے - چنانچہ یہ خانقاہ بالکل اُجڑ گئی - اور اُسکے کھنڈرون
پر جو دربِ اصغر کے پھاٹک کے قریب تھے بڑے بڑے وسیع بازار قائم ہو گئے - جس سے
اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ خانقاہ کتنی بڑی تھی - اور کتنے رقبہ پر حاوی تھی -

علامۂ مقریزی لکھتے ہین "ہم نے خود بھی اپنی آنکھون سے اِس خانقاہ کو
دیکھا - اِس مین وہ عورتین آکے اقامت گزین ہوتی تھین جن کو شوہرون
سے طلاق مل جاتی یا اُن کے شوہر وا عزہ اُنھین چھوڑ دیتے - یہان جب تک
کوئی اُن کا خبر گیران اور مدد و معاون نہ پیدا ہو وہ نہایت امن و قناعت کے
ساتھ اپنی زندگی زہد و تقوی اور عبادت مین بسر کرتین - اس کے حجرون
مین عزلت گزین ہو کے نفس کشی کرتین - گناہون سے بچتین - اور شب و روز
عبادات و وظائف مین مشغول رہتین"

مین سمجھتا ہون بے حمیت شوہرون کی وجہ سے ہندوستان
کے ہر بڑے شہر کو ایسی زنانی خانقاہون کی ضرورت ہے - حضور عالیہ بیگم صاحبہ

بھوپال دام اقبالہا جو مسلمان بی بیون کے لیے فرشتۂ رحمت بن کے دنیا مین آئی ہین اِس ضرورت کی طرف توجہ فرمائین"

حسرت موہانی کا تیسرا دیوان

شہید وطن سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی کی بیگم صاحبہ جس مردانہ اولوالعزمی سے شوہر کی وفاداری کے ساتھ ملک کی قومی و ادبی خدمتین انجام دے رہی ہین نہایت ہی قابل داد ہے۔ اسلام کی پچھلی صدیون مین ایسی ایک بیوی بھی نہ نظر آئے گی جس نے اِس دلیری و ہمت سے قسمت کی بے رُخیون کو برداشت اور جفا شعار زمانے کا مقابلہ کیا ہو۔ بیگم صاحبہ ممدوحہ کے اِس جوانمردانہ استقلال کی داد دینا ہر مسلمان اور ہر ہندی نژاد کا فرض عین ہے۔ اور سچی داد یہ ہے کہ اُن کی اشاعتون کی مربی گرمی اور اُن کی علی کتابون کی نہایت فیاضی کے ساتھ خریداری کیجیے۔ فی الحال بیگم صاحبہ نے اپنے فدائے وطن شوہر کا تیسرا دیوان شائع کیا ہے جو ۱۸×۲۲ تقطیع کے ۲۸ صفحون پر ختم ہوا ہے۔ اور بہ لحاظ کاغذ و روشنائی کی گرانی اور چھپائی کی بے حد دشواریون کے غنیمت چھپا ہے۔ اور قیمت مع محصولڈاک ۳؍ رکھی گئی ہے۔ وی۔ پی۔ ۴؍ مین پہونچ سکتا ہے۔ اور اگر متعدد نسخے ایک ساتھ منگوا لیے جائین تو ڈاکخانے کے مصارف مین بہت کفایت ہو سکتی ہے۔ ہر اُردو دان پر واجب ہے کہ اِس دیوان کو ضرور منگوالے۔ اور حضرت حسرت نے اپنے مصائب و آلام کے عہد مین دُکھے ہوے دل سے جو سحر آفرینیان کی ہین اُن سے لطف اُٹھائیے۔ حسرت کا کلام کوئی معمولی کلام نہین ہے۔ اور حقیقی سوز و گداز نے اُس مین بلا کا اثر پیدا کر دیا ہے۔ لہذا اُس کی قدر دانی کوئی ایسی چیز نہین ہے کہ ایک ذی حس شخص کو چند پیسے خرچ کرنا گران گزرے۔ اور اگر ہندوستان مین ابھی ایسے لوگ باقی ہین جن کو حسرت موہانی کے ایسے صاحب کمال جانباز کا دیوان خریدنا بھی گران گزرتا ہو تو پھر یہ سارا جوش و خروش جس کا غلغلہ بلند ہو رہا ہے ڈھول کی آواز ہے۔ اور ہم گورنمنٹ کی کسی رعایت کے مستحق نہین ہین۔ ہم اپنے تمام احباب اور جملہ دوستان وطن سے امید رکھتے ہین کہ اسی دیوان پر منحصر نہین حضرت حسرت کی تمام کتابون کو بیگم صاحبہ ممدوحہ سے علیگڈھ۔ دفتر اردوے معلے کے پتے پر خط بھیج کے ضرور منگوائین گے"

خفاجہ کی شہادت

سرقوسہ سے واپس جاتے وقت خفاجہ نے مقام وادی الطین مین پڑاؤ ڈالا۔ اور وہان سے یکم رجب ۲۵۵ھ کو راتون رات چلا تو رات کے اندھیرے مین کسی نے عین سرراہ اُسے ایک نیزہ مار کے گرایا اور بھاگ کے شہر سرقوسہ مین ہورہا۔ اس دغاباز قاتل کے دشمنون مین بھاگ جانے سے خیال ہوتا ہے کہ کوئی عیسائی دشمن ہوگا۔ مگر ایسا نہ تھا۔ یہ خود اُسی کی فوج کا ایک مسلمان عسکری تھا جسے کسی خاص وجہ سے عداوت ہوگئی تھی۔ اور آج موقع پا کے اُس نے اپنے دل کا بخار نکال لیا۔ اس کاری زخم کے ساتھ ہی حاکم صقلیہ کی روح پرواز کر گئی۔ اور لاش کو فوج والے حسرت واندوہ سے شہر بلرم مین لے گئے۔ جہان اُسے فوجی کروفر سے آغوش لحد کے سپرد کیا۔ خفاجہ اگرچہ بڑا اولوالعزم اور زبردست حملہ آور تھا مگر اُس کے زمانے مین صقلیہ کے بعض مقامات پر رومیون نے قبضہ کر لیا۔ اور سواحل پر متعدد جگھون مین قلعے اور گڑھیان بھی تعمیر کر لین۔

ایطالیہ کے علاقہ باری پر مسلمانون کا قبضہ

اسی عہد مین جب کہ خفاجہ صقلیہ پر متصرف تھا افریقہ سے مسلمانون کی ایک اور زبردست مہم ایطالیہ پر پہونچی اس مہم کا سپہ سالار بنی اغلب کا غلام حیاۃ تھا۔ اِس فوج کشی کے متعلق مورخین عرب کا بیان ہے کہ "یہان ارض کبیرہ کے نام سے ایک بہت بڑی سرزمین ہے جس کے ساحل تک آفریقہ کے ساحل برقہ سے جہاز پندرہ دن مین پہونچتے ہین۔ حیاۃ اُس کے ساحلی شہر بارہ پر پہونچ کے لنگرانداز ہوا۔ اسی شہر بارہ کو اہل ایطالیہ "باری" کہتے ہین جو آج تک اٹلی کے مشرقی

ساحل پر برنڈزی کے شمال مین واقع ہے۔ بہرحال حبات نے یہان لنگر ڈال کے حملہ کیا۔ مگر کامیاب نہ ہوا۔ تب خلفون بربری نے جو ربیعہ کا غلام کہا جاتا ہے دوسری فوج سے آ کے حملہ کیا۔ اور شہر باری کو فتح کر لیا۔ خلفون کی کامیابی سے مسلمانون کو اِس سرزمین پر قدم ٹکانے کی جگہ مِل گئی تو ایک تیسرے حملہ آور مفرج بن سالم نے نئی فوج لا کے اسلامی حدود و قلمرو کو یہان وسیع کرنا شروع کیا۔ یہان تک کہ اُس نے ۲۴ قلعہ فتح کیے اور اُن سب پر قابض ہو گیا۔ اور اٹلی مین ایک اچھی خاصی اسلامی سلطنت قائم کر لی۔ جہان بہت سے مسلمان افریقہ سے جا کے آباد ہو گئے۔ اور بہت سے خاص وہان کے نومسلم تھے۔ مسلمانون کی کثرت دیکھ کے مفرج نے والی مصر کو اپنے فتوحات کی خبر دی۔ اور لکھا میری اور میرے ہمراہیون کی نماز جب تک کوئی امام نہ مقرر کیا جائے نہین ہو سکتی۔ مین چاہتا ہون کہ جو شخص یہان امام مقرر کیا جائے اُسے مین یہان کے نظم و نسق کا بھی ذمہ دار بنا دون تا کہ لوگ مجھے سرکش اور متغلب نہ خیال کرین۔ اس مراسلت کے نتیجے مین معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فقیہ امام مقرر ہو کے باری مین گیا جس کے لیے مفرج نے اٹلی مین ایک جامع مسجد بنائی۔ مگر اس پر بھی وہ الزام سے نہ بچا۔ اس لیے کہ اُسی کے ساتھیون نے خروج کر کے اُسے مار ڈالا۔

اٹلی مین اس حکومت عرب کی قدیم مسیحی تصدیق

ایک مسیحی راہب برنارڈ عاقل ۲۵۲ھ مطابق ۸۶۶ء مین یہان آیا تھا۔ وہ اپنے سفرنامے مین لکھتا ہے ”مین کوہ گرگانو سے سفر کر کے اور ۱۵۰ میل کی مسافت طے کر کے باری نام ایک شہر مین پہونچا جو مسلمانون کے قبضے مین ہے۔ یہ اس سے پہلے علاقہ بنی ونٹم مین شامل تھا۔ یہ شہر سمندر کے کنارے ہے اور جنوب کی جانب یکے بعد دیگرے دو بہت ہی چوڑے آستار کی فصیلون سے اس کی قلعہ بندی کی گئی ہے۔ مگر شمال کی جانب سمندر

سے آنے والون کے سامنے کھلا ہوا ہے - یہان کے حاکم نے جو سلطان کہلاتا ہے ہمارے سفر کے ضروری انتظامات کر دیے - اور دو خطوط دیے جن مین ہمارے اچھے چال چلن کی تصدیق کی تھی - اُن مین ہمارا حُلیہ درج تھا اور ہمارے سفر کی غرض بھی بتائی تھی - اِن دونون خطون مین سے ایک حاکم اسکندریہ کے نام تھا اور دوسرا فرمان رواے بابل کے نام (بابل سے اُن پادری صاحب کی مراد مصر کا شہر فسطاط ہے جو اُن دنون بابل مصر ہی کے نام سے یورپ مین مشہور تھا -)

یہ سب حکام امیر المومنین کے زیر حکومت ہین جو سارے مسلمانون کا حاکم ہے - اور نگادا (بغداد) مین رہتا ہے جو مقام بیت المقدس کے اُس طرف ہے باری سے ہم شہر طارنٹم (طارنت) کی بندرگاہ مین پہونچے جو وہان سے ۹۰ میل کی مسافت پر ہے - یہان ہمین چھ جہاز ملے جن مین علاقۂ بنی ونٹم کے نو ہزار مسیحی اسیر بھرے ہوے تھے - اِن مین سے دو جہازون مین جنھون نے پہلے روانہ ہو کے افریقہ کی راہ لی تین ہزار قیدی تھے - اُن کے بعد جو دو جہاز لنگر اُٹھا کے ٹونس کو گئے اُن مین بھی اتنے ہی مسیحی اسیر بھرے ہوے تھے باقی ماندہ دو جہاز جو سب کے بعد روانہ ہوے اُن مین بھی اُتنے ہی گرفتاران اٹلی تھے ان دونون نے اسکندریہ کی راہ لی انھین جہازون پر ہم نے بھی سفر کیا - اور ۳۰ دن سفر کر کے وہان پہونچ گئے "

اس بیان پر ٹامس رائٹ اسکوائر نے (جن کی زیر تصحیح و تہذیب یہ سفرنامہ چھپا ہے) یہ نوٹ چڑھایا ہے "مسلمانون نے اس صدی (نوین صدی عیسوی) کے ابتدائی حصہ مین باری مین اپنا قدم جما لیا تھا - اور اُن دنون ساحل اٹلی پر یہی شہر اُن کی قوت کا مرکز تھا - علاقۂ بنی ونٹم کے اندرونی شہرون پر جب مسلمان متواتر حملے کرنے لگے تو ۸۷۱ء مین شہنشاہ لوئی ثانی نے ایک زبردست لشکر جمع کر کے اُن پر حملہ کیا - اور چار سال کے محاصرے کے بعد باری کو مسلمانون سے چھین لیا - باری کو فتح کر کے وہ خود تو شہر بنی ونٹم مین چلا گیا مگر اُس کی فوجون نے جا کے شہر طارنٹم کا محاصرہ کر لیا - لیکن اُس شہر کو یہ

لوگ اُس وقت نہین فتح کر سکے۔

جن مسیحی اسیرون کا ذکر برنارڈ نے کیا ہے اور جو افریقہ و مصر مین غلامی کے لیے بھیجے جاتے تھے وہی تھے جو علاقہ بنی ونٹم پر تاختین کر کے مسلمانون نے پکڑے تھے۔ اُن کی جو تعداد برنارڈ نے بتائی اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُسی طرح ٹھونس ٹھونس کے جہازون مین بھر دیے جاتے تھے جس طرح حبشی غلام بھرے جاتے ہین۔"

خفاجہ کے بیٹے محمد کی جانشینی

امیر خفاجہ کے مارے جانے کے بعد صقلیہ کے سرداران فوج نے اُس کے الوالعزم فرزند محمد کو اپنا حاکم بنایا۔ اور اِس جانشینی کی اطلاع افریقہ کے حاکم محمد بن احمد کو کی۔ اُس نے اُن کی درخواست قبول کی۔ محمد بن خفاجہ کی جانشینی کو منظور کیا۔ اور خلعت سرفرازی کے ساتھ سند ولایت صقلیہ بھی اپنے مہر و دستخط سے مزین کر کے بھیج دی۔

جزیرۂ مالطہ (مالٹا) پر عربون کا قبضہ

افریقہ سے خلعت و سند امارت ملنے کے بعد ۲۵۶ھ مین محمد بن خفاجہ نے اپنا بحری بیڑا جزیرۂ مالٹا پر بھیجا۔ اس جزیرے کو رومی جہاز گھیرے ہوے تھے۔ اور اُس پر قبضہ کرنے ہی کو تھے کہ اُنھین صقلیہ کے اسلامی بیڑے کے آپہونچنے کی خبر ہوئی۔ فوراً اُس جزیرے کا محاصرہ چھوڑ کے بھاگ گئے۔ اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جزیرۂ مالٹا پر مسلمان اِس سے پہلے قبضہ کر چکے تھے۔ اور فی الحال وہ اُنھین کی قلمرو مین شامل تھا۔ اگر اُن کے قبضے مین نہ ہوتا تو رومیون کو اُس کا محاصرہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے خلاصہ یہ کہ اِس زمانے مین مالٹا پر مسلمانون کا قبضہ ہو چکا تھا۔ رومیون نے اُسے

پھر اپنے قبضے مین کرنا چاہا- لیکن جیسے ہی صقلیہ کے بیڑے کے آنے کا حال معلوم ہوا فتح سے مایوس ہو کے واپس چلے گئے-

اسی اثنا مین محمد نے اپنے چچا عبداللہ بن سفیان کو سرقوسہ پر روانہ کیا- جہان جا کے اُس نے گرد و نواح کو لوٹا مارا اور مال غنیمت لے کے بلرم مین واپس آیا-

محمد بن خفاجہ کی شہادت

دوسرے برس ۲۵۷ھ مین امیر محمد کو اُس کے خادم خواجہ سراؤن نے کسی سازش مین پڑ کے یا کسی ذاتی عداوت کی بنیاد پر دن دہاڑے قتل کر ڈالا- اور لاش کو اس طرح چھپا کے کہ دوسرے دن تک کسی کو خبر نہ ہو سکی بھاگ کھڑے ہوئے- مگر امیر مرحوم کے وفادار خدام کو دوسرے دن جیسے ہی حال معلوم ہوا فوراً اُن خواجہ سراؤن کی جستجو شروع کی- اور اُن مین سے کئی ایک کو گرفتار کر کے کورنمکی کے جرم مین قتل کر ڈالا-

احمد بن یعقوب امیر صقلیہ

محمد بن خفاجہ کے مارے جانے کی خبر افریقیہ مین پہونچی تو وہان کے فرمانروا محمد بن اغلب نے اُس کی جگہ احمد بن یعقوب مضار بن سلمہ کو امیر صقلیہ کی خدمت پر مامور کیا- مگر اُسے زیادہ حکومت کرنا نہ نصیب ہوا- ۲۵۷ھ مین مقرر ہوا تھا اور ۲۵۸ھ مین مر گیا-

جعفر بن محمد امیر صقلیہ

احمد بن یعقوب کے بعد پانچ چھ سال تک صراحۃً نہین بتایا گیا ہے کہ صقلیہ کا والی و حکمران کون تھا- مگر ۲۶۴ھ مین یقینی طور پر معلوم ہے کہ جعفر بن محمد وہان

والی تھا- اور قیاس سے خیال کیا جا سکتا ہی کہ اِس گزشتہ مدت مین بھی وہی والی صقلیہ ہو گا- اس لیے کہ اِس زمانے مین اگرچہ کسی والی کا نام مورخین نے نہین بتایا مگر یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان حسب معمول حملے کر رہے تھے- جو بغیر کسی امیر کے ممکن نہ تھا-

چنانچہ ۲۵۸ھ مین آخر سال تک برابر مسلمانون کے لشکر صقلیہ کے مختلف شہرون پر تاختین کرتے رہے اور اُن کے مقابل مین کسی رومی لشکر کو آنے کی جرأت نہ ہوئی-

پھر ۲۵۹ھ مین عربون کا ایک زبردست لشکر سرقوسہ پر گیا لیکن اس شرط پر شہر والون سے صلح کر لی کہ ۳۶۰ مسلمان جو اُن کے ہاتھ مین گرفتار تھے اُن کو چھوڑ دین- چنانچہ عیسائیون نے اُن اسیر مسلمانون کو چھوڑ دیا- اور عربی لشکر اُن کو اپنے ساتھ لے کے بلرم مین واپس چلا آیا-

---

افریقیہ کے فرمان روا محمد بن احمد بن اغلب کی وفات

۲۶۱ھ مین فرمان روائے افریقیہ محمد بن احمد نے دس سال پانچ مہینے اور سولہ دن حکومت کر کے ۶ جمادی الاول کو سفر آخرت کیا- مرتے وقت اُس نے اپنا ولی عہد تو اپنے بیٹے ابو عقال کو قرار دیا مگر اس کی نابالغی کی وجہ سے اپنے بھائی ابراہیم کو اُس کا ولی اور نگران کار مقرر کیا- اور اس کا تمام ارکان خاندان اغلب اور معززین شہر کو شاہد بنایا- ابراہیم ایسا نیک نفس متقی و پرہیزگار اور عادل و ہردلعزیز رئیس تھا کہ محمد بن اغلب کے مرتے ہی وہ تمام لوگ جو ابو عقال کی ولی عہدی کے شاہد مقرر کیے گئے تھے سب نے آ کے اُس سے اصرار کرنا شروع کیا کہ اب آپ ہی تخت نشین اور بالذات فرمان روائے افریقیہ ہو جائین- ابتدا گو تو اُس نے قطعاً انکار کیا مگر آخر مین سب کے کہنے سننے سے حکومت افریقیہ قبول کر لی-

---

ابراہیم بن احمد بن اغلب کی حکومت افریقیہ

رعایا کی درخواست قبول کرتے ہی ابراہیم قصر حکومت مین آکے اورنگ نشین ہوا۔ اور چند ہی روز مین اپنی نیک نفسی و عدالت گستری کی وجہ سے لوگون مین اِس قدر ہر دلعزیز ہو گیا کہ ملک کا ہر فرد بشر اُس کا دم بھرنے لگا۔ کہتے ہین کہ اُس کے عہد مین لوٹ مار بالکل موقوف ہو گئی۔ سارے ملک کا انتظام درست ہو گیا۔ ڈاکو او لوٹیرے پکڑ پکڑ کے قتل کر ڈالے گئے۔ اور سیاحون اور تاجرون کے قافلے امن و امان سے گزرنے لگے۔ شمالی ساحل افریقہ پر اُس نے قلعون اور فوجی گڑھیون کا ایک زنجیرہ قائم کر دیا۔ اور خبر رسانی کا ایسا اچھا سلسلہ قائم کیا کہ مراکش کے ساحلی شہر سبطہ مین آگ روشن کیجاتی تو ایک ہی شب مین اُس کی خبر اسکندریہ مین پہونچ جاتی۔

سرقوسہ پر عربون کا قبضہ

امیر ابراہیم کے عہد مین امیر صقلیہ جعفر بن محمد نے بڑے زبردست لشکر اور پورے سامان سے شہر سرقوسہ پر حملہ کیا۔ پہلے جاتے ہی اُس کے اور بلاد قطانیہ، طبر مین اور رمطہ کے گرد و نواح کی زراعت غارت کر ڈالی۔ اس لیے کہ اِن سب شہرون پر اگرچہ عربون نے متعدد حملے کیے تھے مگر اس وقت تک یہ سب قسطنطنیہ کے رومی شہنشاہ کی قلمرو مین شامل تھے۔ جعفر بن محمد جب آس پاس کے تمام کھیتون کو غارت و پامال کر چکا تو شہر سرقوسہ پر جا کے اترا اور خشکی کی طرف سے بھی اور سمندر کی جانب سے بھی ہر طرف سے بڑی سختی سے محاصرہ کر لیا۔ اور اپنے قلعہ شکن حملون سے شہر کے بعض محلون مین بھی داخل ہو گیا۔ مگر شہر والون کو چونکہ قسطنطنیہ سے کمک آنے کی امید تھی اس لیے اُنھون نے جان پر کھیل کے مسلمانون کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اس اثنا مین رومی بیڑا آپہونچا۔ جس پر ایک زبردست لشکر صقلیہ کی

حمایت کے لیے آیا تھا۔ لیکن وہ بیڑا قبل اس کے کہ ساحل تک پہونچے عربی بیڑے نے بڑھ کے اُسے روکا۔ اور ایک سخت بحری لڑائی ہوئی۔ جس مین رومی فوج قتل ہوئی۔ اور اُن کے سب جہاز مسلمانون کے قبضے مین آ گئے۔ اب اِس کے بعد سے سمندر کی جانب سے شہر قوسہ کا ایسا شدید محاصرہ ہو گیا کہ پرندہ تک اندر پر نہ مار سکتا۔ چند ہی روز مین شہر والون کا حوصلہ پست ہو گیا۔ اور ۹ مہینے کے محاصرے کے بعد سرقوسہ بغیر کسی شرط کے مفتوح ہو گیا۔ شہر کے کئی ہزار مسلح آدمی قتل ہوئے۔ اور تاخت و تاراج مین اتنی دولت عربون کے ہاتھ آئی کہ اس جزیرے مین اس سے پہلے کبھی ہاتھ نہین آئی تھی۔

فتح کرنے کے بعد مسلمان دو مہینے تک یہین ٹھہرے رہے۔ اور اِس مدت مین اُس کی فصیل اور قلعہ بندیون کو بالکل منہدم کر ڈالا۔ سرقوسہ منہدم ہو چکا تھا کہ اُس کے بچانے کے لیے ایک اور رومی بیڑا قسطنطنیہ سے آیا۔ مسلمان بیڑے نے اِن جہازون پر بھی حملہ کیا۔ اور فتحیاب ہو کے چار رومی جہاز مسلمانون نے اسیر کر کے اپنے قبضے مین کیے۔ باقی بھاگ گئے۔ اور اِن تمام کامون سے فارغ ہو کے عساکر عرب آخر ذی قعدہ مین اپنے شہر بلرم کو واپس گئے۔

مسلمانون کی ایک سخت بحری شکست

لیکن شہنشاہ قسطنطنیہ کے دل مین یہ شکستین کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھین چنانچہ اُس نے ایک بہت بڑا بیڑا تیار کر کے روانہ کیا کہ صقلیہ کو مسلمانون کے ہاتھ سے بچائے۔ اس بیڑے پر بڑے بڑے نامی افسر اور منتخب سپاہی بہت بڑی کثیر تعداد مین آئے۔ اور صقلیہ کے اُن شہرون پر جو عربون کے زیر حکومت تھے تاختین کرنے لگے۔ اسلامی بیڑے نے بڑھ کے اُن سے مقابلہ کیا۔ اور سخت لڑائی ہوئی جس مین مسلمانون کو فاش شکست ہوئی۔ اور رومی بیڑے نے اُن کے بہت سے جہاز پکڑ لیے۔ بقیۃ السیف شکست نصیب مسلمانون نے بھاگ کے شہر بلرم مین پناہ لی۔ اور اکثر ساحلی شہر اُن کے قبضے سے نکل گئے۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

لباس کے متعلق لکھنؤ مین تراش وخراش اور کپڑون کی نوعیت مین روز بروز ترقی ہی ہوتی رہی۔گرم ملک ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے ادنیٰ طبقے والے سوا ستر پوشی کے اپنا سارا بنڈا برہنہ رکھتے ہین جو اُن کے افلاس اور اہل ملک کی کم مائگی کے باعث نہین بلکہ موسم اور آب و ہوا کے تقاضے سے ہے اس کا اثر دہلی مین بھی یہ تھا کہ بجائے گندہ اور گران کپڑون کے سبک اور نازک کپڑے اختیار کیے گئے۔یہان اُس سے بھی زیادہ ترقی ہوئی۔اور چونکہ اب سپہگری و جنگجوئی کی بہت ہی کم ضرورت باقی تھی۔عیش پرستی اور عورتون کی صحبت بہت بڑھتی جاتی تھی اس لیے مردون پر عورتون کی وضع کا اثر پڑنے لگا۔جو اعتدال سے باہر ہو گیا۔اور جس قسم کی زینت و آرائش عورتون کے لیے موزون ہے مردون نے اپنی وضع اور اپنے لباس مین اختیار کرنا شروع کر دی۔

خصوصاً اُس زمانے سے جبکہ یہان کے حکمرانون نے اپنے لیے نواب کا لفظ چھوڑ کے بادشاہ کا لفظ اختیار کیا۔نیشاپوری اور سالار جنگی خاندان کے لوگ جو معتدبہ وثیقے اور پنشنین پاتے تھے بالکل خانہ نشین کر دیے گئے تو اُن کو سوا عورتون کے کسی کی صحبت ہی نہ نصیب ہوتی تھی۔ اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ اُن کے وضع و لباس ہی مین زنانہ پن نہین پیدا ہوا۔بلکہ اُن کی زبان بھی عورتون کی سی ہو گئی۔اور چونکہ وہی شہر کے رئیس اور اور وضعدار تصور کیے جاتے۔لہذا اکثر عوام نے بھی اُنھین کی پیروی شروع کر دی۔اور بخلاف دیگر مقامات کے رئیسون کے یہان لکھنؤ مین یہ عام وضع ہو گئی کہ سر پر مانگ۔اُس پر مسالے کی کامدار ٹوپی۔کانون تک بال جن کی کنگھی کرنے مین ماتھے پر دونون جانب پٹیان جمائی جاتیں۔منہ مین پان۔ہونٹون پر لاکھا۔بدن مین تین تین کمر تو ٹیون کا چست انگرکھا۔اُس کے نیچے گلبدن

کامدار بوٹ۔ جاڑون مین انگرکھے کی جگہ نیلے زرد یا سبز و سرخ اطلس یا گرنٹ کا رُوئی دار دگلا۔

جاڑون مین یہان کے بعض معزز لوگ عموماً شال کی قبائین پہنتے مگر دوشالے اور شالی رومال کو سب پسند کرتے۔ اُسی کا نتیجہ تھا کہ جیسا شال لکھنؤ والون مین اب بھی کہین کہین نکل آتا ہے ویسا شال ہندوستان کیا معنی شاید خود کشمیر مین بھی اب نصیب نہ ہو سکے گا۔

شال کا شوق یہان تک بڑھا کہ بہت سے شال بننے والے اور ہزارون رفوگر اور شال کے دھونے والے کشمیری اپنا وطن چھوڑ چھوڑ کے لکھنؤ مین آ بسے جن کا گزشتہ پچاس سال مین اپنا نام و نشان بھی نہ باقی رہا۔ اُن مین سے کوئی بچا بھی تو اُس نے کوئی اور پیشہ اختیار کر لیا۔

محرم چونکہ لکھنؤ مین ایک بڑی اہم چیز اور عزاداری کا زمانہ تھا اِس لیے سوگواری اور نفاست و نزاکت کا لحاظ رکھ کے یہان محرم کے لیے خاص لباس اور خاص زیور ایجاد ہو گیا سیاہ اور نیلے رنگ غم و سوگواری کے رنگ سمجھے گئے۔ اور سبز رنگ اِسلیے کہ بنی عباس کے عہد مین اُن کے سیاہ رنگ کے مقابل بنی فاطمہ کا رنگ سبز تھا چنانچہ آج بھی ایران و ہند کے بعض فاطمی اپنے سبز عمامون سے سیدون کی اس قدیم وضع کا ثبوت دیدیا کرتے ہین۔ بہر تقدیر محرم مین سُرخ رنگ ممنوع قرار پایا۔ سبز نیلا اور سیاہ رنگ اور اُن کے ساتھ زرد رنگ بھی اُس موسم کے لیے مناسب سمجھے گئے۔ چنانچہ یہان محرم مین تمام عورتون کا لباس اِنھین مذکورہ رنگون سے مناسب جوڑ لگا کے منتخب کیا جاتا۔ سارا زیور بڑھا دیا جاتا۔ حتی کہ چوڑیان تک اُتار ڈالی جاتین۔ جن کے عوض کلائیون کے لیے ریشم کی سیاہ و سبز پہونچیان اور کانون کے لیے سیاہ و زرد ریشم کے کرن پھول ایجاد ہوئے۔ جو سونے چاندی کے زیور سے بھی زیادہ نفاست کے ساتھ اُن کی زیبائی و رعنائی بڑھا دیا کرتے ہین۔

محرم تو نہایت ہی اہم مہینہ تھا۔ یہان ہر موسم اور ہر زمانے کے مناسب ایسی ایسی ایجادین عورتون کے لباس مین روز ہوتی رہتی تھین جن کو سارا ہندوستان حیرت کی نگاہون سے دیکھتا تھا۔ اور سچ یہ ہے کہ آج سے

کی تازہ جدتون کو جو دیکھتا وہ فرانس اور لندن کے فیشن بدلنے کو بھول جاتا اور اسی بنا پر اکثر زبانون پر جاری ہو گیا کہ لکھنؤ مشرق کا پیرس ہے۔ آج بہت سے سادگی پسند اور ترقی یافتہ معاشرت سے محروم رہنے والے اِن تکلفات پر اعتراض کرتے ہین۔ اور یہ نہین دیکھتے کہ جن دربارون اور شہرون مین تمدن ترقی کرتا ہے وہان معاشرت و صحبت کے ہر شعبے مین ایسی ہی باتین پیدا ہو جایا کرتی ہین۔ جو ایک فلسفی کی نظر مین چاہے لغو و فضول ہون مگر وضعدارون کی صحبتین اور شائستہ لوگون کی محفلین اُن کو نہایت ہی اہم اور ضروری تصور کرتی ہین۔

مردون پر عورتون کی وضع کے غالب آنے کا اثر اگر کپڑون کی نزاکت اور تیز اور بھڑکیلے رنگون تک محدود رہتا تو بہت غنیمت ہوتا یہان تو بہت سے لوگون کی یہ حالت ہو گئی کہ میان بیوی کے دگلون دوپٹون دولائیون رضائیون اور پائجامون مین کسی قسم کا فرق ہی نہین باقی رہا۔ بجز اس کے کہ گوٹا پٹھا اور زیور عورتون کے ساتھ مخصوص تھا۔ مرد شوخ رنگون کے نازک ریشمی کپڑے بغیر گوٹے پٹھے کے پہنتے۔ مگر یہ مذاق غدر کے بعد انگریزی اثر سے گھٹنے لگا۔ اور اب صرف چند گنتی کے لوگون کے سوا کسی مین نہین باقی رہا۔

مرد خدمتگارون اور اُن کے مختلف طبقات کی طرح یہان عورتون کے مختلف طبقون کی بھی خاص خاص وضعین قرار پا گئین۔ انگریزون کے خانسامان کوچبین اور سائیس مختلف وردیون مین رہتے ہین۔ مگر وہ وردیان اُن کا اصلی لباس نہین قرار پا سکین کہ اپنے گھرون مین بھی وہ ان کو پہنا کرتے ہون۔ برخلاف اِس کے لکھنؤ مین زنانے اور مردانے نوکرون اور اندر باہر کے تمام ملازمون کے لیے جو خاص خاص لباس مقرر ہو گئے تھے وہی اُن کی اصلی وضع قرار پا گئے۔ مثلاً جیسے ڈیوڑھیون کے پہرے والے سپاہیون۔ اور چوبدارون ہرکارون وغیرہ کی خاص اور جدا جدا وضعین تھین۔ ویسے ہی زنانی محلسراؤن مین محلدارون مغلانیون اور کہاریون کی وضعین اِس قدر ممتاز تھین کہ دور سے دیکھتے ہی انسان سمجھ جائے گا کہ یہ عورت محلدار ہے۔ یہ خواص ہے

یہ معطّلی ہی۔ اور یہ کہاری ہی۔ اور پھر تعجب یہ کہ اُن کے لباس مین وردی کی شان نہین پیدا ہونے پائی۔

خدمتگارون اور اُنھین کی طرح پیش خدمتون کا البتہ وہی لباس تھا جو خود میان بیویون کا لباس تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ دونون گروہ اپنے مالک یا مالکہ کا اُترن یعنی اُن کے اُتارے ہوے کپڑے پہنا کرتے ہین۔

لباس کے بعد عورتون کے لیے سب سے اہم چیز زیور ہے۔ اور عورتین اکثر اپنی مخصوص دولت وجائداد اپنے زیور کو سمجھتی ہین۔ جس کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اکثر صوبجات ہند مین بھدے اور بھاری زیور کا زیادہ رواج ہے۔ تاکہ وہ قیمت مین زیادہ ہون۔ زیور کے بھاری ہونے کا شوق اددھ کے دیہات مین اور عموماً ہندوستان کے تمام شہرون مین روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ مگر لکھنؤ مین دہلی کے شریف خاندانون کی معزز خاتونین آئین تو ابتداءً وہی زیور جس کا سارے ہندوستان اور خود دہلی مین رواج تھا پہنے ہوئے تھین۔ مگر یہان آنے کے چند روز بعد جب یہان کی ترمیم شدہ مخصوص معاشرت قائم ہوئی تو زیور مین فقط زینت وآرائش کا خیال باقی رہ گیا۔ اور ہر قسم کا زیور روز بروز سُبک ہلکا نازک اور خوشنما ہوتا گیا۔ یہان تک کہ آخر عہد مین اُمرا اور دولتمند گھرانون کی بیولون کی یہ وضع ہوگئی کہ سادے بغیر مسالے اور گوٹے پٹھے کے کپڑے پہنتین اور زیور کی قسم کی دوہی ایک چیزون پر جو بہت ہی نازک سبک اور قیمتی ہوتین کفایت کرتین۔ اور اگر گلے اور ناک کان مین متعدد چیزین پہنتین بھی تو وہ بہت ہی ہلکی ہوتین۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیسا سُبک اور ہلکا زیور لکھنؤ مین بننے لگا کہین نہ بن سکتا تھا۔

ناک مین نتھ ہندوُن کے عہد سے نہایت ہی ضروری زیور اور سہاگ کی نشانی سمجھی جاتی تھی جو خیال باہمی میل جول سے مسلمانون مین بھی پیدا ہوگیا۔ چنانچہ دیہات والیان آج بھی اُس کے بھاری کرنے مین یہانتک مبالغہ کرتی ہین کہ چار چار پانچ پانچ تولے کی نتھین پہن لیتی ہین جن سے اکثر نتھنے پھٹ جاتے ہین مگر دوبارہ ناک چھدوائی جاتی ہے تاکہ ناک نتھ سے خالی نہ رہے۔

نگین جو بہت ہی نفیس اور خوبصورت زیور ثابت ہوئی۔ اور نزاکت پسندی نے اِن کیلون کو بھی اتنا مختصر اور سبک کر دیا کہ سبک ناک کی کیلین لکھنؤ کے سونارون اور سادہ کارون کے سوا اور کہین کے کاریگر نہین بنا سکتے۔

اب ادھر پچیس تیس سال سے بُلاق کا رواج بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اگرچہ یہ کوئی پسندیدہ مذاق نہین مگر زیور کے اختصار اور عام پسندی نے اسے اِس قدر ترقی دی ہے کہ اب بہت کم عورتین ہین جو بُلاق نہ پہنتی ہون۔

فی الحال مختلف شہرون کے باہمی میل جول سے زیور بنانے کے فن مین ہر جگہ ترقی ہو رہی ہے۔ اور خاص خاص زیورون کے لیے خاص خاص شہر مشہور ہو گئے ہین مگر غدر سے پیشتر جب ریلوے نے بلاد ہند مین یہ باہمی موانست و یکرنگی نہین پیدا کی تھی لکھنؤ سے اچھے سُنار اور کاریگر کہین نہ مِل سکتے تھے۔ لیکن اب بہت سے شہر اِس فن مین لکھنؤ سے بڑھتے جاتے ہین۔ خصوصاً شہر دہلی مغشوش چاندی کے سبک زیور بنانے مین ہندوستان کے تمام شہرون سے سبقت لے گیا ہے۔ مگر پھر بھی اکثر مقامات کے نفیس مزاج گھرانے لکھنؤ ہی کے بنے ہوئے زیور اور یہان کے چاندی کے ظروف کو زیادہ پسند کرتے ہین یہ بحث لکھنؤ کے صنعتون مین ہمین پھر چھیڑنا پڑے گی اِس لیے یہان اتنے ہی پر قناعت کرتے ہین۔

مشتری

فرض کرو کہ مشتری کے تیرہ سو ٹکڑے کیے جائین تب بھی اُس کا ہر ایک ٹکڑا ہماری پوری دنیا سے بڑا ہوگا۔ نظام شمس کے کل سیارون کا مجموعی وزن مشتری سے آدھا ہے ہان آفتاب البتہ ... سے حجامت مین بڑا ہے ... کا

سال ہمارے سال سے بارہ گونہ بڑا ہے مگر اُس کی حرکت محوری زمین کے مقابلے مین نصف وقت سے بھی کم مین پوری ہو جاتی ہے اور اس سرعت رفتار کی وجہ اُس کی عظیم الشان جسامت ہے۔ دنیا اگر ایک منٹ مین ۱۷ میل گھومتی ہے تو مشتری اُتنے ہی زمانے مین ۴۶۶ میل گھومجاتا ہے۔ اُس کی محوری رفتار اتنی تیز ہے کہ اگر ذرا بھی بڑھ جائے تو پھٹ کے اُس کے ٹکڑے اُڑ جائین جسطرح ایک پہیہ ایک مناسب اور معتدل رفتار تک تو ٹھیک چلتا ہے مگر اُس سے زیادہ حرکت کرے تو پرزے پرزے اُڑ جائین۔ اس سیارے کو تم یون سمجھو کہ یا تو ایک زوال پذیر آفتاب ہے یا ایک ترقی پذیر کرۂ ارض جس کی اندرونی حرارت گو روز بروز کم ہوتی جاتی ہے مگر ابتک وہ پوری طرح ٹھنڈا اور قابل سکونت نہین ہوا۔ اب بھی وہ ایک عظیم الشان کرۂ نار مختلف گیسون کا مجموعہ اور سارے نظام شمسی کا سب سے زیادہ عجیب اور پُرعظمت وہیئت رکن ہے۔ چونکہ وہ بذات خود ایک چھوٹا سا آفتاب ہے اِس لیے ظن غالب ہے کہ اُس کے چہرے پر جو ابر نظر آتا ہے وہ اُس کی طبعی اور اندرونی حرارت کا نتیجہ ہے۔

یہ خوبصورت اور شاندار سیارہ اگر ایک تیز دوربین سے دیکھا جائے تو اُس کی سطح پر دو چوڑی پٹیان اور دو تین باریک خط نظر آئین گے جو اُس کے خط استوا کے دونون جانب متوازی طور پر واقع ہین۔ یہ خطوط اکثر باریک ہی نظر آتے ہین مگر جب بہت زیادہ نہین نظر آتے ہین تو کثرت سے معلوم ہونے لگتے ہین۔ چونکہ یہ سیارہ ایک غیر منجمد حالت مین ہے اس لیے اُس کی چارون طرف ہر وقت ایک غلیظ ابر سا چھایا رہتا ہے۔ اور کیا عجب کہ یہ پٹیان جو اُس کی سطح پر نظر آتی ہین محض شگاف ہون جن کے اندر سے اُسکا نورانی پیکر جھلکتا ہو۔ اِن خطوط اور پٹیون کی نسبت اب تک تحقیق اور وثوق کے ساتھ نہین کہا جا سکتا کہ اُن کی اصلیت کیا ہے۔ مگر اِس مین بھی شک نہین کہ اُن کی شکل جو باوجود مہینون تک ایک ہی حالت پر قائم رہنے کے کبھی کبھی بدلی ہوئی نظر آنے لگتی۔ یہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ اُس کی بیرونی ہوائے غلاف مین ایک تموج واقع ہوتا ہے جس کا اثر اِن خطوط پر پڑتا ہے۔ بعض وقت

یہ خطوط داغ دار نظر آئے ہین مگر اِن داغون کی حقیقت اب تک صاف طور پر نہین سمجھی جاسکی۔

۱۸۷۸ء مین وہ بڑا اور پُر اسرار سرخ داغ جس کی حقیقت کے انکشاف مین اہل سائنس آج تک سرگردان ہین سب سے پہلے مسٹر نیسٹن نے مشتری کی سطح پر شہر برسیس کی رصدگاہ مین دیکھا تھا۔ اُس کا طول ایک سمت سے ۳۰۰۰۰ میل اور دوسری جانب سے ۸۰۰۰۰ میل سے کچھ زیادہ اندازہ کیا گیا تھا۔ یعنی ہماری پوری دنیا بغیر اِس کے کہ کنارے چھوئین اُس مین آسانی کے ساتھ سما سکتی۔ وہ داغ ایک جگہ پر قائم نہ تھا بلکہ برابر حرکت مین رہتا۔ اور ۹ گھنٹے ۵۵ منٹ ۳۶ سکنڈ مین مشتری کے چارون طرف گردش کرتا تھا۔ تیس سال تک اہل سائنس اُس کو برابر غور سے دیکھتے رہے۔ بعض کی یہ رائے ہوئی کہ یہ ایک آتش فشان پہاڑ ہے۔ مگر یہ قیاس صحیح نہین معلوم ہوتا کیونکہ یہ ایک جگہ پر قائم نہ تھا۔ اُس کا اثر اُس کے حوالی پر عجیب طرح سے پڑتا تھا یعنی یہ معلوم ہوتا کہ وہ ان کو دباتا اور کھودتا اور اُن کی سطح سے اُبھرتا چلا آتا تھا۔ فی الحال یہ داغ اُسی حالت مین کسی قدر تاریکی مین واقع ہے۔

مسٹر جویلین کہتے ہین کہ ہماری دنیا جب ایک کرۂ نار اور مادۂ رقیق تھی تو اُس کی حرکت محوری بھی اس قدر تیز تھی کہ اُس کا قوام ایک جگہ جمنے نہین پاتا تھا۔ اِسی غیر منجمد حالت مین اس مین ایک شگاف پڑا اور ایک بڑا قطعہ اُس سے جدا ہو کر اسی مشتری کے سُرخ دھبّہ کی طرح پہلے تیرنے لگا۔ اور تھوڑے دنون کے بعد اُس سے چھوٹ کر ایک جداگانہ سیارہ بن گیا۔ اسی بنا پر اب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مشتری کا وہ عظیم الشان ٹکڑا جو یہان سے ہمین ایک داغ سا نظر آتا ہے ایک مدت دراز کے بعد اُس سے چھوٹ کر ایک مختلف سیارہ بن جائے گا۔

مشتری کے اِس داغ کے عنقریب چاند ہو جانے کا احتمال اس بات سے اور زیادہ ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارا چاند دنیا سے الگ ہونے کے

ریویو

بزم انجم - علم ہیأت کا ایک مفید و مختصر رسالہ مصنفۂ مولوی محمد عبدالرب صاحب کوکب حیدر آبادی - اس مین نہایت وضاحت کے ساتھ سیارون - قائم ستارون - دُم دار تارون - شہاب ثاقب کسوف و خسوف - اور سمندرون کے مدّ و جزر کے حالات حسب تحقیق جدید بڑی خوبی و خوش اسلوبی سے ذہن نشین کیے گئے ہین - ۲۰×۲۶ سائز کے صفحون کا قابل قدر و درس رسالہ ہے - قیمت ۴/ - سکریٹری صاحب انجمن طلبۂ قدیم دار العلوم حیدر آباد دکن سے منگوایا جائے -

گلچین - حضرت ریاض و وسیم کی سخندانی و طباعی نے پھر اس رسالے کو زندہ کر دیا - اب کی یہ نہایت ہی خوبی و قابلیت اور معمولی ترقی و خوش اسلوبی سے نکالا گیا ہے - ملک مین کسی اچھے گلدستے کے نہ ہونے کا عام افسوس اور بازار شعر و سخن کے سرد پڑ جانے کا سب کو صدمہ تھا - ہمارے دونون دوستون کی حوصلہ مندی و توجہ نے اِس سلسلہ کو جاری کیا ہے تو امید ہے کہ یہ برابر قائم رہے گا - اس مین اولاً قابل و مشہور احباب کے قلم کے چند عالمانہ مضامین ہین اور اُن کے بعد طرح مین مقبولِ زمانہ شعرا کی غزلین ہین - ۲۰×۲۶ تقطیع کے دو جز کا ماہوار رسالہ ہے - چھپائی اور کاغذ بلحاظ حالت موجودہ بہت اچھے ہین - اور تین روپیہ سالانہ قیمت - نمونہ کی قیمت ۴/ منشی سید محمد عسکری صاحب وسیم ایڈیٹر گلچین سے دسیتاپور - اودھ کے پتے پر خط و کتابت کر کے جاری کرایا جائے -

سخن سنج - لکھنؤ کا ایک ادبی سہ ماہی رسالہ جس مین نثر و نظم مضامین ہوا کرتے ہین - چندہ سالانہ معہ محصولڈاک ۹/ سب سے نیا رسالہ جو اکتوبر ۱۹۱۶ء مین شائع ہوا ہے اُس کے حصۂ نثر مین مولنا شرر مدظلہ کی لکھی ہوئی شیرین نہ جبین ملکہ عجم کی بقیہ سوانح عمری ہے - اور حصۂ نظم مین قریب المشاہیر مشاہیر زمانہ اور منتخب شعرا کی غزلین ہین - اِن مضامین کے لحاظ سے اگر غور کیا جائے تو فقط

ہیرامن توتا

ہمارے شاعرون نے بلبل اور پپیہے وغیرہ کی نغمہ سنجی و شور یدہ بیانی سے تو اپنے پُرسوز کلام مین جابجا فائدہ اُٹھایا۔ مگر سرخ رُو و زمردین پیرہن توتے کی طرف کبھی توجہ نہ کی جو پری جمال مہ جبینون کا پُرانا انیس صحبت اور سچا ہمدم و ہمراز ہے جو لوگ سگ لیلیٰ کے دلدادہ ہون اُن سے اتنی بڑی اہم فروگذاشت قابل معافی نہین ہو سکتی۔

توتا اور مینا دونون حسینون کے پیارے مصاحب اور محفل جانان کے زبان آور و بذلہ سنج ندیم ہین۔ مگر بہشتی خلعت پہننے والے توتے کو دلدار ناز آفرین کی ہمصحبتی کا جس قدر موقع ملا ہے بھولی بھالی سیہ پوش مینا کو نہین نصیب ہوا۔ ہندوستان کی مشہور و معروف مہ وش پدماوت کا سب سے بڑا ہمدم و ہمراز اور دلداری کرنے والا مصاحب وہ عجیب و غریب توتا تھا جس کے لیے پہلے پہل "ہیرامن" (جواہر طبع) کا خطاب تجویز کیا گیا۔ اور جس کی برکت سے اُس کی ساری نوع یعنی ہر توتے کا نام "ہیرامن" قرار پا گیا۔

اور توتے تو فقط سنے سُنائے فقرے زبان سے ادا کر دیا کرتے ہین۔ مگر ہیرامن کو خدا نے زیور عقل سے اس قدر آراستہ کیا تھا کہ پدماوت سے بے تکلف باتین کرتا۔ اُس کی سنتا۔ اپنی کہتا۔ اور مشکل معاملون مین

گیا - اور جواب لایا - جن واقعات کو بھاکا کے جادو بیان شاعر ملک محمد جائسی نے اپنی منظوم کتاب پدماوت مین تفصیل و تشریح سے بیان کیا ہے -

اِس توتے کے حالات کو اکثر لوگ ایک بے بنیاد کہانی خیال کرتے ہین ممکن ہو کہ ایسا ہی ہو - مگر توتے کی گفتگو مین اکثر سمجھ اور ارادہ پایا گیا ہے اور بعض اوقات اُس نے ایسی ہوش و حواس کی باتین کین کہ سننے والے دنگ رہ گئے - چنانچہ تاریخ گجرات "مرآۃ سکندری" مین مذکور ہے کہ دولت مغلیہ کے نامور شہنشاہ ہمایون نے گجرات کے فرمان روا بہادر شاہ پر فوج کشی کی تو قلعۂ چانپانیر کا محاصرہ کیا جو بہادر شاہ کا مستقر اور اس کی قلمرو کا سب سے زبردست قلعہ تھا - اور سلطان بہادر کا خزانہ سلح خانہ اور مال دولت سب اسی قلعہ مین تھا - دوران جنگ مین سلطان بہادر کا معتمد علیہ سپہ سالار اور میر آتش یعنی ناظم توپ خانہ رومی خان ہمایون سے مل گیا - اور اپنی سازش سے قلعہ پر مغلون کا قبضہ کرا دیا - فتح کے بعد جب وہان کا مال غنیمت ہمایون کے دربار مین پیش کیا گیا تو اس مین ایک زبان دان توتا بھی تھا جو آدمی کی طرح باتین کرتا - اور سمجھکر بات کا جواب دیتا - سلطان بہادر اُسے ایسا چاہتا تھا کہ سونے کے پنجرے مین رکھتا تھا - نہایت اہتمام سے اُس کی داشت کیجاتی - اور جلوت و خلوت مین ہر گھڑی فرمان روائے گجرات کا مونس و ہمدم رہتا - جب وہ ہمایون کے سامنے پیش ہوا اور اُس کی صفت بیان ہو رہی تھی کہ چوبدارون نے عرض کیا "رومی خان حاضر ہے - اُسے باریابی کی اجازت دی گئی - اور جیسے ہی وہ تخت شاہی کے سامنے آکے آداب بجا لایا - توتے نے اُس کی صورت دیکھتے ہی کہا "بھٹ پاپی رومی خان نمک حرام" توتے کے اِس کلمے کے ساتھ ہی رومی خان کی آنکھین ندامت سے جھک گئین - سارا دربار متحیر ہو گیا - اور ہمایون نے کہا - رومی خان چکنم کہ جانور است ورنہ زبانش می بریدم"

یعنی رومی خان کیا کرون مجبور ہون کہ یہ جانور ہے ورنہ اس کی زبان کاٹ لیتا۔
توتے کی زبان آوری و زبان دانی کے صدہا قصے ہماری صحبتون مین مشہور ہین۔ جن مین چاہے کسی قدر مبالغہ ہو مگر اصلیت سے خالی نہین ہین۔ خود ہمارے گھر مین ایک توتا تھا جس کا پنجرا دروازے کے قریب ٹنگا رہتا۔ جہان دروازے پر کسی فقیر نے صدا لگائی وہ بے تکلف کہہ دیا کرتا "شاہ جی لیتے جاؤ" فقیر کسی چھوٹے بچے کی آواز خیال کر کے اُس قسم کی دعائین دینے لگتا جیسی کہ بچون کو دیجاتی ہین۔ اسی طرح ہمارے ہی یہان کے ایک اور معمولی توتے کا واقعہ ہے کہ گھر کے تمام لڑکے ایک محترم بزرگ خاندان کو "بابا" کہا کرتے۔ توتا بھی اُن کو بابا کہنے لگا۔ ایک دن اُس کا پنجرا بالاخانے پر ٹنگا ہوا تھا کہ ایک بڑا بھاری بندر آ کے اُس کے پنجرے کو اُٹھالے چلا ساتھ ہی توتے نے غل مچایا "ارے بابا! ارے بابا!" سب کو خبر ہو گئی اور پنجرا بندر کے ہاتھ سے چھینا گیا۔

یہ واقعات بتا رہے ہین کہ توتا فقط بولیان نہین سیکھتا بلکہ بعض اوقات اُس مین اتنی عقل آجاتی ہے کہ سمجھ کے بات کا جواب دینے لگتا ہے۔ یا اپنی سیکھی ہوئی بولیون کو ٹھیک موقع اور صحیح محل پر استعمال کرنے لگتا ہے!!
انگریزون مین بھی ہمارے یہان کی طرح توتے کے باتین کرنے کے صدہا واقعات مشہور ہین۔ چنانچہ رابنسن کروسو کے افسانے مین جو بعض لوگون کے نزدیک تاریخی واقعہ ہے ایک توتے کی باتون کا ذکر ہے۔ جس نے غربت و بیکسی مین اُس کی مدد کی تھی۔

اسی وجہ سے یورپ کی مہ جبین دلربائین بھی توتے کی دلدادہ ہین بعض دربار حسن مین توتے نے اپنی باتون سے ایسی خصوصیت حاصل کر لی ہے کہ ہر پری جمال نازنین کا محبوب دوست اُس کا توتا ہی ہوا کرتا ہے۔ فسانۂ عجائب ایک فرضی قصہ ہے اور اُس مین داستان کا آغاز توتے ہی سے ہوا ہے۔ جان عالم نے ایک بولتا توتا مول لیا۔ گھر مین لایا۔ اُس کی ملکہ نے اپنے حسن پر ناز کیا۔

کے حسن کی تعریف کی۔اور جانِ عالم کو اُس کا عاشق بنا کے دیوانہ بنا دیا۔

اس قصے مین توتے کا خیال غالبًا ہَد ہُد کے واقعے سے لیا گیا ہے۔لہٰذا اِس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی حسن و عشق کے عالم مین توتا کیا چیز ہے۔اور حسینون کے ساتھ اُسے کیسی خصوصیت ہے۔اِسی کا ایک کرشمہ یہ ہے کہ جس طرح ہندوستانی دیومالا مین حسین دیویون کے خاص خاص شعار اور بانے مقرر کر دیے گئے ہین۔مثلًا کسی دیوی کا شعار تو رہے۔کسی کا شعار یہ ہے کہ ہاتھی اُس پہ ہار چڑھا رہا ہے۔اُسی طرح یہان کی عام دلربا نازنینون اور پری وش مہ جبینون کا شعار اور بانا اکثر توتا قرار پا گیا ہے۔اگلے مصورون نے اگر کسی معشوق کی تصویر بنائی ہے تو اُس کے پاس ایک توتا بھی بنا دیا ہے۔جس سے باتین کر کر کے وہ خوش ہو رہی ہے۔عشرت کدۂ ناز مین وہی اُس کا دل بہلانے والا مونس تنہائی ہے۔اور اُسی پر اُس کے دل کے جذبات آشکارا ہوتے ہین۔

مجنونون کے ایسے رفیق و انیس کی طرف سے حسن پرست شاعرون کا اس قدر غافل ہو جانا بڑی حیرت کی بات ہے۔کیا وہ اُسے اپنا رقیب سمجھے؟ ایسا ہونا کوئی تعجب کی بات نہین۔اس لیے کہ رقابت کا وہم ادنےٰ ادنےٰ چیزون اور معمولی باتون پہ ہو جایا کرتا ہے۔دل اِس کو مشکل سے گوارا کرتا ہے کہ جسے ہم چاہتے ہین وہ کسی اور کی طرف متوجہ ہو۔یا کسی دوسرے سے باتین کرے۔لیکن ایسا تھا بھی تو توتے کی شکایت کیا کرتے۔ہمارے عاشق مزاج رقیب سے جلتے ہین۔اور جلنے ہی کی وجہ سے اُس کی شکایتون کا دفتر کھول دیا کرتے ہین۔مگر توتے کی رقابت مین کیا خصوصیت ہے کہ اُس کا نام بھی نہین لیا جاتا۔

غرض ہمارے نزدیک اس کی کوئی صحیح توجیہ نہین ہو سکتی۔اور در اصل عاشقانہ شاعری کی یہ بہت بڑی فروگزاشت ہے۔لہٰذا ہمارے شعرا کو چاہیے کہ اپنی اِس غلطی کا اعتراف کرین۔اور آیندہ توتا مضامین حسن مین ضرور شامل کر لیا جائے۔

توتا علاوہ حسینون کا محرم راز ہونے کے خود بھی حُسن کا ایک مکمل

نمونہ ہے۔ اُس کی سُرخ یاقوت کی سی چونچ جو پری جمالون کی ناک کے مشابہ ہے کس قدر خوبصورت ہے؟ اس کی نازک اندامی کیسی دلکش ہے؟ اور پھر اِس نزاکت پر اُس کا بہشتی سبز حلہ جو ظاہر کرتا ہے کہ وہ خاص جنت سے حورون کے ہاتھ کے سیا ہوا جوڑا پہن کے دنیا مین آیا ہے اور جنت سے نہین آیا تو کسی ناز آفرین وشوخ طبع محبوبہ نے اسے اپنا دھانی دوپٹہ اُڑھا دیا ہے۔ یہ سب ایسی چیزین ہین کہ اس نازک اندام وخوش جمال طائر کو بجاے خود ایک محبوب دلربا ثابت کر رہی ہین۔

ارشدامیہ

(یونان کی ایک بہادر خاتون)

حضرت سرور کائنات علیہ السلام سے ساڑھے آٹھ سو برس پیشتر یونان کا آخری اور زوال پذیری کا زمانہ تھا۔ اُن دنون رومی جزیرہ نماے اِٹالیہ مین اپنی قوت بڑھا رہے تھے۔ اور یونان کی تہذیب وشجاعت کی تاریخ ختم ہو چکی تھی۔ اُسی زمانے مین ایپائرس مین پیرہوس نام ایک عیش طلب فرمان روا تھا جس کا عہد سلطنت ۲۶۶ء قبل محمد سے شروع ہوا۔ وہ محض اس لیے کہ اُس کے آبا و اجداد سکندر اعظم کی مان کے ہم نسب تھے چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو دوسرا سکندر ثابت کرے۔ مگر حوصلہ ہی حوصلہ تھا۔ سکندر کا سا استقلال اور اُس کی سی دانائی وفراست کہان سے لاتا؟ ممالک غیر پہ حملہ کرنا در کنار یونان کے قدیم نامی شہرون پر بھی قبضہ نہ پا سکا۔

یونان اِس زمانے مین مٹ چکا تھا۔ نہ ایتھنز مین وہ اگلا علم وفضل تھا۔ اور نہ اسپارٹا مین وہ اگلی شجاعت وسپہگری تھی۔ تاہم جب پیرہوس نے اسپارٹا پر حملہ کیا تو وہان کے لوگ اپنی گزشتہ عظمت کو یاد کر کے لڑنے اور کٹنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ چنانچہ ان بہادر

اور حریف کی دست برد سے بچانے کے لیے جزیرۂ اقریطش (کریٹ) مین بھیج دین اور خود وطن کی حمایت مین جان پر کھیل جائین۔

اسی نازک زمانے مین یہ مذکورہ یونانی خاتون اسپارٹا مین تھی اور اپنے شہر کی اُن گزشتہ ناموریون سے واقف تھی جو لوح زمانہ پر ثبت تھین۔ اسپارٹا کی سینٹ یعنی مجلس حکمرانی نے جیسے ہی یہ فیصلہ کیا کہ ساری عورتین حفاظت کے لیے کریٹ مین بھیج دی جائین ارشدامیہ کو طیش آگیا۔ جوش کے ساتھ ایک تلوار اُٹھائی۔ اُسے کھینچے ہوئے قصر حکومت مین گھس پڑی۔ اور ارکان مجلس سے جوش وخروش کے لہجے مین کہا "اسپارٹا کی عورتین اپنے ملک کی تباہی کے بعد زندہ نہین رہنا چاہتین۔ بلکہ وہ بھی مردون کی طرح وطن کی حمایت مین لڑین گی۔ اور کامیاب نہ ہوئین تو لڑکے مرجائین گی"

اس کی ہیئات کذائی۔ اُس کے جوش وخروش۔ اُس کی شعلہ باز آنکھون۔ اُس کے تمتمائے ہوئے سرخ گالون کو دیکھ کے تمام ارکان مجلس سناٹے مین آگئے۔ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ارکان حکومت نے اُس کو اس ارادے سے روکنا چاہا اور سمجھایا۔ مگر جو جو سمجھاتے ارشدامیہ کا جوش بڑھتا جاتا۔ اور آخر نظر آیا کہ اُس کا جوش شجاعت ایک برقی لہر کی طرح اسپارٹا کی تمام عورتون مین دوڑ گیا ہے اور سب اس کی ہم خیال وہم آہنگ ہین۔ اب بھلا کیونکر ممکن تھا کہ ایسی فدائے وطن عورت اور اُس کی جان باز ساتھ والیان ایسے نازک وقت پر اپنی مرضی کے خلاف اپنے محبوب وطن سے جُدا کی جائین؟ چنانچہ وہی سینٹ جس نے ابھی ابھی یہ قانون پاس کیا تھا کہ عورتین کریٹ مین بھیجی جائین اسی نے اپنی اِس تجویز کو منسوخ کیا۔ اور کہا گیا کہ "عورتین چاہتی ہین تو اُنھین لڑنے دو"

اس حکم کو منسوخ کرانے کے بعد ارشدامیہ نے اسپارٹا کی بہادر وجانباز اور سرفروش وسربکف عورتون کو جمع کرکے اُن کا ایک لشکر مرتب کیا۔ اُنھین دو ہی چار روز مین لڑنے کے قابل بنالیا۔ اور جب

پیرہوس کا لشکر اسپارٹا پر آیا ہے اور اسپارٹا چارون طرف سے محصور ہو گیا ہے تو وہان کے دلیر و شجاع مردون کے دوش بدوش یہ عورتین بھی جوہر شجاعت دکھا رہی تھین۔ یا تو اس زبردست حملہ آوری کی دہشت سے اسپارٹا والون کا یہ حال تھا کہ عورتون اور بچون کو ایک دوسرے جزیرے مین بھیج دیتے تھے اور یا عورتون کی مدد سے اُنھون نے دشمنون کو متواتر شکستین دین۔ اور اِس قدر پریشان کیا کہ آخر پیرہوس عاجز آ کے ناکام و نامراد واپس گیا۔ اور اہل شہر کو تسلیم کر لینا پڑا کہ اِس موقع پر حمایت وطن کا نہایت ہی اعلےٰ جوہر آرشدامیہ اور اُس کی زنانی فوج سے ظاہر ہوا۔

اسپارٹا سے نامراد واپس جانے کے بعد ۸۴۲ قبل محمد مین پیرہوس نے یونان کے شہر ارغوس پہ حملہ کیا۔ اِس مہم مین وہ نہایت ہی شجاعت سے حملہ کر کے شہر کے اندر گھس پڑا۔ اور سڑکون پر لڑائی ہو رہی تھی کہ ایک مقام پر پیرہوس کو دلیری سے شمشیر زنی کرتے دیکھ کے ایک عورت نے کوٹھے پر سے ایک بڑا سا کھپرا اُس کو کھینچ مارا جس نے آہن پوش پیرہوس کے ساتھ وہی کام کیا جو حضرت داؤد کی گوپھن کے پتھر نے زبردست فینقی پہلوان جالوت کے ساتھ کیا تھا۔ یہ کھپرا پڑتے ہی پیرہوس گرا اور وہین ڈھیر ہو گیا۔

غالباً یہ کھپرا بھی اُسی برقی لہر کا ایک کرشمہ تھا جو آرشدامیہ کی تحریک سے تمام یونانی عورتون کے دلون مین دوڑ گئی تھی۔ خلاصہ یہ کہ عورتون ہی کی مستعدی نے پیرہوس کے حملے کو ناکام و مسترد کیا۔ اور آخر اُنھین کے ہاتھ سے وہ مارا گیا۔

مدرسۂ الٰہیات کانپور

آج دلگداز کے آخری صفحات پر ہم مدرسۂ الٰہیات کانپور کا نصاب اور وہان کے انتظامی قواعد و ضوابط شائع کرتے ہین اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

کرنے والے حامیان دین پیدا ہون بلکہ یہ نصاب مجتہدانہ غور و خوض کے بعد ایسا مرتب کیا گیا ہے جس کی تعلیم کی بلحاظ اغراض و مقاصد زمانہ فی الحال ہر مسلمان کو ضرورت ہے۔ اِس دور مین جس قسم کے عالمون کی مسلمانون کو ضرورت ہے وہ اِسی نصاب کے ذریعہ سے پیدا کیے جا سکتے ہین۔ خوشی کی بات ہے کہ اصلی الٰہی شعبہ کے ساتھ اِس مدرسے مین ابتدائی تمہیدی شعبہ بھی کھول دیا گیا ہے جس کے ذریعہ سے ابتدائی تعلیم بھی دی جا سکے گی۔

ہم مسلمانان کانپور کو اُن کی اِس سچی دینی خدمت پر مبارکباد دیتے ہین۔ آٹھ سال کی زندگی مین اِس مدرسے نے اگرچہ متعدد طلبہ پیدا کر دیے۔ مگر اُس وقت تک جو کچھ ہوتا رہا مولٰنا عبدالقادر صاحب آزاد سبحانی کی ابتدائی کوششون کا نمونہ تھا۔ مگر اب مولٰنا صاحب ممدوح نے دوبارہ اِس کی پرنسپلی قبول فرما کے اُس مین نئی جان ڈالنا چاہی ہے۔ اور یہ نصاب از سر نو مرتب فرمایا ہے جو صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانون مین خدا شناسی اور رہنمائی دین کی کتنی بڑی اہم تحریک اِس مدرسے اور اِس نصاب سے پیدا ہو سکتی ہے۔

نصاب علم الٰہی کی طلبہ کو اگر عربی مین فارغ التحصیل ہون تو دس روپیہ اور اگر قریب بفراغت ہون تو سات روپیہ ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔ ماسوا اِس کے انگریزی کے منتہی طلبہ کو بصورت عربی زبان سے واقف ہونے کے۔ اور عربی کے منتہی طلبہ کو بصورت انگریزی زبان جاننے یا کسی علم مین اعلی مہارت و خصوصیت رکھنے کے بیس روپیہ ماہانہ۔ اور متوسطین انگریزی کو بصورت عربی جاننے کے اور متوسطین عربی کو بشرط انگریزی دانی یا کسی خاص علم مین زیادہ ماہر ہونے کی بارہ روپیہ ماہانہ وظیفہ دینے کا وعدہ کیا جاتا ہے

اس وقت تک اِس مدرسے کو مسلمانان کانپور نے بغیر اِس کے کہ باہر کے پُرجوش لوگون سے مدد لین اسے چلایا اور چلا رہے ہین۔ مگر ضرورت ہے کہ وظائف کی تعداد بڑھائی جائے۔ اور سارے ہندوستان کے مسلمان شریک ہون۔ ہمین مسلمانون سے اُمید ہے کہ وہ بڑی مستعدی سے مسلمانان کانپور کا ہاتھ بٹا کے اپنا فرض ادا کرین گے۔

حسن بن عباس والی صقلیہ

غالباً اسی شکست کی بنیاد پر ۲۶۵ھ میں جعفر بن محمد کی جگہ حسن بن عباس والی صقلیہ مقرر ہوا۔ اُس نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی جزیرے کے اطراف و جوانب میں اپنی فوجیں روانہ کرنا شروع کیں۔ تاکہ نظم و نسق سلطنت قائم ہو۔ اور بحری سطوت میں فرق نہ آنے پائے۔ بہت سے مقامات پر مختلف فوجیں بھیج کے خود شہر قطانیہ پر پہونچا۔ اُس کے گرد و جوار کی زراعت تاراج و تباہ کی۔ اور بڑھ کے طبرین کے کھیتوں کو غارت و پامال کرنے لگا۔ اور جہاں جہاں جو باغ ملے اُن کو کاٹ ڈالا۔ اس کے بعد شہر تقارہ پر پہونچا اور اُس علاقے کی بھی یہی حالت کر ڈالی۔ اور اِن کارروائیوں کے بعد اپنے مرکز حکومت بلرم میں واپس آیا۔

رومیوں کی فتحیں

حسن بلرم میں واپس آیا تھا کہ رومیوں کے لشکر مسلمان شہروں پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوئے۔ اِن لشکروں میں ایسے زبردست اور بہادر سپاہی تھے کہ اُنھوں نے عربوں پر کثرت سے فتحیں حاصل کیں۔ رومیوں کی اِس چیرہ دستی کا حال سُن کے ابو الثور نام ایک اولو العزم شخص مسلمانوں کے ایک لشکر کا سپہ سالار بن کے ۲۶۶ھ میں بغرض جہاد بلرم سے روانہ ہوا۔ اور ایک ایسے زبردست رومی لشکر سے دوچار ہو گیا کہ کسی طرح پیش نہ پا سکا۔ مگر ساتھ ہی اسلامی حمیت نے یہ بھی نہ گوارا کیا کہ مشتاقان فردوس بریں عرصۂ جہاد سے قدم پیچھے ہٹائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سوا سات مسلمانوں کے اِس اسلامی فوج کے تمام مجاہدین نے جام شہادت پیا۔

محمد بن فضل والی صقلیہ

ان ناکامیون کی خبر افریقیہ مین پہونچی تو امیر ابراہیم نے حسن بن عباس کو معزول کر کے محمد بن فضل نام ایک بہادر شخص کو والی صقلیہ مقرر کیا۔ اس نے امارت صقلیہ کا چارج لیتے ہی اطراف وجوانب مین عربی فوجین بھیجین کہ جزیرے کے سرکشون کی سرکوبی کرین۔ اور خود ایک زبردست لشکر کے ساتھ شہر قطانیہ پر حملہ کیا۔ شہر والون نے چونکہ باہر نکلنے کی جرأت نہ کی اس لیے اُس کے سارے علاقے کو لوٹ مار کے تباہ کر دیا۔ تمام کھیت اور باغ جو راستے مین پڑے اُنھین غارت کیا۔ اور آگے بڑھا۔ قطانیہ کے علاقہ سے قدم بڑھاتے ہی رومی لشکر سے اُس کا سامنا ہوا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ اور مسلمان گزشتہ ناکامیون کے انتقام مین ایسے جوش وخروش سے لڑے کہ رومیون کو بڑی بھاری شکست ہو گئی۔ اُن کے تین ہزار آدمی جان سے مارے گئے جن کے سر کٹ کٹ کے بلرم مین آئے۔ اور وہان کی رعایا کو پھر اپنے غلبے اور ابنی فتحون کا یقین ہوا۔

شاہی شہر پر مسلمانون کا قبضہ

اس کے بعد عربون نے رومیون کے ایک نئے قلعے پر حملہ کیا جسے رومیون نے اپنے غلبے کے زمانے مین بڑی مضبوطی سے تعمیر کیا تھا تاکہ مسلمانون کے حملون کا سد راہ ہوا کرے۔ اس قلعے کا اُنھون نے مدینۃ الملک یعنی شاہی شہر نام رکھا تھا۔ مسلمانون نے زبردست حملہ کر کے اُس قلعے پر قبضہ کر لیا۔ رومی اُسے کسی طرح نہ بچا سکے۔ اور اُن کے بہت سے آدمی پکڑے لونڈی غلام بنا لیے گئے۔

اسی والی کی ایک اور مہم

سنہ ۲۶۹ھ مین محمد بن فضل نے ایک عربی لشکر ساتھ لے کے شہر رمطہ کے اطراف پر تاخت کی۔ یہ لشکر لوٹتا مارتا علاقۂ قطانیہ تک جا پہونچا۔ راستے مین بہت سے رومی قتل کیے۔ بہت گرفتار کر لیے۔ اور ختم سال یعنی ماہ ذی الحجہ مین غانم و سالم اپنے مرکز حکومت شہر بلرم مین واپس آیا۔

حسین بن احمد والی صقلیہ

سنہ ۲۷۰ھ مین معلوم ہوتا ہے کہ دربار بنی اغلب نے محمد بن فضل کی جگہ حسین بن احمد نام ایک اور شخص کو والی صقلیہ مقرر کیا تھا۔ اُس والی کے عہد مین مسلمانون کے ایک زبردست لشکر نے سنہ ۲۷۱ھ مین پھر رمطہ پر حملہ کیا جو لوگ قتل و غارت کر کے اور دشمن کی قوت کو پامال کر کے واپس آئے۔ مگر اُن کے واپس آتے ہی حسین بن احمد نے وفات پائی۔

سوادہ بن محمد بن خفاجہ والی صقلیہ

حسین کی وفات کی خبر افریقیہ مین پہونچی تو وہان کے اغلبی فرمان روا ابراہیم بن احمد نے محمد بن خفاجہ کے بیٹے سوادہ کو والی افریقہ مقرر کیا اور اُس نے سنہ ۲۷۱ھ مین جزیرۂ صقلیہ مین پہونچ کے عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لے لی۔ وہ اسی سال ایک بڑا بھاری لشکر لے کے قطانیہ پر حملہ آور ہوا۔ خوب قتل و غارت کیا۔ اور لوٹ مار کے طبرمین پر پہونچا۔ وہان کے لوگون کو بھی قتل کیا۔ کھیتیان برباد کین۔ اور آگے بڑھنے کا قصد کر رہا تھا کہ رومی حاکم صقلیہ کا سفیر یہ پیام لے کے آیا کہ تین مہینے کے لیے جنگ روک دی جائے۔ اور

کرا دیے جائیں۔ سوادہ نے اُس کی یہ درخواست قبول کی تین سو مسلمان جو مسیحیوں کے ہاتھ میں اسیر تھے وہ بھی زر فدیہ ادا کر کے چھڑا لیے گئے۔ اور تین مہینے کے لیے صلح کر کے وہ بلرم میں واپس چلا آیا۔

رومیوں کا غلبہ

سنہ ۲۷۲ھ میں مدت عہدنامہ ختم ہوئی۔ فوراً سوادہ نے اُن شہروں پر جو رومیوں کے قبضے میں تھے تاختیں شروع کر دیں۔ اور اُس کی چھوٹی فوجیں متعدد شہروں کو لوٹ مار کے واپس آگئیں۔ اسی اثنا میں انجفور نام ایک بہادر رومی سپہ سالار بڑے زبردست لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ سے آیا۔ آتے ہی مسلمانوں کے مقبوضہ شہر سبرنیہ پر اُترا اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ شہر میں جو مسلمان سپہگر تھے تھوڑی قوت رکھنے کی وجہ سے سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ یہاں تک کہ زندگی سے مایوس ہو کے اُنھوں نے امان مانگی۔ اور شہر دشمنوں کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد انجفور نے ایک لشکر شہر عنتیہ پر روانہ کیا جو ناگہاں جا پہونچا اور مسلمان مقابلے کا بند و بست نہ کر سکے۔ آخر اُس شہر والوں نے بھی معاہدۂ امان کر کے شہر دشمنوں کے حوالے کیا۔ اور خود اُس میں سے نکل کے بلرم میں چلے گئے۔

ابو العباس بن ابراہیم بن احمد بن اغلب والی صقلیہ

سنہ ۲۷۲ھ کے بعد پندرہ برس تک حکومت صقلیہ کے حالات کا پتہ نہیں لگتا۔ فقط اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ درمیان میں حاکم افریقہ امیر ابراہیم نے سوادہ کی جگہ ابو مالک احمد بن عمر بن عبداللہ نام ایک شخص کو حکومت صقلیہ پر مقرر کیا تھا۔ مگر چند ہی روز میں اُس کی نسبت خلاف امید یہ سنا گیا کہ وہ نہایت کمزور رہا اور مسلمانان صقلیہ اس کی اطاعت سے باہر ہو کے سرکشیاں ظاہر کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہاں کا انتظام

کر کے روانہ کیا - چونکہ صقلیہ مین اب خود مسلمانون کو سرکشی کی سزا دینا
تھی اس لیے بہادر شاہزادہ ابو العباس ایک سو بیس جہازون پر ایک
لشکر عظیم کو سوار کرا کے اور چالیس جنگی جہاز اپنے ساتھ لے کے ساحل
افریقہ سے چلا - اور غرہ شعبان ۲۸۷ھ کو صقلیہ کے ایک بندر گاہ طرابلس
پر اترا اور اُس شہر کا محاصرہ کر لیا -

عرب فاتحان صقلیہ مین باہمی جنگ و پیکار

ابو العباس کے آنے کی خبر بلرم مین پہونچی تو اُن لوگون مین کھلبلی پڑ گئی -
وہ خود سر ہو رہے تھے - اور بغیر اپنی حکومت کی اجازت کے ایطالیہ
کے شہر جرجنت پر حملہ آور تھے - شاہزادے کے آنے کا حال سنتے ہی
جرجنت سے واپس آئے اور اپنے چند معززین کا ایک وفد اُس کی
خدمت مین بھیجا - جنھون نے ابو العباس کی خدمت مین حاضر ہو کے اظہار
اطاعت کے ساتھ جرجنت پر حملہ کرنے کے بارے مین معافی مانگی - یہ لوگ
واپس نہین گئے تھے کہ اہل جرجنت کا ایک وفد بھی شاہزادے کی خدمت
مین حاضر ہوا - اُن لوگون نے اہل بلرم کی سرکشی و بد عہدی کی شکایت
کی - اور اطلاع دی کہ اہل بلرم دراصل حضور کے خلاف ہین اور اُن کا یہ
وفد دھوکا دینے کے لیے مکر و فریب کی راہ سے آیا ہے - اُن لوگون کے نہ
عہد پیمان کا اعتبار ہے اور نہ اُن کی قسمون کا ہمارا اعتبار نہ ہو تو حضور
بلرم کے فلان فلان لوگون کو بلوائین - اگر وہ حاضر ہو جائین تو جانیے
کہ ہم جھوٹے ہین اور نہ آئین تو سمجھ لیا جائے کہ وہ مکار ہین -

ابو العباس نے امتحان کے لیے بلرم کے وفد کو روک لیا
اور جن لوگون کے نام اہل جرجنت نے بتائے تھے اُن کو بلوایا - اُن

تھا۔ یعنی اہل بلرم فساد پر آمادہ ہو گئے۔ خود اپنے فرمان روا کے مقابل اشتہار جنگ دیدیا۔ اور وسط شعبان ۲۸۷ھ کو اُن کی فوج ابو العباس کے مقابلے کو روانہ ہو گئی۔ اس لشکر کا سردار مسعود نام ایک شخص تھا۔ اور وہان کے شورہ پشت بد معاشون کا سرغنا رکمویہ اپنے شریرون کے ساتھ اُس کے ہمراہ ہوا۔ ساتھ ہی اُنھون نے تیس جہازون کا ایک بیڑا بھی دریا کے راستے پر ابو العباس کے مقابلے کے لیے روانہ کر دیا۔ یہ بیڑا سمندر مین تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ طوفان مین پڑ گیا۔ بہت سے جہاز ڈوب گئے۔ اور جو بچے ڈگمگاتے ہوے بلرم مین واپس گئے۔

جو فوج خشکی کی راہ سے روانہ ہوئی تھی وہ طرابلس مین پہونچی۔ اور ابو العباس سے اُس سے سخت لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی مین سخت خونریزی ہوئی۔ دونون طرف بہت سے مسلمان مارے گئے۔ اتنے مین شام ہو گئی۔ اور شام ہوتے ہی بغیر کسی انجام کے دونون حریفون کو جُدا ہونا پڑا۔ ۲۲ شعبان کو دوسری لڑائی ہوئی۔ اور پھر اسی شدت سے میدان جنگ گرم ہوا صبح کو جدال و قتال کا آغاز ہوا تھا عصر کا وقت ہوتے ہوتے سرکش مسلمانان بلرم بھاگ کھڑے ہوے۔ مغرب کے وقت تک پیچھا کرنے والے فاتح مفرورون کو قتل کرتے رہے۔ اور اس کے بعد خشکی اور تری کے دونون راستون سے ابو العباس نے اُن کا تعاقب کیا جو آغاز ماہ مبارک رمضان مین بلرم کے پھاٹک پر جا پہونچا۔ ۱۰ رمضان کو بلرم کے پھاٹک پر پھر لڑائی ہوئی۔ یہان بھی صبح سے سہ پہر تک تلوار چلی۔ اور عصر کا وقت آتے ہی اہل بلرم بھاگے۔ شام تک یہان بھی مفرورون کا قتل عام ہوا۔

اب ابو العباس نے حوالی بلرم مین جہان مسلمان امرا کے باغ اور دلچسپ نزہت گاہین تھین اُن کے لوٹنے کے لیے مختلف لشکر روانہ کیے۔ جن کے خوف سے وہان کے زن و مرد گھربار چھوڑ چھوڑ کے بھاگے۔ بہت سے طبرمین مین پناہ گزین ہو گئے۔ بہتون نے اور شہرون کی راہ لی۔

قسطنطنیہ اور مسیحیون کے دیگر بلاد مین جا جا کے پناہ لی۔ آخر ابو العباس دھاوا کر کے بلرم کی آبادی مین گھس پڑا۔ بے ضرر رعایا کو امان دی۔ اور جو معززین شہر فساد مین شریک ثابت ہوے اُن مین سے بہتون کو پکڑ کے پابزنجیر اپنے باپ کے پاس افریقہ مین بھیج دیا۔ جہان وہ اپنے کیفر کردار کو پہونچے ہون گے۔

ابو العباس کے حملے دشمنان اسلام پر

بلرم پر قبضہ کر کے باغیون کو کافی سزا دینے کے بعد ابو العباس نے اپنا لشکر مرتب کیا۔ اور اُن شہرون پر حملہ شروع کیا جو مسیحیون کے قبضے مین تھے۔ پہلے وہ طبرمین پر جا پہونچا۔ لوٹا مارا۔ وہان کی کھیتیان غارت کین۔ پھر قطانیہ پر پہونچ کے اُس کا محاصرہ کر لیا۔ مگر اُسے فتح نہ کر سکا۔ اور بلرم مین واپس چلا گیا۔ اور وہان ٹھہر کے جہاد کی تیاریان کرنے لگا۔ فوج درست کی۔ جہازون کا بیڑا درست کیا۔ اور جب خوب تیاری کر لی تو ربیع الاول ۲۸۸ھ کے آغاز مین جہازون پر سوار ہو کے دمنش نام صقلیہ کے ایک شہر پر لنگر انداز ہوا۔ ساحل پر اُتر کے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اور اُس کے گرد منجنیقین لگا دین۔ چند روز تک اُس کے محاصرے مین مشغول رہنے کے بعد اُس نے شہر مسینا کا رخ کیا۔ اور جنگی جہازون پر سوار ہو کے مقام ریو تک بڑھتا چلا گیا جہان رومیون کا ایک بڑا بھاری لشکر جمع تھا۔ خاص ریو کے پھاٹک پر لڑائی ہوئی۔ اور آخر سخت معرکہ آرائی کے بعد اُن کو شکست دے کے بزور شمشیر شہر کے اندر گھس پڑا۔ یہان لوٹ مین بیحد چاندی اور سونا ہاتھ آیا۔ فتح کے بعد اُس نے غلہ آٹا۔ اور بہت کچھ مال و دولت جہازون پر لادا۔ اور غانم و سالم مسینا مین واپس آیا۔ یہان آتے ہی اُس نے مسینا کی شہرپناہ منہدم کرا دی۔

بیڑا آپہونچا- اُس کی آمد سنتے ہی وہ اپنے بحری بیڑے کو لے کے مقابلے کے لیے بڑھا- دونون بیڑون مین بڑی بھاری لڑائی ہوئی- خدا نے اِس بحری مہم مین بھی ابو العباس کو فتحیاب کیا- چنانچہ اُس نے دشمنون کے تیس جہاز پکڑ لیے- اور باقی شکست کھا کے بھاگے۔

ابو العباس کی واپسی افریقہ مین

۲۸۹ھ کے شروع ہونے تک وہ مسینا ہی مین تھا کہ اُس کے باپ حکمران افریقہ ابراہیم کا خط آیا جس مین لکھا تھا کہ فوراً افریقہ مین واپس آؤ- یہ حکم پاتے ہی وہ افریقہ مین واپس گیا- اور صقلیہ کی عنان حکومت اپنے دو بیٹون ابو مضر اور ابو معد کے ہاتھ مین دے گیا۔

ابو العباس افریقہ مین پہونچا تو باپ نے اُسے حکومت افریقہ مین اپنا جانشین بنایا- اور بذات خود صقلیہ کی راہ لی تاکہ پہلے وہان جہاد کرے اور اُس کے بعد دریا کے راستے سے سفر کر کے حج بیت اللہ کی دولت سے شرفیاب ہوا۔

حکمران افریقہ ابراہیم بن احمد صقلیہ مین

ابراہیم کی نسبت ہم بتا چکے ہین کہ بڑا مدبر و منتظم اور نہایت ہی نیک فرمانروا تھا- ۲۶۱ھ سے افریقہ کی حکومت اُس کے ہاتھ مین تھی- اتنی مدت مین اُس نے اپنی سلطنت کو خوب مضبوط کیا اور بہت سے کار خیر کیے- آخر دینی جوش نے ۲۷ سال کی حکمرانی کے بعد اُسے جہاد اور حج مبرور پر آمادہ کیا- اور بیٹے کو جانشین کر کے نہایت ہی بے نفسی اور زہد و تقوی کی اسلامی زندگی اختیار کر لی- مگر اتنے دنون حکمران رہ کے اُس نے سارے افریقہ کو اپنی عدالت سے غیر معمولی ترقی دیدی تھی ڈکیتیان فنا ہو گئی تھین- اور ہر جگہ امن وامان قائم تھا۔

کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کی بحث ختم کر کے اب ہم اُن چیزون کی طرف توجہ کرتے ہین جن کو سوسائٹی اور میل جول سے خصوصیت ہے۔ اور جن پر مناسب اور اپنے مذاق کا تصرف کر کے لکھنؤ نے اُنھین اپنا بنا لیا۔

دنیا کے ہر ملک مین میل جول اور معاشرت کا ایک تمدن قائم ہو جاتا ہے۔ جس مین زیادہ تر تعلق وضع قطع اخلاق و عادات نشست برخاست طرز کلام۔ طریقۂ مذاق مکان اور فرنیچر وغیرہ کو ہوتا ہے۔ اور ان باتون کے بعد اُس سامان زندگی کو جس کی اِس سوسائٹی کو ضرورت ہو۔ فطری طور پہ یہ چیزین ہر گروہ ہر طبقے اور ہر شہر و قریے مین پیدا ہو جاتی ہین۔ اور آج بھی دنیا مین پھر کے دیکھیے تو ہر جگہ سوسائٹی کی خاص نوعیت اور اُس کے خصوصیات نظر آجائین گے۔ مگر جن مقامون مین کوئی معزز دربار قائم ہو جاتا ہے اور علم و ادب کو ترقی ہوتی ہے وہان کی سوسائٹی ایک بڑے حصۂ ملک کو اپنا تابع بنا کے اُس کے ہر شہر و قریے کی معاشرت کا مرجع اور اصول تہذیب کا مرکز بنجاتی ہے۔

ہندوستان مین تہذیب و تمدن اور آداب سوسائٹی کا اصلی مرکز یقینی طور پہ دہلی تھی۔ اس لیے کہ بہت سی صدیون تک وہ ہندوستان مین حکومت کا مستقر اور علم و فضل کا منشا و مستقر رہ چکی ہے۔ سارا ہندوستان اُس کے زیر نگین تھا۔ اور وہان کی صحبت کے تربیت یافتہ تمام صوبون کے حاکم اور ادب آموز ہوا کرتے تھے۔ لکھنؤ کے لیے اُس کے مقابل مین نہ کوئی خصوصیت ہے اور نہ اُسے کوئی امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر اس محل پہ لکھنؤ کا نام لیا جانے کی اگر کوئی وجہ ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ زمانے کے اتفاق سے پچھلی صدی مین وہی دہلی کی معاشرت پوری پوری لکھنؤ مین منتقل ہو آئی۔ اور دہین کے امرا و شرفا۔ علما و شعرا۔ اتقیا و صلحا۔ سب کے سب لکھنؤ مین چلے آئے۔ اور جو دربار دہلی مین اجڑتا تھا لکھنؤ مین آکے جمع ہوتا۔ اس لیے کہ وہان کے تمام وضعدار لوگ ایک ایک کر کے سب یہین چلے آئے۔ اور یہان اطمینان

حاصل ہو گئی تھی کہ وہ اپنی ترقی یافتہ معاشرت پہ اور ترقیان کرتے گئے
اور پھر لطف یہ کہ دہلی والون کی جو معاشرت اودھ مین آ کے قائم ہوئی تھی اُس مین سوا دہلی والون کے کوئی غیر شخص نہ تھا۔ حتیٰ کہ لکھنؤ کے پرانے معزز باشندون کو بھی اُس مین بالکل جگہ نہین ملی۔

لہذا لکھنؤ کی معاشرت دراصل دہلی کی معاشرت اور وہین کی ترقی یافتہ سوسائٹی کا آخری نمونہ ہے۔ اِس پچھلی صدی مین دہلی کے پُرانے تمدن کے دو اسکول ہو گئے تھے۔ ایک وہ جو خاص دہلی مین موجود تھا اور دوسرا وہ جو لکھنؤ مین منتقل ہو آیا۔ لیکن اس مین شک نہین کہ زوال سے پیشتر کی آخری صدی مین اُس اسکول کے لیے جو دہلی مین تھا دربار مغلیہ کے کمزور پڑ جانے اور دولت مندی کے مٹ جانے کی وجہ سے میدان ترقی مین آگے قدم بڑھانے کا ویسا موقع نہین نصیب تھا جیسا لکھنؤ والے دہلی کے اسکول کو حاصل تھا۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ اِس زمانے مین لکھنؤ کا تمدن ترقی کر رہا تھا۔ اور دہلی کے قدیم تمدن کی ترقی رُک گئی تھی۔ الغرض یہی ترقیان لکھنؤ کی سوسائٹی کے خصوصیات ہین۔ بلکہ غور کرنے سے یہ نظر آتا ہے کہ دہلی مین تمدن و معاشرت کو قدیم شہنشاہی دربار کی برکتون سے جو ترقی حاصل ہوئی تھی پچھلے دور مین تجارت پیشہ جاہل قومون کے غلبے اور قدیم خاندانی شرفا کے دیگر بلاد مین منتشر ہونے۔ یا خانہ نشین ہو جانے کے باعث وہ بھی تشریف لے گئی۔ اور سچ یہ ہے کہ اودھ کے شاہی دربار کے ٹوٹ جانے کے بعد سے بیرونی لوگون کے میل جول۔ اور پُرانے مہذب خاندانون اور اُن کے اثر کے مٹ جانے کی وجہ سے جو تہذیب لکھنؤ مین پیدا ہوئی تھی وہ بھی روز بروز رخصت ہوتی جاتی ہے۔

مگر ہمین اُس بدتمیزی کی سوسائٹی اور اُن متمردانہ اخلاق و آداب سے بحث نہین جو غدر کے بعد سے لکھنؤ مین پیدا ہونا شروع ہو گئے اور ترقی کرتے جاتے ہین۔ ہماری غرض محض اُس تہذیب کو بتانا ہے جو لکھنؤ کے شاہی دربار کے آغوش مین پرورش پا کے یہان کی صحبتون مین پیدا ہو گئی تھی۔

یہان کی معاشرت کے متعلق اپنے اِس مضمون کے سلسلے مین ہم مندرجہ ذیل امور کو بیان کرنا چاہتے ہین- (۱) مکان (۲) فرنیچر (۳) وضع قطع (۴) اخلاق وعادات- (۵) نشست برخاست (۶) صاحب سلامت و مزاج پرسی- (۷) طرز کلام- (۸) طریقۂ مذاق- (۹) شادی و غمی کی محفلین (۱۰) مجلسین- (۱۱) مولد شریف کی محفلین- پھر اُن کے بعد ہم اُن چیزون کو بیان کرین گے جو لوازم صحبت اور سامان معاشرت ہین-

(۱) مکان- دہلی اور لکھنؤ مین مکانون کے متعلق پُرانا مذاق یہ تھا کہ ظاہری نمایش اور شانداری صرف شاہی قصرون اور ایوانون کے لیے مخصوص تھی- اُمرا و تجار اپنے رہنے کے لیے جو مکان تعمیر کراتے وہ اندر سے چاہے کیسے ہی وسیع اور نفیس ہون مگر اُن کی ظاہری حالت بالکل معمولی مکان کی سی ہوتی- اور اِس مین مصلحت یہ تھی کہ جو مکان ظاہر مین شاندار ہوتے اکثر بادشاہون کے پسند آجاتے- اور بنوانے والون کو اُن مین رہنا بہت کم نصیب ہوتا- ساتھ ہی یہ بھی تھا کہ رعایا مین سے کسی کا تعمیر مکان مین شاہانہ اولوالعزمی دکھانا تمرد و سرکشی پر محمول کیا جاتا- اور اُسے سلامتی کے ساتھ زندگی بسر کرنا دشوار ہو جاتا-

اسی وجہ سے آپ کو دہلی مین مقبرون کے سوا قدیم الایام کی ایک بھی ایسی عمارت نہ نظر آئے گی جو عالیشان ہو اور رعایا مین سے کسی عالی مرتبہ امیر یا دولتمند تاجر کی بنوائی ہوئی ہو- لکھنؤ مین بھی ابتدا٘ یہی حال تھا- نواب آصف الدولہ اور نواب سعادت علیخان کے زمانون مین ایک دولتمند فرانسیسی تاجر میو مارٹن نے دو ایک عالیشان عمارتین تعمیر کین مگر اُن کی تعمیر مین اصلی منشا یہ تھا کہ فرمان روائے شہر کو پسند آئین اور اُس کے ہاتھ فروخت کر ڈالی جائین- اُنھین عمارتون مین لا مارٹنیر کالج ہے جس پر نواب سعادت علیخان کی جزرسی کیوجہ سے اسٹیٹ کا قبضہ نہ ہو سکا یہ وہی کوٹھی ہے جو فی الحال عوام مین "مارکین صاحب کی کوٹھی" کے نام سے مشہور ہے-

اس کے بعد یہان کے ایک وزیر روشن الدولہ نے اپنے رہنے کے لیے ایک عمدہ عمارت بنوائی تھی جس کا انجام یہ ہوا کہ سلطنت کے حکم سے ضبط کر لی گئی- اور انتزاع سلطنت کے وقت اُس کا شمار مقبوضات شاہی مین تھا- چنانچہ انگریزی دور مین وہ سرکاری جائداد ہونے کی حیثیت

گورنمنٹ کے قبضے مین آگئی اور روشن الدولہ کے ورثہ کو نہین دیگئی۔ مگر آج تک وہ روشن الدولہ
ہی کی کوٹھی کہلاتی ہی گو کہ اُس مین صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اور ان کے اسسٹنٹ اجلاس کرتے ہین۔

رعایا کے عام مکانون کی وضع یہان یورپ کی کوٹھی نما مکانون سے بالکل جداگانہ ہوتی
ہی۔ یورپ مین مکان کے اندر صحن کی ضرورت نہین ہی۔ اس لیے کہ مردون کی طرح عورتین بھی
پردہ نہ کرنے کی وجہ سے باہر جا کے کھلی فضا مین ہوا کھا لیتی ہین۔ لہذا وہان کے خلاف یہان
ضرورت ہی کہ مکان کے اندر صحن ہوا کرے۔ تاکہ عورتین گھر کے اندر ہی کھلی فضا کا لطف اُٹھا سکین۔

اس ضرورت اور یہان کی معاشرت کے دیگر تقاضون نے یہان کے مکانون کی عام قطع
یہ کردی ہی کہ بیچ مین صحن اُس کے گرد عمارت۔ اِس عمارت مین ایک رخ صدر قرار دیدیا جاتا ہی
اور اُدھر اینٹ چونے کے ستونون پر کم از کم تین اور کبھی اس سے زیادہ محراب دار در قائم کیے
جاتے ہین۔ محرابین عموماً شاہجہانی محرابون کے نمونے کی ہوتی ہین یعنی اُن مین چھوٹی چھوٹی قوسون
کو خوشنمائی سے جوڑ کے بڑی محراب بنائی جاتی ہی۔ صدر مین اکثر ایسی محرابون کے دوہرے تہرے
ہال ہوا کرتے ہین پچھلا ہال کبھی دروازے لگا کے ایک بڑا کمرہ بنا دیا جاتا ہی۔ اور اکثر یہ بھی ہوتا
ہی کہ تقریباً کمر تک اُس کی کرسی بلند کرکے وہ شہ نشین بنا دیا جاتا ہی۔

ان بڑے ہالون کے دونون پہلوؤن پر کمرے ہوتے ہین۔ اور ہال کی چھت اتنی اونچی
ہوتی ہی کہ پہلو مین تلے اوپر دو کمرے ہال کی ایک چھت کے اندر آجاتے ہین۔

اب صحن کے دونون پہلوؤن پر اُس کے طول کے مناسب دالان۔ کمرے اور کوٹھریان
بنا دیجاتی ہین۔ جن مین باورچیخانہ۔ پاَخانہ۔ مودی خانہ۔ زینہ۔ حمام۔ کنوان۔ اور ماما اصیلون
کے رہنے کے مقامات ہوتے ہین۔ صدر دالان کے مقابل جانب بھی اگر ضرورت معلوم ہوئی
یا استطاعت ہوئی تو ویسے ہی عالیشان دالان اُدھر بھی بنا دیے جاتے ہین جیسے کہ صدر جانب ہوتے
ہین۔ دروازہ اکثر پہلو مین یعنی اُن سمتون مین ہوتا ہے جدھر باورچی خانہ اور شاگرد پیشہ
کے رہنے کے کمرے ہوتے ہین جس کے سامنے اندر کے رُخ پر مقابل و ایک پہلو مین قد آدم سے
ذرا بلند ایک دیوار قائم کردیجاتی ہے تاکہ دروازے سے اندر کا سامنا نہ رہے۔

غریبون اور اوسط درجے والون کے مکانون مین اکثر پختہ محرابون کے
عوض اُسی وضع کے چوبی سہ درے قائم کرکے دالان بنا دیے جاتے ہین۔ جن مین
صدر مین، اور کبھی اُس کے مقابل جانب بھی دالان در دالان ہوتے ہین۔ اس قسم کے

ہین۔ اور اُن کے پہلوؤن مین ایک ایک دروازے کی کوٹھریان نکلتی ہین جو مختلف ضروریات کا کام دیتی ہین اور اُنھین مین سے کسی مین باہر کا دروازہ ہوتا ہے۔

یہ یہان کے مکانون کا ایک عام خاکہ تھا۔ مگر اسی مجموعی وضع کو قائم رکھ کے اکثر مکانون مین نیچے اوپر ہر جگہ ایسی حکمت اور خوش اسلوبی سے یکدرے، کمرے اور کوٹھریان نکالی جاتی ہین کہ تعجب معلوم ہوتا ہے اتنی تھوڑی سی جگہ مین اتنی مکانیت کیونکر آ گئی۔

فن عمارت کی تاریخ پر نظر ڈالیے تو نظر آئے گا کہ ابتدا مین پست عمارتین بنتی تھین۔ پھر بلند اور مضبوط مگر سادی عمارتین بننے لگین۔ اس کے بعد زیب و زینت کے لیے اُن پر نقش و نگار بننے لگے۔ پچی کاری کی ایجاد ہوئی۔ اور عجیب و غریب طریقے سے رنگ آمیزیان کیجانے لگین۔ لیکن باوجود ان سب کمالون کے اب تک بڑے بڑے چوڑے آثارون کی دیوارین ہوتین۔ اور اُن مین بڑے بڑے ہال۔ اور دیوان خانے بنا دیے جاتے۔

سب سے بعد کا کمال ہندوستانی عمارت مین یہ تھا کہ درزی کی سی کتر بیونت کر کے تھوڑی سی زمین مین بہت زیادہ مکانیت نکال دیجائے۔ عمارت کا یہ کمال خاص دہلی سے شروع ہوا۔ وہین اُس نے بڑے اعلیٰ درجے تک ترقی کر لی۔ وہان سے سب جگہ پھیلا۔ اور لکھنؤ مین اُس نے سب مقامات سے زیادہ ترقی کی۔

آج کل بڑے بڑے اُستاد انجنیر موجود ہین جنھون نے بڑی بڑی عالیشان عمارتین بنوائی ہین۔ وہ نمائشی طور پر عمارت کی ایک نہایت ہی خوبصورت اور شاندار شکل قائم کر دین گے۔ لیکن یہ کام فقط پُرانے کاریگرون کا حصہ ہے کہ زمین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر عالیشان عمارت بنا کے کھڑے کر دین۔ اور اُس مین مہندسانہ کمال سے اتنے دالان کمرے کوٹھریان اور

کی دیوارین اتنی پتلی نازک سبک اور اس کے ساتھ مضبوط ہوں کہ معلوم ہوا اینٹ چونے کی دیوارین نہیں لکڑی کی اسکرینین ہین۔

عمارت مین لکھنؤ کی یہی خصوصیت تھی جس کو اگلے دربار نے نشو ونما دیا۔ مگر اب انگریزی عہد مین یہ ناقدری کیوجہ سے مٹتا جاتا ہے۔ پرانے کاریگر فنا ہو گئے اور جو دو ایک باقی ہین اُن کی قدر نہین۔

مگر پرانے ہی زمانے سے ہندو مسلمانون کے مکانون مین ایک بین فرق چلا آتا ہے جو آج تک موجود ہے۔ ہندو اپنے مکانون مین صحن بہت چھوٹا اور تنگ رکھتے ہین۔ اور بلالحاظ اس کے کہ ہوا اور روشنی کا گزر ہوگا یا نہین مکانیت بڑھاتے چلے جاتے ہین۔ بخلاف اس کے مسلمان کھلے ہوادار مکان چاہتے ہین۔ اور مکانیت اُسی درجے تک بڑھاتے ہین جہان تک کہ ہواداری اور روشن رہنے مین فرق نہ آئے۔ لیکن باوجود مسلمانون کے اس مذاق کے اگلے کاریگرون نے اُن کے ہوادار مکانون مین بھی اس قدر مکانیت نکالی ہے کہ دیکھنے والے عش عش کر جاتے ہین۔

اس کے علاوہ اُس زمانے کے باکمال معمار دروازون کمرون کی محرابون اور دالانون اور کمرون کی دیوارون پر مختلف رنگون سے ایسے نفیس و اعلے درجے کے نقش و نگار بناتے تھے جیسے اب مشکل سے بن سکتے ہین۔ اور آج کل مصوری کا فن بے شک ترقی کر گیا ہے۔ مگر معمار جیسی نقاشی در و دیوار پر کیا کرتے تھے وہ مٹ گئی۔ اور عہد جدید کی سادگی پسندی کی وجہ سے روز بروز مٹتی جاتی ہے۔ تاہم اب بھی یہان اس کام کے بعض اُستاد معمار ایسے پڑے ہین کہ اُن کی سی نقاشی شاید کسی شہر کے معمار نہ کر سکین گے۔ نقش و نگار ہی نہین وہ چھتون اور دیوارون پر اعلے درجے کی تصویرین بھی بنا سکتے ہین۔

معمارون ہی پر منحصر نہین اُس وقت کے بڑھئیون کو بھی یہی کمال حاصل تھا۔ وہ چاہے اعلے درجے کی میزین کرسیان اور الماریان یا ریلوے ٹرین کی گاڑیان نہ بنا سکین۔ مگر ستونون محرابون اور دروازون کے چوکھٹ بازون پر ایسے نفیس و نازک نقش و نگار کھود کے بنا دیا کرتے تھے جیسے آج مشکل سے بن سکین گے۔

علم کی مجوزہ جامعہ "علم الٰہی"

دو شعبوں میں منقسم، شعبۂ ابتدائیہ تمہیدیہ، شعبۂ انتہائیۂ اصلیہ۔

شعبۂ تمہیدیہ درس نظامیہ، شعبۂ اصلیہ درس الہیہ۔

نصاب شعبۂ اصلیہ درس الٰہیہ، نصاب الٰہی دو قسموں میں منقسم۔

نصاب الٰہی کبیر عربی۔ نصاب الٰہی صغیر اردو۔

نصاب الٰہی کبیر عربی دو حیثیتوں میں بہ حیثیت علم و فن و بہ حیثیت کتاب و طریقۂ درس۔

النصاب الالٰهی الکبیر العربی من حیث العلوم والفنون۔

(۱) علم الدین۔ یعنی فلسفہ دین مطلق۔ مقابلۂ لادینی و الحاد۔

(۲) علم الکتاب (قرآن کریم) بطرز حاوی و جامع مباحث و رموز قدیمہ و جدیدہ۔ خصوصاً اعتراضات مذاہب مقابل اسلام بطریق ردّ و تنقید۔

(۳) السنۃ (حدیث و سیرت) بطرز اقتصار بہ مباحث و دقائق اصولیہ۔ خصوصاً اعتراضات و شکوک مخالفین و موافقین۔

(۴) علم الادیان۔ یعنی علم عقائد و احوال مذاہب۔ بہ طریق موازنہ و استخراج نتائج۔

(۵) علم الاسلام (کلام) یعنی فلسفۂ اسلام مطلق (بدون تعرض مسائل جزئیہ و تفصیلیہ) بمقابلہ مذاہب غیر۔

(۶) علم تاریخ الدین۔ یعنی مخصوص تاریخ مذہب و مذاہب۔ بہ اختصاص مذاہب عظیمہ۔ بطریق استخراج نتائج و تقدیم بحث تاریخ مطلق۔

(۷) علم جغرافیۃ الدین۔ یعنی مخصوص جغرافیہ مذہب و مذاہب۔ بہ تخصیص نظریۂ اسلام۔ بہ تقدیم بحث جغرافیہ مطلق۔

(۸) علم تمدن الدین۔ یعنی علم نشو و ارتقاء مذہب با اختصاص نظریۂ اسلام۔ بہ تقدم بحث مطلق تمدن انسانی۔

(۹) علم الحقیقۃ (تصوف) بہ طرز تطبیق بین الحقیقۃ و تمدن۔ بین الحقیقۃ و فلسفہ۔ بین الحقیقۃ و دین۔ و موازنہ بین علم الحقیقۃ اسلام و علم الحقیقۃ مذاہب غیر۔

(۱۰) علم الدعوۃ۔ یعنی علم ماہیت و اصول دعوت۔ خصوصاً دعوت دینیہ و بالاخص دعوت اسلامیہ منضمن بہ تاریخ الدعوۃ والداعیین۔

(۱۱) الالسنۃ۔ سنسکرت بھاشا۔ انگریزی۔ عبری۔ سنسکرت و بھاشا بقدر کفایت لازم۔ انگریزی و عبری اختیاری۔

(۱۲) مشق المناظرہ۔ والخطابۃ والانشاء۔ مناظرہ مخصوص بہ مسائل مذہبیہ خلافیہ اصولیہ۔ ہر ہفتہ یکبار۔ خطابت۔ محدود بہ مضامین علمی و مذہبی۔ ہر ماہ دوبار۔ انشاء۔ بلا تحدید و تعیین اوقات عند الموقع والضرورت۔

النصاب الالٰهی الکبیر العربی من حیث الکتب و طریق التعلیم

علم	طریق تعلیم	کتب
(۱) علم الدین۔	درس	(الدین) انتخابات کتب ذیل نقد المحصل۔ التشریع و فلسفہ
(۲) علم الکتاب (القرآن)	(درس املا)	القرآن الکریم باعانت تفاسیر قدیمہ و جدیدہ و انتخابات کتب مقدسہ و اناجیل اربعہ کتب توراۃ۔ دساتیر۔ ژند و پاژند۔ وید اربعہ۔ گیتا۔ وغیرہ۔
(۳) علم السنۃ (حدیث و سیرت۔	(درس املا۔)	تیسیر الوصول الطریقۃ المحمدیۃ والسیرۃ النبویہ۔ و انتخابات کتب سیر و احادیث۔ مغازی الرسول۔ شفاء عیاض۔ نفس کارلائل وغیرہ۔
(۴) علم الادیان	(درس)	(الادیان) و انتخابات کتب ذیل کیفیت انتشار الادیان۔ الملل والنحل شہرستانی۔ الملل والنحل ابن حزم و دبستان

(۵) علم الاسلام (کلام) (درس) الاسلام (با نتخابات کتب ذیل - الفقه الاکبر - الابانة - الاقتصاد - اساس التقدیس - کشف الادلة - شرح مقاصد - شرح التجرید - تهافت الفلاسفة - لوامع الانوار - رسالة التوحید - الاسلام فی عصر العلم - الحصون - العقیدة الاسلامیه

(۶) علم تاریخ الدین (درس) عصر الدین - (با نتخابات کتب ذیل - التاریخ العام - تشعیب الامم بعد الطوفان - تطور الامم - طبقات الامم - تاریخ الحضارة - تاریخ الامم الاسلامیه - الفتوحات الاسلامیه - دروس التاریخ الاسلامی -

(۷) علم جغرافیة الدین - (درس) (عالم الدین) (با نتخابات - التحفة الازهریه - جغرافیه عمومیه

(۸) علم تمدن الدین - (درس) نشو الدین (با نتخابات - الحضارة - روح الاجتماع - الانسان والدنیا - الانسان الطبعی - التمدن الحدیث - التمدن الاسلامی -

(۹) علم الحقیقة - (تصوف) (درس املا) (الحقیقة) (با نتخابات خصوص - عوارف - احیاء - المعارف الدینیه - جامع الاصول - المذهب الروحانی -

(۱۰) علم الدعوة (درس) الدعوة والدعاة -

نصاب آلی صغیر اردو غیر مستعمل بحالت موجوده

دستور کلی جامعۃ الہیۃ اسلامیہ (مدرسہ الہیات)

ضوابط اصولیہ طلبہ جامعۃ الہیہ

(۱) باب عہد

(۱) عہد استیفاء مدت تعلیم (۲) عہد استقامت وفایہ جامعہ (۳) عہد عزیمت تکمیل مقصد جامعہ یعنی دعوت اسلامیہ -

(۲) باب تعلیم

(۱) جہد تام بہ تکمیل تعلیم (۲) لزوم امتحان - (۳) لزوم دستہائے علمی -

(۳) باب التربیۃ

(۱) لزوم اقامۃ بدار الاقامۃ جامعہ بامو ظفین - (۲) وجوب حفظ شریعت - (۳) وجوب حفظ دستور جامعہ -

(۴) باب وظیفہ

(۱) منتہین و مستندین عربی عہ ماہانہ (۲) متوسطین عربی مع ماہانہ (۳) منتہین انگریزی بشرط وقوف زبان عربی عۃ ماہانہ - (۴) متوسطین انگریزی بشرط مذکو عــــہ (۵) منتہین و مستندین عربی بشرط وقوف زبان انگریزی یا مہارت تامہ بہ مخصوص علمی از علوم درس نظامیہ یا مہارت کاملہ بہ فن تقریر و تحریر عــــہ (۶) متوسطین عربی بشرط مذکور عــــہ ماہانہ (۷) شرکا رشعبہ نظامیہ جامعہ - مختلف وظائف بعد اندازہ استعداد و درجہ ط تا سے

(۵) باب مدت تعلیم

(۱) نصاب آلی کبیر مدت تعلیم دو سال - (۲) نصاب آلی صغیر اردو مدت تعلیم ہنوز غیر منفصل (۳) نصاب نظامی مدت تعلیم سال

(۶) باب شرائط داخلہ

(۱) استعداد منتہیہ و متوسط درسی (۲) استعداد بحث و خطابت - (۳) استعداد ذکاء و جدت (۴) امتحان استعدادات مذکورہ -

(۷) باب لوازم بعد فراغ

(۱) اختیار خطاب آلیت لزوماً - (۲) وجوب ارتباط بہ جامعہ و اعانت و خدمت جامعہ بہر نوع ممکن - (۳) تصمیم عزم و عمل بہ خدمت مقصد جامعۃ دعوۃ اسلامیہ -

---

حسن کی کرشمہ سازیان

مہ جبین روم لُقریطیہ

لُقریطیہ روتہ الکبریٰ کے عہد قدیم کی ایک نامور حسینہ وعفیفہ تھی۔ حاکم روم لُقریطیوس کی بیٹی اور قلاطینوس نام ایک رومی سردار کی بیوی تھی اُن دنون روم پر ایک بیرونی قوم ونسل کے بادشاہ طارکوئین کا قبضہ تھا جس نے رومیون کو اپنا غلام بنا کے نہایت ہی ذلیل وخوار کر رکھا تھا۔ مگر لُقریطیہ کے شوہر قلاطینوس سے شاہ طارکوئن سے قرابت تھی جس کے باعث دونون میان بیوی نہایت معزز سمجھے جاتے۔ اور شاہزادون اور شاہزادیون کے ہم مرتبہ تھے۔

اتفاقاً طارکوئن کے حکم سے قلعۂ آردیہ کا محاصرہ کیا گیا۔ جو رومہ سے ایک منزل سے زیادہ مسافت پر نہ تھا۔ وہان طارکوئن کے تین بیٹے اور لُقریطیہ کا جوان سال شوہر قلاطینوس محاصرہ کیے پڑے تھے کہ ایک رات کو کھانے پر چارون مین اپنی اپنی بیویون کی دانائی وقابلیت پر بحث ہوئی۔ ہر ایک اپنی بیوی کی خوبیان بڑھا بڑھا کے بتاتا۔ اور اُسے سب کی بیوون پر ترجیح دیتا۔ آخر یہ رائے قرار پائی کہ علی الصباح چارون گھوڑون پر سوار ہو کے رومہ مین جائین اور دیکھین کہ اُن کی بیویان اپنے گھرون مین کیا کر رہی ہین۔ اور کن کامون مین مشغول ہین

دوسرے دن چارون رومہ مین پہونچے اور چارون نوعمر خاتونون

ہو۔ غضب مین تصرف تھین مگر لقریطیہ کو دیکھا کہ اپنی ہم سن سہیلیون کے ساتھ بیٹھی ایک سادگی و نازنینی کی ادا سے اُون کات رہی ہے۔ اس امتحان کے نتیجے مین سب کو تسلیم کر لینا پڑا کہ چارون عورتون مین اچھی اور قابل قدر لُقریطیہ ہے۔ اور اُس کی خوبی کا اعتراف کر کے چارون نوجوان پھر قلعۂ آردیہ کے گرد اپنے پڑاؤ مین چلے گئے۔

لیکن اِس دلگی کے مناظرے اور جورُوون کے مقابلے مین ایک نیا فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ یہ کہ جھگڑے کے فیصلے کے لیے چارون نوجوانون نے ایک دوسرے کی جورو کو جو دیکھا تو طارکوئن کا بڑا بیٹا سکسطوس جو ایک ضدی نفس پرست۔ اور خواہشات نفسانی کا بندہ تھا۔ لقریطیہ کا جمال جہان آرا دیکھتے ہی ایک جان چھوڑ ہزار جان سے اُس پر فریفتہ ہو گیا۔ اور دل مین ٹھان لی کہ چاہے آبرو جائے یا رہے۔ بدنامی ہو یا نیکنامی۔ اور اصول اخلاق کے موافق ہو یا مخالف۔ مین اِس بے نظیر پری وش کے حُسن کا مزہ ضرور لوٹون گا۔

چنانچہ دو چار روز ٹُھلا وادے کے ایک دن چپکے سے محاصرے کے پڑاؤ سے رومہ مین آیا۔ اور سیدھا لُقریطیہ کے پاس جا کے اُس کا مہمان ہوا۔ لُقریطیہ شاہزادہ سمجھ کے اُس سے بڑے تپاک سے ملی۔ نہایت ہی خاطر تواضع سے پیش آئی۔ اور اُس کے ٹھہرانے کے لیے بہت تکلف کا سامان کیا۔ رات کو کھانا اُس کے ساتھ کھایا۔ اور جب سونے کا وقت آیا تو اُسے اُس کمرے مین پہونچا کے جو اُس کے لیے آراستہ کیا گیا تھا اپنی خوابگاہ کے کمرے مین گئی۔

جب آدھی رات سے زیادہ گزر گئی اور سکسطوس کو یقین ہو گیا کہ سب گھر والے سو گئے ہین شمشیر برہنہ ہاتھ مین لیے ہوئے اپنے کمرے سے نکلا۔ اور دبے پاؤن جا کے لقریطیہ کے کمرے مین گھس پڑا۔ آہستہ سے اُسے جگایا۔ اور اظہار عشق و فریفتگی کر کے اُسے بہلانے پھُسلانے لگا۔ مگر صاحب عفت لقریطیہ نے صاف انکار کیا۔ اور پہلے تہذیب و ادب سے پھر ناراضی و ناگواری سے اُسے سمجھانے لگی کہ اِس ارادے سے باز آ۔ مگر ضدی

... جب لُقریطیہ کو [illegible] راضی نہ پایا تو ڈرانے
دھمکانے لگا۔ مگر دھمکی بھی کارگر نہ ہوئی۔ اِدھر سے جس قدر اصرار ہوتا تھا
اُسی قدر اُدھر سے ضد اور نفرت بڑھتی جاتی تھی۔ آخر سکسطوس نے طیش
کے لہجے مین کہا "تم نے میرا کہنا نہ مانا تو تمھین اسی وقت مار ڈالون گا"
لُقریطیہ نے غیر معمولی استقلال سے اِس کا یہ جواب دیا کہ "مار ڈالو۔ مین جان
دون گی مگر آبرو نہ دون گی" سکسطوس اب اور برافروختہ ہوا اور بولا "اچھا
مین تمھاری جان بھی لون گا اور آبرو بھی۔ پہلے تم کو قتل کرون گا پھر تمھارے
حبشی غلام کو جو دوسرے کمرے مین موجود ہے مارون گا۔ اور اُس کی
لاش کو تمھاری لاش کے برابر لٹا کے غل مچا دون گا کہ مین نے تم کو اپنے
سیہ فام غلام کے ساتھ ہم آغوش دیکھا۔ اور مارے غیرت کے دونون کو
مار ڈالا۔ انجام یہ ہو گا کہ میری سب مین تعریف ہو گی۔ اور تم ہمارے شہر مین
تُھڑی تھڑی۔ اپنے شوق اور اپنی آرزو مین نامراد البتہ رہون گا۔ مگر تمھارے
اِس خوبصورت چہرے مین بھی قیامت تک کے لیے بے عصمتی و رسوائی کی کالک
لگا دون گا"

یہ اِس بلا کی دھمکی تھی کہ لُقریطیہ کانپ گئی۔ چنانچہ اِس موقع پر اُس
کی اخلاقی شجاعت نے کمزوری دکھائی۔ اور اُس کے پاے استقلال کو لغزش
ہو گئی۔ ہاتھ پاؤن ڈال دیے۔ اور مجبور ہو کے بداخلاق دشمن عصمت کو اپنی
خواہش پوری کرنے کا موقع دیدیا۔ غرض سکسطوس اپنی ضد پوری کر کے
اپنے کمرے مین گیا۔ اور صبح ہوتے ہی خوش خوش اپنی کامیابی پر ناز کرتا
ہوا کیمپ مین واپس گیا

اُسی صبح کو لُقریطیہ نے آدمی بھیج کے اپنے خسر اور شوہر کو بلا بھیجا
اور جیسے ہی آئے اُن کے سامنے رات کی سرگزشت بلاکم و کاست بیان کر دی
دونون کو بے حد صدمہ ہوا۔ سکسطوس سے انتقام لینے کا وعدہ کیا اور اُس
کے شکستہ دل کو تسلی دینے لگے۔ مگر دیکھا تو اُس کی وحشت کسی طرح کم ہونے

مگر تمھارے انتقام لینے سے مجھے اپنی کھوئی ہوئی آبرو نہین مِل سکتی'' یہ کہتے ہی جوش کے ساتھ خنجر کھینچ لیا۔ جسے پہلو مین چھپائے ہوے تھی۔ اور ایک ہی ہاتھ مین سینہ اور دل چاک کر کے گری اور تڑپ کے مرگئی۔

اس واقعے نے لقریطیہ کے شوہر اور سُسرے کو ایسا جوش دلایا کہ اُسی وقت انتقام لینے کو اُٹھ کھڑے ہوے۔ تمام رومی رعایا نے اُن کا ساتھ دیا۔ اور طارکوئین کے لیے یہ ایسا بدنام کرنے والا واقعہ تھا کہ خود اُس کا سگا بھتیجا بروطوس بھی لقریطیہ کے خون کا انتقام لینے والون مین آکے شریک ہوگیا آخر شاہ طارکوئین کے خلاف لوگون مین ایسا جوش و خروش پیدا ہوا کہ اُس اور اُس کے تمام خاندان والون سے سوا بھاگ کھڑے ہونے کے کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ اُس کے جاتے ہی رومیون مین جمہوری سلطنت قائم ہوگئی۔ اور وہ بادشاہون کی غلامی کرنے سے آزاد ہو گئے۔ جو دراصل اسی لقریطیہ کی عصمت و شرافت کی برکت تھی۔

۵۰۹ سنہ قبل محمد صلعم مین لقریطیہ نے جان دیدی تھی اور ۴۹۷ سنہ قبل محمد مین خاندان طارکوئن کا کہین پتہ نہ تھا۔ اور رومی قوم جمہوریت کے آغوش مین پرورش پارہی تھی

چلتے پھرتے باغ و مکان

خدا کی عجیب و غریب قدرت کا ایک یہ بھی نمونہ ہے جو ہمارے لیے حد سے زیادہ حیرت انگیز ہو سکتا ہے کہ دریاؤن اور جھیلون مین پانی کی سطح پر تیرتے اور چلتے پھرتے قطعات زمین بن جاتے ہین۔ اور وہ اس قابل ہوتے ہین کہ اُن پر باغ لگائے جائین۔ کھیت بوئے جائین۔ اور شاداب ترکاریان تیار کی جائین۔

ہمارے ہندوستان مین جابجا گنگا مین زمین کے بڑے بڑے تختے سطح آب پر پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہتے ہوے دیکھے جاتے ہین۔ مگر یہ عموماً انسانون کے بنائے ہوے نہین بلکہ خود قدرت الٰہی کی صنعت ہوتے

اور جڑ جانے سے بن جاتے ہین - اور جب تیار ہو چکتے ہین تو سیلاب مین پانی
کا زور اُنھین کنارے سے چھڑا کے بہا لاتا ہے - اور معلوم ہوتا ہے کہ دریا
کے آغوش مین ایک شاداب اور نزہت بخش مرغزار بہتا چلا جاتا ہے - ان
مین سے بعض پر اکثر بڑے بڑے پیڑ بھی دیکھے جاتے ہین - اور اُن کو چلتے پھرتے
دیکھ کے عقل انسانی چکر مین آجاتی ہے -

انگلستان کی جھیلون مین بھی دو ایک ایسی جھیلین ہین جن کی سطح پر اسی
قسم کے تختہ ہاے زمین پانی مین سدا بہار باغ لگانے کے لیے پیدا ہو گئے ہین -
اور اِس سے بھی زیادہ لطف و حیرت کی یہ بات ہے کہ وہان کی جھیل "ڈرونٹ واٹر"
مین جو ایسا ہی ایک مصنوعی تختۂ زمین ہے اُسکے آغوش مین ایک اور جھیل
پیدا ہو گئی ہے -

مملکت پروشیا (جرمنی) مین "ایک جھیل باغ" ہے اُس کی سطح آب
پر بڑے بڑے تیرنے والے اور چلتے پھرتے جزیرے ہین - اور ایسی ہی
ایک جھیل مین ایسے مضبوط قطعات زمین بن گئے ہین جن پر اچھے اور نفیس جھاڑ
کے درخت لگائے جاتے ہین - اسپین والون نے جب امریکہ کو فتح کیا ہے تو میکسکو
کی جھیل مین بھی تیرتے اور چلتے پھرتے باغ دیکھے تھے -

شمالی و مغربی ہند مین یعنی کشمیر مین اور تبت و ایران کی سرحد پر لوگ اپنی
جھیلون مین خود ہی ایسے جزیرے اور قطعات زمین بنا لیا کرتے ہین جن پر وہ
باغ لگاتے ہین - اور تربوزون - اور خربزون - کھیرون - ککڑیون اور دیگر
بقولات کے جو مرطوب زمین چاہتے ہون بڑے بڑے کھیت تیار کرتے ہین -
جن کی نسبت اختیار رہتا ہے کہ جبتک چاہین کسی جگہ قائم رکھین اور جب
چاہین کسی اور مقام پر ہٹا لیجائین - یہان کوئی کسی سے کہے کہ فلان شخص کے
کھیت کو چور چرا لے گئے تو تم اُسے مجنون و فاترالعقل کہو گے - مگر وہان بھی تمھارے
خیال کے خلاف فطرت واقعات روز پیش آیا کرتے ہین - اور اکثر کھیتون کی چوریان

پانے کھیت مین ملا لیتے ہین - کشمیر مین اِس قسم کے تختون پر جہان باغ ہو گیا ہے
اور پھول کھلے ہین وہان کی بہار سارے مناظر قدرت کو مات کر دیتی ہے -
یہ تختہ ہاے زمین بہت پتلے سُبک اور نازک ہوتے ہین - اور اُن کا
دَل کہین شاذ و نادر ہی ایک فٹ سے زیادہ ہوتا ہے - اصلی چیز جن پر
اُن تختون کی بنیاد قائم کی جاتی ہے - درختون کی ٹہنیان - لکڑی کے ٹکڑے
ہین جن کو سوار بُن کے جوڑ دیتی ہے - پھر اُس پر چٹائیان بچھا کے تھوڑی
تھوڑی مٹی ڈال دی جاتی ہے - اور اُس مین تخم پاشی ہوتی ہے -
مگر ان سب چیزون سے زیادہ حیرتناک ملک سیام کے چلتے پھرتے
گاؤن ہین - جن کے بنانے مین دار السلطنت سیام بنکوک کے لوگ ساری
دنیا سے سبقت لے گئے ہین - وہ لوگ سیلاب سے بچنے اور پانی کے
ضرر سے محفوظ رہ کے آرام و اطمینان سے زندگی بسر کرنے کے لیے ایسے
مکان بناتے ہین جو پانی پر تیرتے اور چلتے پھرتے رہین - اِن مکانون کو
برابر برابر جما کے اور لنگرون کے ذریعے سے ایک جگہ قائم کر کے وہ بڑی
بڑی بستیان بنا لیتے ہین جن کے بیچ مین پانی کی کشادہ سڑکین ہوتی ہین
اور پانی اتنا گہرا ہوتا ہے کہ اُن آبی سڑکون مین دو دو سو تین تین
سو ٹن کا بوجھ لیجانے والے جہاز گزرتے رہتے ہین - ان بستیون کی
وضع و قطع بدلنے کا اُنھین اختیار رہتا ہے - مکان کا رخ جدھر چاہین
پھیر سکتے ہین - اور یہ اُن کے بس کی بات ہے کہ جب چاہین اپنے اس بحری
گاؤن کی وضع و صورت بدل دین - اُن کے یہ مکان علی العموم بانس کی
کھپچون - ٹہنیون - اور کھجور کے درختون سے بنتے ہین اور نہایت ہی
سُبک اور خوشنما ہوتے ہین - جن مین سامنے کے رخ پر عموماً ایک
برآمدہ ہوتا ہے - جس سے کشتیان اور جہاز آ کے لگ جاتے ہین اور اُن کے
ذریعے سے بہ آسانی ہر حصۂ آبادی اور ہر سڑک کی سیر ہو سکتی ہے -
اور وہی ذریعۂ آمد و رفت ہوا کرتے ہین -
اٹلی مین شہر وینس کی بڑی تعریف کی جاتی ہے کہ سمندر کو

پانی کی نہرین سڑکون کا کام دیتی ہین جن مین کشتیون
کے ذریعے سے آمد ورفت ہوتی ہے۔ مگر جو خوبی سیام کی ان چلتی پھرتی بستیون مین
ہے وینس کو بھلا کہان نصیب ہو سکتی ہے؟ وینس کی جو قطع ہے نہین بدل سکتی۔ اس لیے
کہ پانی کی سڑکون کے کنارے دونون جانب پختہ عمارتین ہین۔ بخلاف اس کے سیام
کی بستیون مین یہ صنعت ہے کہ جس گاؤن کو جہان اور جتنی دور چاہین لے جا کے
قائم کر دین۔ اور جب ایک وضع کی آبادی سے دل اُکتائے بدل کے دوسری وضع
کر دین۔ جس کسی کا جب تک جی چاہے ایک جگہ رہے اور جب چاہے مع مکان کے
دوسرے محلے اور دوسرے احباب کے جوار مین چلا جائے۔

ایشیا۔ تجھ مین سب طرح کے کمال ہین۔ سارے مذہب۔ سارے تمدن۔
اور ساری صنعتین تجھ سے نکلی ہین۔ مگر یورپ کی زبردستیون نے تیرے سارے کمالات
پر خاک ڈال دی۔ اور اسی ناقدری کا نتیجہ ہم رذل کی تمنا و آرزو ہے۔

ایک عبرتناک واقعہ

کہتے ہین ظہور اسلام کے وقت قدیم قوم جرہم کا ایک معمر شخص موجود تھا جس کی عمر تقریباً
تین سو برس کی بتائی جاتی تھی۔ اس کا نام عُبید ابن شریہ جرہمی تھا۔ عہد اسلام مین بھی
وہ مدت دراز تک زندہ رہا۔ یہان تک کہ جناب معٰویہؓ کے عہد خلافت مین ملک شام
مین آ کے اُن سے ملا۔ اور وہ اپنی عادت کے موافق اُس سے بہ اخلاق و تواضع
پیش آئے۔ دوران گفتگو مین معٰویہؓ نے اُس سے کہا "آپ نے بہت بڑی عمر پائی ہے
کوئی عجیب و عبرتناک واقعہ دیکھا ہو تو بیان کیجیے"۔ عبید نے کہا سنیے:۔

"ایک دن مین نے دیکھا کہ لوگ ایک میّت کو دفن کر رہے ہین۔ دل
پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ ٹھہر گیا تا کہ مٹی دینے مین شریک ہون مگر خدا جانے کیا بات
تھی کہ خود بخود دل بھر آیا۔ آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئے۔ اور سوز و گداز کے لہجے
مین مین نے کچھ شعر پڑھے جن مین موت کی حالت۔ انسان کی بیکسی اور دنیا

يَبْكِي الغَرِيبُ عَلَيْهِ لَيْسَ يَعْرِفُهُ   وَذُو قَرَابَتِهِ فِي الْحَيِّ مَسْرُورُ

انجان غریب الوطن جو اُسے جانتا بھی نہین اُس پر رو رہا ہے اور اُس کے عزیز و قریب قبیلے مین خوشیان منا رہے ہین۔

میری زبان سے یہ اشعار سنتے ہی ایک شخص نے میری طرف توجہ کی اور کہا "آپ جانتے ہین یہ اشعار جو آپ نے پڑھے کس کے ہین؟" مین نے کہا "جی نہین اچھے معلوم ہوے۔ یاد کر لیے" اُس نے مسکرا کے کہا "جی یہ اِنھین مرحوم کے شعر ہین جنھین آپ نے مٹی دی۔ مین اِس عجیب اتفاق پر تعجب کرنے لگا۔ اُس نے کہا "اور اِس سے بھی زیادہ حیرت کی بات سُنیے۔ آپ تو وہ غریب الوطن ہین جو اِن مرحوم کی موت پر غمگین اور متاسف ہین۔ اور یہ صاحب جو ابھی اِن کو قبر مین اُتار کے باہر نکلے ہین ان کے سب سے زیادہ قریب عزیز ہین۔ اور اُن کے مرنے پر سب زیادہ مسرت اِنھین کو ہے"

پھر عبید نے معٰویہؓ کو بتایا کہ یہ لاش عُنَیر بن لبید عُذری کی تھی۔ اور اُنھی کے یہ شعر تھے۔

اسی طرح کا ایک پُر حسرت واقعہ یہ ہے کہ ایک ادیب شخص جو علامۂ رضی کے ادبی کمالات کا بہت بڑا معترف تھا کسی ضرورت سے سُرّ من رأے (سامرہ) مین گیا۔ اتفاقاً اس کا گزر ایک منہدم مکان پر ہوا۔ اُن کھنڈرون کے سناٹے نے اُس کے دل پر بڑا اثر کیا۔ ٹھیر گیا۔ اور تین شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ "مین اُن مسکنون پر ٹھیرا جن کی رونق کو مصیبت نے لوٹ لیا ہے" اتنے مین اُدھر سے ایک شخص گزرا اور وہ اشعار سُن کے بولا "یہ اشعار تو علامۂ رضی کے ہین مگر یہ بھی آپ جانتے ہین کہ یہ منہدم مکان کس کا ہے؟" کہا مین کیا جانوں! جواب ملا "جی یہ مکان بھی اُنھین علامۂ بے ہمتا کا ہے جن کے یہ اشعار ہین۔ یہ علامۂ رضی کا مکان ہے۔ کبھی اُن کی ذات سے یہ مقام علم و فضل کا مرکز اور نہایت بارونق تھا اور آج اِس کی یہ حالت ہے"

لوگ دنیا مین بقاے نام کے لیے کوئی یادگار چھوڑنا چاہتے ہین۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ یادگار کے باقی رہنے پر بھی نام مٹ جاتا ہے۔

اس کا دیندارانہ سفر

اس دینی سفر کو اختیار کرتے وقت ابراہیم بن احمد نے پہلے یہ قصد کیا کہ خشکی کی راہ سے سفرِ حج کرے۔ اور مصر ہوتا ہوا جائے۔ مگر اس مین اندیشہ تھا کہ حاکم مصر ابن طولون سے لڑائی ہوگی۔ اور مسلمان ایک دوسرے کے مقابلے مین اپنی قیمتی جانین ضائع کرین گے۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے اُس نے یہ رائے قائم کی کہ دریا کے راستے سے سفر کرے۔ پہلے صقلیہ مین جا کے جہاد کرے اُور اُس کے بعد بغرض حج ملک شام مین ہوتا ہوا ارض حجاز مین پہونچے۔

صقلیہ مین اس کا جہاد اور طبرمین پر قبضہ

چنانچہ اُس نے دنیوی نمائشون کو چھوڑ دیا۔ راہبون اور عابد و زاہد لوگون کی وضع بنائی۔ اپنا کل مال و اسباب اونٹون پر لاد کے۔ اور آغاز ۲۸۹ھ مین تارک الدنیا درویشون کا بھیس کیے ہوئے شہر سوسہ مین پہونچا۔ وہان سے جہازون پہ سوار ہو کے صقلیہ مین آیا۔ پہونچتے ہی ۲۰ رجب ۲۸۹ھ کو شہر برطینو پہ حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا۔ اور رعایا کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔

اس کے بعد شہر طبرمین پہ پہونچا۔ یہان کے لوگون نے اُس کی آمد سنتے ہی مقابلے کی خوب تیاریان کر لی تھین۔ چنانچہ ابراہیم کے پہونچتے ہی میدان کارزار گرم ہو گیا۔ لڑائی ہو رہی تھی کہ لشکر اسلام کے قاری نے سورۂ ”اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا“ پڑھنا شروع کی۔ امیر ابراہیم نے کہا ”نہین آیۂ ”هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ“ پڑھو۔ اور قاری نے جیسے ہی یہ آیت پڑھی۔ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا کے درگاہ باری تعالی مین عرض کیا

کو تیار ہون"۔ یہ کہتے ہی دشمنون پر ایسا صف شکن حملہ کیا کہ سب بے اختیار بھاگے۔ اور مسلمانون نے تعاقب مین اُنھین بے دریغ تہ تیغ کیا۔ اُن کو رگیدتے ہوئے ساتھ ہی شہر کے اندر گھس پڑے اور جو شہر متعدد حملون مین نہین فتح ہو سکا تھا ایک آن واحد مین مفتوح ہو گیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ بعض اہل شہر تو جہازون پر سوار ہو کے بھاگ گئے۔ اور جو بچے اُنھون نے شہر کے اندر والے قلعے مین جا کے پناہ لی۔ امیر ابراہیم نے اُس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور ایسی سختی سے گھیرا کہ مجبور ہو کے نکلے۔ اب قلعہ اور شہر دونون مسلمانون کے قبضے مین تھے۔ لوٹ مار ہو رہی تھی۔ اور لونڈی غلام اسیر کیے جا رہے تھے۔ یہ واقعہ ۲۳ شعبان ۲۸۹ھ کا ہے۔

شہنشاہ قسطنطنیہ کو اس شکست کا صدمہ

طبرمین کے ہاتھ سے نکل جانے کی خبر قسطنطنیہ مین پہونچی تو شہنشاہ کو بڑا صدمہ ہوا۔ وفور غم سے تاج سر سے اُتار کے پھینک دیا اور سات دن تک نہین پہنا۔ جو کوئی تاج پہننے کو کہتا اُسے جواب دیتا کہ "جو غمگین و حزین اور رنجیدہ و ملول ہو تاج کیا پہنے ہا"۔ اُس کی اس حرکت کا رومیون کے دل پر بڑا اثر پڑا۔ ایک عجیب قسم کا ہیجان پیدا ہو گیا۔ اور ادنے و اعلے سب تیار ہو گئے کہ صقلیہ مین جا کے مسلمانون سے لڑین۔ فوج کشی کی تیاریان ہو ہی رہی تھین کہ خبر آئی مسلمان حاکم صقلیہ خود قسطنطنیہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس خبر نے سب کے وضو شکست کر دیے منصوبے بدل گئے۔ اور شہنشاہ نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کر کے زیادہ حصہ اپنے شہر کی حفاظت کے لیے وہین روک رکھا۔ اور کافی تعداد مین فوج صقلیہ کی طرف روانہ کی۔

امیر ابراہیم کی باقی ماندہ مہمین

طبرمین پر قابض [illegible] امیر ابراہیم [illegible] مفتوحہ بلاد صقلیہ پر فوجین

[illegible] پہنچا۔ ایک دمنش کی طرف
روانہ کیا۔ ایک فوج رمطہ پر گئی۔ ایک نے شہر باج کا رخ کیا۔ اول الذکر دونون
شہرون کے لوگ مسلمانون کی آمد سنتے ہی شہر چھوڑ چھوڑ کے بھاگ گئے۔ اور پچھلے
دونون مقامات کے لوگون نے عاجزی کے ساتھ درخواست کی کہ "ہم جزیہ دینے
کو تیار ہین۔ لہذا ہم پر فوج کشی نہ ہو۔ ابراہیم نے اُن کی اِس درخواست
کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور کہلا بھیجا" جب تک تم اپنے قلعے ہمارے حوالے
نہ کر دوگے تمھاری کوئی التجا نہین سُنی جا سکتی۔ آخر مجبور ہو کے اُنھون نے قلعے
حوالے کر دیے۔ اور امیر ابراہیم نے قبضہ پاتے ہی اُن کو منہدم کرا ڈالا۔
اِس کے بعد وہ شہر کسنتہ کی طرف بڑھا۔ وہان کے لوگون نے جو یہ حال سُنا
تو علم اسلام کے پہونچنے سے پہلے ہی خود حاضر ہو کے امان مانگی جس درخواست
کے قبول کرنے سے صاف انکار کیا گیا۔

اُس کی بیماری اور وفات

اپنے لشکر کے ساتھ وہ شہر کسنتہ کی طرف روانہ ہی ہوا تھا کہ مرض
اسہال مین مبتلا ہوا۔ چنانچہ منزل مقصود پر پہونچ کے لشکر تو شہر مذکور کے
گرد اُترا۔ مگر وہ خود شدت مرض کے باعث سب سے الگ اور تن تنہا فوج
سے دُور جا کے فرو کش ہوا۔ اُس کے ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے یا اُس کی
صحت کے انتظار مین فوج نے لڑائی نہین چھیڑی۔ مگر امیر ابراہیم کی یہ حالت
ہوئی کہ مرض ساعت بساعت بڑھتا ہی گیا۔ نیند اُڑ گئی۔ اور ہچکیون کا سلسلہ
بندھ گیا۔ آخر شب شنبہ ۱۹ ذیقعدہ ۲۸۹ھ کو غیر مفتوح شہر کسنتہ کی دیوارون
کے نیچے سفر آخرت کیا۔ اور فوج مین کہرام مچ گیا۔ لشکر کے صاحب رائے لوگون
اور سردارون نے جمع ہو کے اُس کے پوتے ابو مضر بن ابو العباس عبداللہ کو
امیر فوج اور صقلیہ کا حاکم قرار دیا۔ پھر امیر ابراہیم کی لاش کو تابوت مین رکھ کے

ابو العباس عبد اللہ بن ابراہیم فرمان روائے افریقیہ

ابراہیم کی وفات کے ساتھ ہی اُس کا بیٹا ابو العباس جسے اُس نے خود بُلا کے اپنا جانشین بنا دیا تھا مستقل طور پر مسند آرائے حکومت ہوا۔ اُس نے لائق اور دیندار باپ کے آغوش تربیت مین بہت اچھی اور اعلی درجے کی تعلیم پائی تھی۔ عالم و فاضل۔ ادیب و شاعر اور اس کا ساتھ بڑا بہادر اور اول درجے کا کامل فن سپاہی تھا فنون جنگ مین لوگ کسی کو اُس کا مماثل نہ پاتے اور دنیا کے اُن نامور حکمرانون مین تھا جنھون نے علم و فضل کے ساتھ شجاعت و سپہ گری کے فنون مین بھی ناموری حاصل کی ہے۔ فنون حرب مین اُسے ایسا کمال حاصل تھا کہ اُن مین مجتہدانہ تصرف کرتا۔ اور سپہ سالاران ملک مین سے کوئی اُس کی ہمسری کا دعوے نہ کر سکتا۔

عنفوان شباب مین البتہ اُس سے بعض اخلاقی بے اعتدالیان ظاہر ہوئی تھین جن پر برہم ہو کے باپ نے اُسے اپنے سے دُور کرنے اور اظہار ناراضی کے لیے ولایت صقلیہ پر بھیج دیا۔ اور وہ بھی باپ سے اس قدر ڈرتا تھا کہ فوراً جہاز پہ سوار ہو کے وہان چلا گیا۔ اور باپ کی ناراضی دور کرنے کے لیے اپنے اخلاق کی اصلاح کی بعدالت پروری و رعایا نوازی کی۔ جہاد کیا۔ فتحین حاصل کین۔ جن باتون کا باپ پر اس قدر اثر ہوا کہ اُسے واپس بلا کے اپنی جگہ مسند حکومت پر بٹھایا۔ اور نظم و نسق سلطنت کی باگ اُس کے ہاتھ مین دے کے خود جہاد و حج کے شوق مین روانہ ہو گیا۔

اب اُس کے بعد ابو العباس کا آزادانہ عہد شروع ہوا تو اُس نے پہلی یہ کارروائی کی کہ اپنی قلمرو کے تمام شہرون مین اپنی طرف سے اِس مضمون کا اعلان شائع کرایا کہ ”مین نیکی۔ فیاضی۔ اور عدالت گستری سے حکومت کرون گا۔ رعایا کے ساتھ نرمی سے پیش آؤن گا۔ اور جہاد کرون گا“

اور ایسا ہی کیا۔ اپنے دربار مین بہت سے مستند علما جمع کیے۔ اور اُن کو اپنا مشیر بنایا۔

ابو مضر زیادۃ اللہ اور اُس کے بعد محمد بن سر قوسی والی صقلیہ

اسی زمانے مین اُس کی طرف سے والی صقلیہ اس کا بیٹا ابو مضر زیادۃ اللہ تھا۔ جس نے وہان جہاد اور اصلاح ملک سے بے پروا ہو کے عیش پرستی و مے کشی شروع کر دی۔ ہر وقت مخمور رہتا۔ خوبصورت عورتون مین بیٹھ کے نغمہ و طرب کی محفل گرم کرتا۔ اور سوا لہو لعب اور عیش و طرب کے کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔ یہ حال باپ نے سُنا تو فوراً اُسے حکومت سے واپس بلا کے قید کر دیا تاکہ بداخلاقی کی عادتین چھوٹین۔ اور بداعمالیون کی سزا ملے۔ اور اُس کی جگہ محمد بن سرقوسی کو والی صقلیہ مقرر کر دیا۔

ابو العباس حاکم افریقہ کی شہادت

اسی ابو العباس کے زمانے مین عبید اللہ مہدی کے داعی و نقیب ابو عبد اللہ نے زور پکڑا تھا اُس نے جب دیکھا کہ فتنہ بڑھتا جاتا ہے تو اپنے بھائی احول (بھینگے) کو جو حقیقت مین بھینگا نہ تھا بلکہ محض ہر چیز کو گھور کے دیکھنے کی وجہ سے احول مشہور ہو گیا تھا ابو عبد اللہ کی قوت توڑنے کے لیے بھیجا۔ اور ابو عبد اللہ بہت بڑا لشکر لے کے اُس کے مقابلے پر آیا۔ مقام کموشہ کے میدان مین ایک قیامت خیز لڑائی ہوئی جس مین دونون طرف کے ہزارون نامی بہادر مارے گئے۔ اور احول کو شکست ہوئی۔ مگر وہ ایسا مدبر و شجاع سپہ سالار تھا کہ شکست ہونے پر بھی ابو عبد اللہ کو روکے رہا۔ اُس کے مقابل پڑا رہا۔ اور اُسے اس کی جرأت نہ ہونے دی کہ سبقت کرے۔

اسی دوران مین آخر شعبان سنہ ۲۹۶ھ کے آخری چہار شنبہ کو تین صقلبی[ع۵] شخص شہر تونس مین

ع۵- صقلب سے مراد سکلیو یا سکلیو نز قوم مراد ہے جو جزیرہ نمائے بلقان اور روس مین آباد ہے۔ روس، ہرزی، بلغاری-

شاہی قصر کے اندر تلوارین کھینچے ہوے گھسے۔ ابو العباس کو کاٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور اُس کا سر کاٹ کے سیدھے قید خانے مین گئے۔ وہان باپ کے سر کو نا خلف بیٹے کے سامنے پیش کر کے انعام و ترقی کے امیدوار ہوے۔ اِن بد معاشون کو زیادۃ اللہ ابو مضر ہی نے اس خدمت پر مامور کیا تھا۔ مگر اُس کے ہاتھ سے اُن کو انعام یہ ملا کہ ابو مضر ہی کے حکم سے فوراً گرفتار کر کے مار ڈالے گئے۔ اور اُن کی لاشین سُولیون پر لٹکا دی گئین۔

ابو مضر زیادۃ اللہ آخری فرمان روائے بنی اغلب

نیک نفس باپ کو جام شہادت پلا کے بدکار اور شرابی ابو مضر اغلبی سریر حکومت پر بیٹھا۔ اور چونکہ اپنے خاندان کا پچھلا حکمران تھا اِس لیے اُس کی حرکتین اور اُس کے افعال بھی ویسے ہی تھے جیسے کہ اپنے خاندان اور اپنی عزت کو برباد کر ڈالنے والے بادشاہون کے کام ہوا کرتے ہین۔ اُس کے تخت پر بیٹھتے ہی اول درجے کا شہدین ہونے لگا۔ علانیہ اور آزادی سے شرابین لُنڈھائی جانے لگین۔ ہر وقت محفل رقص و سرود قائم رہتی۔ جس مین پریزاد عورتین ناچتین گاتین۔ اور وہ اُن کے سامنے بیٹھ کے نشے مین جھومتا۔ عالم و فاضل مشیران سلطنت گھرون مین بٹھا دیے گئے۔ اور دربار مین مسخرون اور شُہدون کا زور تھا۔ جن کے سامنے کسی کی نہ چلتی۔

باپ کو قتل کرتے ہی پہلی حرکت یہ کی کہ اپنے چچا احول کو جو ابو عبد اللہ کورو کے میدان مین پڑا تھا باپ کی طرف سے جعلی حکمنامہ بھیج کے اپنے دار السلطنت تونس مین بُلوایا۔ اُسے صاحب تاج و سریر بھائی کے مارے جانے کی خبر تھی بلا تامل چلا آیا۔ اور آتے ہی خونخوار بھتیجے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے بعد احول کے دوست اور رشتہ دار قتل ہونے لگے۔ یہان تک کہ سواد و چار کے اس نے اپنے تمام عزیزون اور بھائی بندون سے دنیا خالی کرا لی۔

افریقیہ مین شاہی خاندان بنی اغلب کا آخری عبرتناک زمانہ

کا قبضہ ہونے لگا۔ یہ حالت دیکھ کے زیادۃ اللہ گھبرایا۔ اور سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ آخر اُس نے اپنے ایک ابن عم ابراہیم بن ابوالاغلب کو جو اُس کے پنجۂ ستم سے بچ رہا تھا چالیس ہزار فوج کے ساتھ ابو عبداللہ کے مقابلے پر روانہ کیا۔ مگر بادشاہ کی بدکاریون نے فوج کو اس درجہ بزدل کر رکھا تھا کہ ابو عبداللہ کے لشکر کا سامنا ہوتے ہی ابراہیم کو شکست ہو گئی۔

بادشاہ کا تخت وتاج چھوڑ کے بھاگنا

اس شکست کا حال سُن کے زیادۃ اللہ کامیابی سے مایوس ہو گیا۔ شکست کو رعایا سے چھپایا۔ بلکہ اُن مین یہ مشہور کیا کہ ابو عبداللہ کو شکست ہوئی مگر اپنے مخصوص ندیمان صحبت پر اصل حقیقت آشکارا کر دی اور کہا "میرا ارادہ ہے کہ جو کچھ مال و دولت ہاتھ آسکے اپنے ساتھ لون اور یہان سے بھاگ جاؤن۔ تم بھی جو کچھ لے سکے لے کے میرے ساتھ چلنے کی تیاریان کر دو"۔ کسی غیرت دار مصاحب نے ادب سے عرض کیا "ابو عبداللہ حضور پر غالب نہین آسکتا۔ حضور مقابلے کی تیاری کرین بھاگنا کسی طرح مناسب نہین ہے"۔ اس پر زیادۃ اللہ بہت بگڑا اور کہا "تم چاہتے ہو کہ ابو عبداللہ یہان آ کے مجھے پکڑ لے"۔ اُس کی یہ ضد دیکھ کے سارے مصاحبون نے بھی کوچ کی تیاریان شروع کر دین۔

آخر ایک انبوہ کثیر کے ساتھ جس مین اُس کے دوست اور اُس کی کافر ماجرا دلربائین تھین اور سارا خزانہ اور سامان دولت اونٹون پر لدا ہوا تھا وہ تونس کو خیرباد کہہ کے طرابلس مین پہونچا۔ یہ شہر بھی اُسی کی قلمرو مین تھا۔ اور ابو عبداللہ کا بھائی ابوالعباس یہان کے قید خانے مین مقید تھا۔ سب کو گمان تھا کہ وہ ابو عبداللہ کا بھائی ہے مگر وہ خود اس سے منکر اور ایک معمولی تاجر ہونے کا مدعی تھا۔ زیادۃ اللہ نے اُسے اپنے سامنے بلوا کے پوچھا کہ تمھاری نسبت جو گمان کیا جاتا ہے سچ ہے؟ اُس نے کہا بالکل غلط۔

چھوڑے دیتا ہون۔ اگر یہی صحیح ہی جو تم کہتے ہو تو تمھین چھوٹنا ہی چاہیے۔ اور اگر حقیقت مین ابو عبداللہ کے بھائی ہو تو بھی مضائقہ نہین۔ کچھ تو میرا احسان مانو گے۔ اور اپنے جن دوستون اور عزیزون کو مین تونس مین چھوڑ کے آیا ہون اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے۔

اب زیادۃ اللہ ولایت مصر کے حدود مین داخل ہوا۔ خلیفۂ بغداد المقتدر باللہ کی جانب سے وہان کا والی عیسی نوشیری تھا۔ اُس نے پہلے اپنے ملک مین آنے سے اُسے روکا اور کہا خلیفہ کی اجازت کے بعد آپ آسکتے ہین۔ مگر زیادۃ اللہ جا پہونچا۔ اور نوشیری نے کسی قدر جھگڑے کے بعد اُسے اپنا مہمان کیا۔ اور اُس کی حالت و کیفیت المقتدر کی خدمت مین لکھی۔ اور اپنے ذریعے سے اُسے بغداد بھیجا۔ آخر دشت و در کی خاک چھانتا ہوا وہ شہر رقہ مین پہونچا۔ اور وہان رک کے وزیر خلافت ابن الفرات کے پاس اجازت حاضری کی درخواست بھیجی۔ حکم آیا کہ وہین ٹھہرے رہو۔ مجبوراً زیادۃ اللہ رقہ مین ٹھہر گیا اور ایک سال تک وہین پڑا رہا۔ اب گو کہ بہت سے رفقا ساتھ چھوڑ کے چلے گئے تھے مگر خود اُس کی وضع و حالت مین اِس تباہی و خانہ بربادی پر بھی کوئی اصلاح نہین ہوئی تھی۔ وہی میکشی تھی اور وہی شاہد پرستی۔ وہی شہدپن تھا اور وہی ہر دم کی محفل رقص و سرود۔

اُس کے یہ حالات سُن کے مقتدر نے حکم دیا کہ تمھین بغداد مین آنے کی ضرورت نہین مصر کو پلٹ جاؤ۔ والی مصر سے کمک حاصل کر کے اپنے ملک پر قبضہ کرو۔ اور دشمنون سے بدلہ لو۔ والی مصر کو اس بارے مین ہدایت کردی گئی ہے۔ اس فرمان خلافت کے مطابق وہ مصر مین واپس گیا۔ مگر نوشیری نے مدد نہ کی۔ بلکہ وہان خود والی نے کوئی ضرر پہونچایا یا کسی نے کوئی زہر دے دیا کہ ڈاڑھی موچھون کے بال گر گئے۔ اور عجیب حلیہ کے ساتھ اُس نے زیارت بیت المقدس کا قصد کیا۔ مگر شہر رملہ ہی تک پہونچا تھا کہ زندگی ختم ہوگئی۔ اور رملہ کی خاک مین دبا دیا گیا۔

یہ تھا اس خاندان بنی اغلب کا آخری فرمان روا جس نے افریقہ مین ایک سو بارہ سال تک بڑے جاہ و حشم سے حکمرانی کی۔ اور جس کے حکمرانون کا کبھی یہ دعویٰ تھا کہ مصر و شام پر ہم چڑھائی کرین گے۔ اور ارض فلسطین کے زیتون کے درختون مین اپنے گھوڑے باندھین گے۔

معاشرت مین دوسری چیز مکانون کا فرنیچر یعنی وہ سامان ہے جس سے
مکان آراستہ کیے جاتے ہین۔ اُن دنون آج کل کی سی میز کرسیان نہ تھین بلکہ
خاص ہندوستانی اور اسلامی مذاق کا سامان تھا۔ مکانون مین تختون کے چوکے
ہوتے۔ پلنگ ہوتے۔ یا تختون کے اُوپر بچھانے کے لیے نازک اور خوشنما پلنگڑیان
ہوتین۔ غریبون اور متوسط حیثیت والون کے یہان بانون کے پلنگ ہوتے۔ اور
اُمرا کے گھرون مین علی العموم نواڑ کے پلنگ ہوا کرتے۔

نفیس طبع لوگون کے گھرون کی یہ شان ہوتی کہ جھاڑ دی ہوئی ہے۔
دیوارون پر سفیدی پھری ہے۔ چھت پر اُجلی سفید چھت گیری کھچی ہوئی ہے جس کے
چارون طرف چُنٹ دی ہوئی جھالر لٹک رہی ہے۔ دالان کمرے یا صحن مین
تختون کا چوکا ہے اُس پر دری ہے اور دری پر سفید براق چاندنی۔ جو اس نفاست
سے کھینچ کے بچھائی گئی ہے کہ شکن کا کہین نام نہین۔ چارون کونون پر سنگ مر مر
کے گنبد نما میر فرش کے کونون کو دبائے ہوئے ہین تاکہ ہوا مین چاندنی
اُڑنے نہ پائے یا اُس مین شکنین نہ پڑین۔

اوپر اُجلا فرشی پنکھا ہے۔ اُس کا بھی بعد کے زمانے مین رواج
ہوا ورنہ دراصل ان مکانون کی زینت دستی پنکھون سے ہوتی جو حسب درجہ و رتبہ
بڑے تکلف و اہتمام سے بنائے جاتے۔ اور اُن کا حال ہم آئندہ کسی موقع
پر بیان کرین گے۔ اُس چوکے اور فرش پر خواہ کمرے کے اندر ہو یا باہر ایک
جانب جو صدر مقام قرار پا جاتا نواڑ کا نفیس اور خوبصورت پلنگ بچھا ہوتا۔
پلنگ کے اوپر گرمیون مین دری اور جاڑون مین توشک ہوتی اور اُس کے اوپر
ایک اُجلی چادر بچھی رہتی۔ پلنگ کی چادر مین شاہی محلون یا اُن کے ہمرتبہ محلسرائون مین
ایک نیچی زمین کے قریب تک کی چُنٹ دار جھالر چارون طرف ٹنکی ہوتی جو پلنگ مین
ایک خاص شان پیدا کر دیتی۔ چارون پاؤن پر بچھونے کے چارون کونے ریشم
[illegible] سے باندھ دیے جاتے تاکہ [illegible]

اور کروٹین بدلنے مین بچھونا کھنچنے اور اپنی جگہ سے سرکنے اور ہٹنے نہ پائے۔
سرہانے پلنگ کے عرض کے برابر مربع مستطیل قطع کے پتلے پتلے چار
نہایت ہی نرم تکیے ہوتے۔ یہ تکیے اکثر شالباف (ٹول) کے ہوتے اور اُن پر
تنزیب یا تیل نین سُکھ کے سفید غلاف چڑھے ہوتے۔ جن مین تول کی سرخی اپنی
جھلک دکھاتی اور وہ پراٹھے کی پرتون کی طرح تلے اوپر رکھے جاتے۔ پھر اُن کے اوپر
اِدھر اُدھر اُسی کپڑے کے دو ننھے ننھے نرم گل تکیے ہوتے تاکہ کروٹ سے
لیٹنے مین گالون کے نیچے رہین۔ یہ گل تکیے ہاتھ کی ہتھیلی سے زیادہ بڑے نہ ہوتے
اِس کے بعد بچھونے پر دونون جانب دونون پٹیون کی جانب دو گول تکئیان
رہتین جن کو کروٹ لیتے وقت رانون کے نیچے دبا لینے مین آرام ملتا۔ پائنتی
دولائی رضائی یا لحاف موسم کے مناسب لگا دیے جاتے۔ اور دن کو جب کوئی
لیٹنے والا نہ ہوتا سارے پلنگ پر ایک پلنگ پوش پڑا رہتا۔
چوکے پر پلنگ کے آگے صدر نشینی کے لیے فرش کے اوپر ایک
قالین مسند کی وضع مین بچھا دیا جاتا۔ اور قالین پر پلنگ سے ملا ہوا گاؤ ہوتا
جس پر روز کے استعمال کے لیے تو سفید غلاف رہتا۔ مگر اعلی تقریبون کے
موقعون پر نہایت قیمتی ریشمی اور اکثر کارچوبی کام کے غلاف چڑھا دیے جاتے۔
اور اگر چوکے پر پلنگ نہ ہوتا تو اُس کے کسی ایک رُخ پر جو مناسب
معلوم ہو مسند تکیہ ہوتا۔ اور اُس پر نشست ہوتی۔
دیوارون پر اگرچہ کبھی کبھی تصویرین ہوتین مگر تصویرون کا
جس قدر اب رواج ہے اُن دنون نہ تھا۔ بلکہ تصویرون کے عوض عمدہ
قطعات جن پر بڑی نفاست سے نقش و نگار بنائے جاتے فریم مین جڑ کے دیوارون
پر لگا دیے جاتے۔ ان قطعات کا اُس زمانے کے رؤسا کو اِس قدر شوق
تھا کہ اُنھین کے لکھنے اور تیار کرنے پر خوشنویسون کی زندگی بسر ہوتی۔
اور سچ یہ ہے کہ اسی شوق نے اُس زمانے مین وہ نامور و باکمال
خوشنویس پیدا کر دیے جو سوا قطعات لکھنے کے کتابت کو اپنے لیے ننگ اور
اور اپنے معمولی شاگردون کا کام سمجھتے۔

ہوتے ہین۔ گو اگرچہ اب بھی کہین کہین نظر آجاتے ہین مگر اِن دونون شہرون کا کوئی گھر اُن سے خالی نہ تھا۔ یہ سینٹھے اور بانون سے بنائے جاتے۔ اور جن گھرون مین اُن کا زیادہ اہتمام ہوتا اُن مین اِن مونڈھون پر بکری کی خشک کھال جس مین بال موجود ہوتے چڑھا دیجاتی۔ یا مضبوطی کے لیے وہی بالدار چمڑا فقط اُن کے کنارون پر چڑھا ہوتا۔ یہ مونڈھے اُن دونون بڑی بکار آمد چیز تھے۔

اُمرا کے سوا جو زنانے اور مردانے دو مکان رکھتے تھے عوام اور اکثر متوسط طبقے والے فقط ایک ہی مکان پر زندگی بسر کرتے۔ اب علی العموم کوشش کیجاتی ہے کہ ہر مکان مین دروازے کے پاس کوئی بیرونی کمرہ ضرور موجود ہو۔ اِن دونون اِس کا چندان خیال نہ تھا۔ بلکہ ڈیوڑھی مین اور اُس مین گنجایش نہ ہوتی تو دروازے کے باہر ہی مونڈھے ڈال کے لوگ احباب سے ملتے۔ اور اُس مین کوئی مضائقہ نہ سمجھا جاتا۔

کمرون اور دالانون کے اندر اکثر طاقون پر خوشنمائی و زیبایش کے لیے کاغذ کے گلدستے رکھ دیے جاتے۔

دالانون کی محرابون کے لیے عموماً پردے ضروری سمجھے جاتے مگر آج کل سینٹھون شرکیون یا ٹاٹ کے پردون کا جو رواج ہے اُن دنون نہ تھا بلکہ اِس قسم کے پردے معیوب سمجھے جاتے۔ اور اُن کی جگہ تول یا جازم کے روئی دار پردے تیار کرائے جاتے۔ جو اکثر بندھے رہتے۔ فقط ضرورت کے اوقات مین کھول کے لٹکا دیے جاتے۔ زنانی محلسرا اُن کے بیرونی دروازون پر بھی اسی قسم کے پردے ہوتے۔ جس کے پاس کوئی نانا یا کہاری اکثر کھڑی نظر آتی۔

(۳) وضع قطع۔ اس کا ذکر لباس کے سلسلے مین آچکا ہے۔ مگر اِس موقع پر ہمین یہ بتانا ہے کہ اُن دنون شرفا کے مذاق مین اپنے گھر پر اندر یا باہر پورے کپڑے پہننے کی ضرورت نہین سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ سر سے پاؤن تک

برہنہ رہنا اور رفقط ایک تول کی غرقی یعنی مختصر سی لنگی باندھے رہنا معیوب نہ تھا۔ یہ غرقی اِس قطع کی ہوتی کہ جانگھیا کی طرح بجز ستر پوشی کے ٹانگین بھی ننگی رہتین فی الحال ہمارے شرفا اپنے گھر یہ بھی اندر یا باہر بنیان۔ کرتا اور پائجامہ پہنے رہنا لازمی سمجھتے ہین۔ مگر جس عہد کا ہم ذکر کر رہے ہین اُن دنون بہ ظاہر ہر گھر مین اتنے کپڑے پہنے رہنا وضعداری کے خلاف تھا۔ اُس وقت بہت سے ایسے لوگ تھے جو فقط گھر سے نکلتے وقت انگرکھا یا پائجامہ پہن لیتے اور اِس طریقے سے ایک شوب کو مہینون تک بناہ لے جاتے۔ اور کپڑون کی یہ حالت ہوتی کہ معلوم ہوتا آج ہی دھو کے آئے ہین۔ معمول تھا کہ دھوبی کے وہان سے آیا ہوا انگرکھا پہنا جاتا تو اُس کی دامن گوٹ اور آستینین چُنی جاتین۔ اِس چُنا وٹ کے نشان مہینون اُسی طرح برقرار رہتے۔

ہان عورتون کے لباس مین البتہ کوئی فرق نہ آتا۔ وہ اپنے گھر مین اُتنے ہی کپڑے پہنے رہتین جتنے کہین مہمان جانے مین پہنتین۔ یہ اور بات ہے کہ آنے جانے کا جوڑا بھاری اور قیمتی ہوتا۔ اور گھر مین پہننے کا معمولی۔ کسی کے وہان مہمان جانے کی صورت مین مرد اور عورت دونون عمدہ نفیس اور بھاری پوشاکین پہن کے جاتے۔ اور لباس کی عمدگی کی وجہ سے مردانی و زنانی دونون صحبتین بہت صاف ستھری اور بارونق رہتین۔

گرجستان کا ولایت دستگاہ مجاہد شامل

اِس پچھلی صدی مین جبکہ اسلام آماجگاہ حوادث تھا مسلمانون کی ایسی ایسی قیمتی جانین اپنی قوت کی حمایت اور اپنی آزادی کی نگہداشت مین ضائع ہوئی ہین کہ مؤرخین اگر دل درد مند رکھتے ہین تو قیامت تک اُن کا ماتم کرتے رہین گے۔ جس طرح افریقیہ کے پامال کرنے مین اہل فرانس کی ناانصافیون نے عبدالقادر کے ایسے نامور بہادر کو تباہ کیا اُسی طرح روس کے دست ستم سے کوہ قاف مین مسلمانون پر طرح طرح کے مظالم ہوئے۔ اور وہان شامل نامور کے ایسے ولی اللہ مجاہد کی زندگی

اور دیندار مسلمانوں سے بھرے ہوئے تھے۔ روس اُن کو اپنے زیر فرمان بنانا چاہتا تھا اور انھیں دُھن تھی کہ مر جائیں گے مگر دشمن دین حملہ آوروں کی اطاعت نہ قبول کریں گے جو بڑی بڑی فوجوں سے اُن پر یورشیں کرتے۔ اور مکر و فریب کی کوئی کارروائی نہ اُٹھا رکھتے۔

گرجستان اور داغستان کا صاحب اثر حاکم انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں قاسم مُلّا نام ایک بہادر مقتدائے دین تھا جو شجاعت و دیانت داری سے روسیوں کا مقابلہ کرتا۔ اور اُس کے ساتھ والے مجاہد دشمنوں کے مقابلے پر ہر وقت سر بکف رہتے۔ اِن سرفروش حامیان وطن میں ایک ستائیس اٹھائیس سال کا نوجوان بہادر شامل نام تھا جس کی شجاعت کے کارنامے پہلے پہل ۱۲۵۳ھ محمدی (۱۸۲۴ء) میں دنیا کو نظر آنا شروع ہوئے۔ شامل علاقۂ داغستان کے شہر حمری میں ۱۲۲۶ھ محمدی میں پیدا ہوا تھا۔ اور وطنی پہاڑوں میں گر پڑ کے اپنے ہاتھ پاؤں ایسے مضبوط کر لیے تھے کہ کسی خطرے سے نہ ڈرتا۔ وطنی حمیت کے جوش میں وہ ہر آفت کا سامنا کرنے اور ہر مصیبت کو اپنے سر پر لینے کے لیے تیار تھا۔ اکثر دیکھا گیا کہ اپنے حاکم مقتدا قاسم مُلّا کا اشارہ پاتے ہی وہ دشمنوں کے بڑے بڑے زبردست لشکروں میں تلوار کھینچ کے گھس پڑا اور بہتوں کو خاک و خون میں نہلا کے جس طرح بجلی بڑی بڑی عمارتوں میں گھس کے اور در و دیوار کو توڑ کے نکل آتی ہے اسی طرح صحیح و سالم واپس چلا آیا۔ ایسے واقعات بارہا پیش آئے۔ اُسکے ساتھیوں کو یقین ہونے لگا کہ وہ کسی روحانی قوت اور دینی کرامت سے بچ جاتا ہے۔ اور دشمنوں کے ہتھیار اُس پر کارگر نہیں ہوتے۔

اس نوجوان بہادر کی شجاعت نے جب کئی بار روسیوں کے دانت کھٹے کر دیے تو ۱۲۶ھ محمدی (۱۸۳۱ء) میں روسیوں نے بڑی زبردست قوت سے داغستان و گرجستان پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اور اُن کا سپہ سالار جنرل روزن اتنا بڑا لشکر لے کے آیا کہ اُس کا روکنا اور اُس پر غالب آنا غیر ممکن تھا۔ مگر جانباز و سر بکف حامیان وطن اب بھی جان پر کھیل کے لڑتے۔ مگر کچھ زور نہ چلتا۔ قلعے پر قلعے اور شہر پر شہر قبضے سے نکلنے

کے داغستان کے قلعہ حمری مین محصور ہو گیا جو مقام شامل کا مولد و موطن تھا۔ چند ہی روز کے محاصرے کے بعد روسیون نے قلعہ پر دھاوا کیا۔ اور اپنے بڑے بڑے بہادرون اور ہزارون سپاہیون کو قربان کر کے اور بے حد نقصان اُٹھا کے قلعے پر قابض ہو گئے۔ محصورین نے جان دینا گوارا کر لیا مگر اس کے روادار نہ ہوئے کہ دشمنون کے ہاتھ مین زندہ اسیر ہون قاسم مُلّا اور اُس کے تمام رفقا قلعے کے فصیل کے نیچے شمشیر زنی کر کے شہید ہو گئے۔ اور کوئی نہ بچا جس کو دشمنون کے آگے سر جھکانا پڑا ہو۔

شامل کا بھی کہین پتہ نہ لگا۔ اور ہر شخص کو یقین ہو گیا تھا کہ اُس نے بھی اپنے فردوس مقام آقا کے ساتھ جام شہادت پیا۔ لیکن اِس فتح سے بھی روسیون کو ملک گرجستان پر قبضہ کرنا نہ نصیب ہو سکا۔ اس لیے کہ اور بہت سے داغستانی و گرجستانی اُٹھ کھڑے ہوے۔ اور مرحوم قاسم مُلّا کے عوض کسی اور کو اپنا سردار بنا لیا۔ یہ نئے حامیان وطن جو روسیون سے لڑ رہے تھے ایک دن کیا دیکھتے ہین کہ شامل آ کے اُن کی فوج مین شامل ہو گیا۔ سب نے بیخودانہ جوش سے نعرہ ہاے مسرت بلند کیے۔ اکثر کو یقین ہو گیا کہ خدا نے ہماری مدد کے لیے اسے دوبارہ زندہ کر دیا۔ اور وہ قبر سے اُٹھ کے آیا ہے۔ گو کہ اُس نے بیان کر دیا کہ مین زخمی ہو کے گرا تھا اور لاشون مین پڑا رہ گیا اور جب وہ زخم اچھے ہو گئے تو پھر حمایت وطن کے لیے کمر باندھی۔ مگر کسی کو یقین نہ آتا۔ اور سب یہی سمجھتے کہ ہماری حمایت کے لیے خدا نے اُسے شہادت کے بعد پھر اُٹھا کے کھڑا کر دیا ہے نئے سرگروہ قوم کو خیال ہوا کہ شاید شامل اب سرگروہی قوم کا خواستگار ہو گا مگر اُس نے صاف ظاہر کر دیا کہ مجھے حکومت نہین آزادی وطن چاہیے۔ ابھی قوم کے ہر سردار کی غلامی کرنے کو خوشی سے تیار ہون۔ چنانچہ اب اِس نئے حاکم داغستان کے جھنڈے کے نیچے وہ جوہر شجاعت دکھانے لگا۔

روسیون نے پھر پوری قوت سے حملہ کیا۔ اور اُس کا انجام یہ ہوا کہ گرجستان کا یہ دوسرا حاکم بھی مع اپنے تمام جان بازون کے شہید ہوا۔ اور سب کو یقین ہو گیا کہ شامل کا شمار بھی شہداے اُمت مین ہے۔ مگر اب کی بھی وہ کسی

معجز نما تدبیر سے کو زندہ کیا۔ جس کو لوگون نے اُس کی کرامت اور ولی اللہ
ہونے کا قطعی ثبوت خیال کیا۔ اور اس قدر معتقد ہوئے کہ اُسی کو اپنا سردار
اور فرمان روا قرار دے کے اُس کے مطیع و منقاد ہو گئے مذکورہ شجاعت
اور کرامتون کے علاوہ شامل بڑا عابد و زاہد متقی و پرہیزگار اور انتہا درجے
کا دیندار بھی تھا۔ لہذا اب وہ فقط اپنی قوم کا سپہ سالار ہی نہین بلکہ اُن کا
صاحب ولایت مقتدا بھی تھا جس کے ادنیٰ اشارے پر ہر شخص جان دینے
کو تیار ہو جاتا۔

روسیون نے پھر فوج کشی کا ارادہ کیا تو اُس نے اُن کے
مقابلے مین جہاد کا اعلان کر دیا۔ اور جوش و خروش سے صف آرائیان
شروع کین۔ چنانچہ روسیون کو چند ہی روز مین اُس نے عاجز کر دیا۔
اُن کی کوئی قوت اُس پر غالب نہ آ سکتی۔ بڑے بڑے لشکر اُس کے مقابلے
پر آ کے زک اُٹھاتے۔ اور ناکام و نامراد واپس جاتے۔ اپنے کوہستانی
وطن مین اُس نے قدم قدم پر روسیون سے مقابلہ کیا۔ بار بار روسیون
کے نامور جنرلون اور زبردست لشکرون کو اس نے کسی گھاٹی یا جنگل
مین اس طرح پھانس لیا کہ سب کو ہتھیار رکھ دینا پڑے۔ اور ایسی ایسی
فاش شکستین دین کہ اتنی بڑی سلطنت کے حوصلے پست کر دیے۔ اس طرح ایک
چوتھائی صدی روسیون کو زکین اُٹھاتے گزر گئی۔

آخر روسیون نے شجاعت مین ہار کے مکاری و سازش سے
کام لینا شروع کیا۔ اور رشوتین دے دے کے اور لالچ دلا دلا کے
اُس کے رفقا کو توڑنے لگے جس کا انجام یہ ہوا کہ تقریباً پچیس سال تک
سلسلۂ جہاد قائم رکھنے اور روسیون کو شکستین دینے کے بعد ۱۲۷۵ محمدی
(۱۸۵۹ء) مین بہت سے بے حمیت سرداران وطن اُس کا ساتھ چھوڑ کے
چلے گئے۔ اور اُس کی قوت کمزور پڑ گئی۔ اور روسیون نے جیسے ہی
اُسے کمزور پایا بہت بڑے زبردست لشکر سے حملہ کر دیا۔ اب اُسے مجبوراً اپنے

اور اُس کے بیٹے کو گرفتار کر لیا - جن کے اسیر ہوتے ہی روسی سارے
داغستان و گرجستان کے مالک ہو گئے - جن ملکون کی اُنھین مدت ہاے دراز
سے ہوس تھی - اور جن کے فتح کرنے کی کوشش مین اُنھون نے بے انتہا
جانون اور مال و دولت کا نقصان اُٹھایا تھا -

یہ ہم کو نہین معلوم کہ روسیون نے اسیر کر لینے کے بعد اس بہادر
مجاہد اسلام کے ساتھ کیا سلوک کیا - مگر یہ جانتے ہین کہ ۱۲۷۶؁ محمدی مین گرفتار ہونے
کے بعد اُس نے بارہ سال تک قید رہ کے سنہ ۱۲۸۸؁ محمدی (۱۸۷۱؁ع) مین روسیون ہی
کی قید مین وفات پائی - جب کہ اُس کی عمر چوہتر سال کی تھی -

سخن سنجان وطن

ان دنون اشاعت دلگداز مین جو بدنظمی رہی خاکسار ایڈیٹر کی بیماری کے
سبب سے تھی - آپ کے اس ادبی خادم کو سینتیس سال کی خدمت گزاری کے بعد اب بعض امراض
نے ستانا شروع کر دیا ہے - جو غالبًا جان لے کے جائین گے - لیکن اُس کا حوصلہ وہی ہے اگر قطعی معذوری
و مجبوری نہ ہوئی تو وہ مرتے دم تک ان قومی و وطنی خدمات کو انجام دیتا رہے گا - یہ اُسی دُھن
کی برکت ہے کہ دلگداز کے باقی ماندہ پرچے تیار ہو گئے - اب ناظرین کے لیے ناول "بابک خرمی"
کا دوسرا حصہ تکمیل کے قریب پہونچ گیا - اور چھپ رہا ہے - جو امید ہے کہ آیندہ جنوری
مین ۱۹۱۸؁ع کے چندے اور محصول کل عہ ۱۱/ر کی وی پی حاضر ہو گا -

فی الحال خاکسار کے ذمے بہت سے کام ہین - اور فقط آپ حضرات کی حوصلہ افزائی
اُن کو انجام دلا رہی ہے - دلگداز اور دل افروز کے مضامین اور ناولون کے علاوہ بڑی
اہم کتاب "تاریخ ارض مقدس" ہے جس کے حصے جُدا جُدا کتابون کی صورت مین مورخ کے ذریعے
سے شائع ہو رہے ہین - اُن مین سے تین کتابین "تاریخ یہود" "مسیح و مسیحیت" اور جاہلیت عرب"
مکمل ہو کے مرتب ہو گئین - چوتھی کتاب "خاتم المرسلین" مورخ کے ساتھ جنوری ۱۹۱۸؁ع سے شائع
ہونا شروع ہو گی - اور بعد کی تاریخ بھی کم از کم تین کتابون مین پوری ہو گی - مسلمانون
کے لیے یہ بڑی اہم اور نہایت ضروری کتاب ہے - دعا کیجیے کہ خدا پورا
کرا دے -
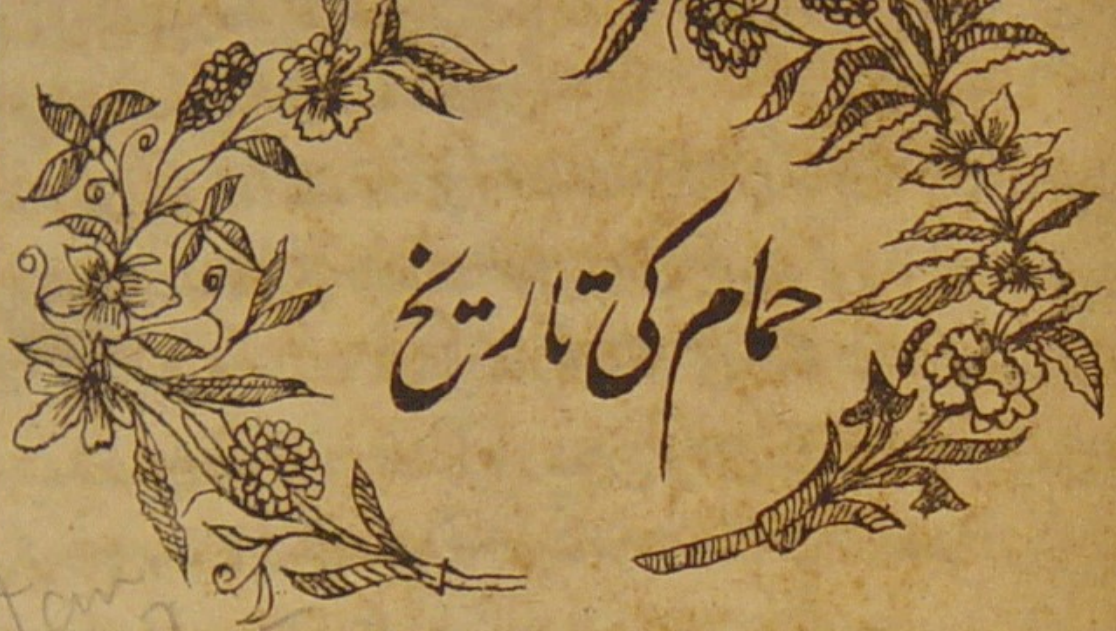
حمام کی تاریخ

انگریزی مین حمام کو "باتھ" کہتے ہین جس کے لغوی معنی غسل یا نہانے کے ہین۔ اور اِس وجہ سے وہان یہ سمجھا جاتا ہے کہ جسم انسانی کے گردوپیش معمولی اوقات مین جس مقدار کی گرمی یا سردی رہا کرتی ہے اُس کے خلاف کسی جگہ زیادہ درجے کی گرمی یا سردی اُس کے جسم پر اپنا اثر ڈالنے کے لیے پیدا کیجائے تو وہ مقام "حمام" ہے۔ مگر ہمارے یہان حمام جس لفظ سے نکلا ہے اُس کے معنے گرمی کے ہین۔ اِس لیے ہمارے یہان صرف اُسی مقام کو حمام کہنا چاہیے جہان کی فضا معمول سے زیادہ گرم کردی گئی ہو۔ اگرچہ اسی مکان مین گرمیون کے موسم مین کبھی لوگ ٹھنڈے پانی سے بھی نہا لیا کرتے ہون۔

دراصل حمام اُس عمارت کا نام ہے جس مین پانی کے حوض کے نیچے آگ جلا کے حوض کا پانی خوب گرم کیا جائے۔ پھر اُس پانی سے جو بخارات اُٹھین اُن کو دروازے اور باہر کے منافذ بند کر کے محفوظ کیا جائے۔ اور مکان کی فضا اور ہوا جس درجے تک ضرورت ہو گرم کردی جائے۔ اُس مین ایک ٹھنڈا حوض رکھنا بھی لازمی ہے تاکہ جب پانی بہت زیادہ گرم ہو جائے تو اُس کو جس درجے تک مناسب معلوم ہو سمو کے معتدل کردیا جائے۔

اس مین نہانے کے طریقے بھی مختلف ہین۔ کہین لوگ حوض مین اُتر کے غوطے لگاتے ہین۔ کہین حوض سے لوٹے مین پانی لے کے بنڈے پر

ڈالتے ہین - اور بعض جگہ چھت پر لگے ہوئے فواروں اور ہزاروں سے مینہ
کی طرح اپنے اوپر پانی برساتے ہین -
نہانے کا آغاز تو اُسی وقت سے دُنیا مین ہو گیا ہو گا جب انسان پیدا
ہوا - اور اُسے صفائی کی ضرورت محسوس ہوئی لیکن مذکورہ بالا خاص شان
کے گرم حمامون کا آغاز غالباً بابل اور مصر مین بھی ہوا ہو گا جہان تمدن انسانی
یورپ سے پہلے ترقی کر گیا تھا - مگر یورپ مین یونان کے پہلے شاعر ہومر کے زمانے
تک گرم حمامون کا پتہ لگتا ہے - جو حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ و السلام سے
۱۴۷۱ سال پیشتر کا زمانہ تھا -
اُس کے بعد یونانیون مین ایسے گرم حمام کثرت سے بن گئے جو یا تو
معزز اُمرا کے گھرون مین تھے اور خاص اُن کے اور اُن کے احباب کے غسل
کرنے کے لیے مخصوص تھے - اور یا عام لوگون کے نہانے کی غرض سے تھے -
لیکن اِس کا پتہ لگانا دشوار ہے کہ یونانیون کے وہ حمام کس وضع قطع کے
تھے - اُن مین گرمی کس درجے تک بڑھائی جا سکتی تھی اور کیونکر بڑھائی جاتی
تھی - اور نہانے کے کیا مدارج اور طریقے تھے - زیادہ تفتیش سے اُن کے حمامون
کے متعلق فقط اِس قدر معلوم ہو سکا ہے کہ اُن کے جو حمام عوام کے لیے
تھے وہ علی العموم "جِم نے شیم" یعنی ورزش خانون اور اکھاڑون سے
متعلق ہوا کرتے تھے - اور ورزش کرنے کے بعد فوراً اُن مین جا کے وہ
لوگ گرم پانی سے نہایا کرتے تھے -
یونانیون کے بعد رومیون کا زمانہ شروع ہوا تو ابتداءً اُنھون
نے وہی یونانیون کی وضع کے حمام اپنے وہان بنوائے - پہلے پہل
رومیون مین حمامون کو زیادہ اہمیت نہ تھی - یہان تک کہ اگسٹس قیصر کا
زمانہ آیا - اور اُس کے شوق نے حمامون کو غیر معمولی اہمیت دے کے
اُن مین شاہانہ شوکت ورونق پیدا کر دی - رومی حمامون کو "تھرمہ"
کہتے تھے جس کے معنے گرم غسل خانے کے ہین - اور اُس کا صحیح ترجمہ ہمارا
عربی لفظ "حمام" ہے گو کہ رومیون مین ہمارے یہان کی طرح ٹھنڈے حمام بھی تھے -

محلّون محلّون مین کثرت سے عالیشان حمام تیار ہو گئے - مختلف مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اکیلے شہر رومہ مین آٹھ سو سے زیادہ ہی حمام تھے - جن مین زیادہ مشہور و معروف حمام اگریپا - حمام انطونیوس - حمام قراقلا - حمام دیوقلی طین - حمام نیرو اور حمام طیطوس تھے - دیوقلیطین حمام مین کہتے ہین کہ ۱۸۰۰ آدمیون کے نہانے کے چبوترے تھے - اور اُن کی عظمت و رونق اور آراستگی و زیبائش کے جو افسانے بیان کیے جاتے ہین حیرت انگیز ہین - جن رومی حمامون کے منہدم آثار آج باقی ہین اُن کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ عمارتین جب اپنی اصلی حالت پر قائم ہون گی تو کیسی شاندار ہون گی - اور یقین آجاتا ہے کہ اُن کی نسبت جو کچھ کہا جاتا ہے بالکل سچ ہے -

رومیون مین حمام کرنے کا وقت علی العموم گرمیون مین دن کو دو بجے اور جاڑون مین تین بجے تھا - اور اُن مین نہانے کا طریقہ یہ تھا کہ حمام مین داخل ہونے کے بعد کپڑے اُتارتے ہی کوئی عام قسم کا گاڑھا اور سستا تیل سارے بدن مین لگا دیا جاتا - جس کے بعد وہ افاریسٹوریم مین داخل ہوتے - افاریسٹوریم ایک بہت بڑے ہال کا نام تھا جس مین ہر طرح کی مروجہ ورزشون کا سامان موجود رہتا - وہان وہ خوب ورزش کرتے یہان تک کہ خوب پسینہ آجاتا - جو ورزش زیادہ عام تھی یہ تھی کہ بھاری فولادی گولون کو اُٹھایا اور مختلف طریقون سے گھمایا اور پھرایا جاتا - جی بھر کے ورزش کر لینے کے بعد وہ ایک دوسرے گرم کمرے مین جاتے جو کالڈریم کہلاتا - اور اُس مین خوب تیز گرمی ہوتی - یہان سینگ اور اور دھات کے جھانوون سے خوب رگڑ رگڑ کے بدن دھویا جاتا - خوب نہا دھو لینے کے بعد یہان اُن کے بدن مین ایک لطیف خوشبودار تیل لگا دیا جاتا - جس کے بعد وہ ٹپی ڈیریم مین داخل ہوتے - یہ وہ کمرہ تھا جس مین نہانے کے کمرے کے مقابل خفیف درجہ کی گرمی ہوتی - تھوڑی دیر یہان توقف کر کے وہ فریجی ڈاریم مین جاتے جو ٹھنڈا کمرہ ہوتا تھا - اور اُس ٹھنڈے کمرے مین آنے کی ضرورت یہ ہوتی کہ کالڈریم کی سخت گرمی کے بعد ایک ٹھنڈے مقام مین بیٹھ کے جسم مین کھلی فضا اور باہر کی ہوا

مین آنے کی صلاحیت پیدا ہو جاے۔

یہ تھا رومی حمام جس کا رومیون کو اس قدر شوق تھا کہ جس سرزمین پر جا کے اُنھون نے قیام کیا اسی قسم کے پبلک حمام وہان اُنھون نے تعمیر کرا لیے۔ گرم چشمون سے فائدہ اُٹھایا اور اُن کے پانی کو حمام مین پہونچایا۔ چنانچہ مغربی انگلستان مین شہر باتھ (حمام) رومیون کے اِس مذاق کی یادگار آج تک موجود ہے۔

رومیون کے زوال کے بعد قرون وسطی مین یورپ پر مسیحی مقتداؤن کا اثر تھا اور اُنھین طہارت اور نہانے اور دھونے سے اس قدر نفرت تھی کہ رومیون کے بنائے ہوے تمام حمام منہدم ہو گئے۔ اور جن لوگون کو اُس پر فخر و ناز ہو کہ عمر بھر ہمارے پنڈے مین پانی نہین لگا اُن کے زمانے مین اگلے حمامون کے باقی رہنے اور کسی نئے حمام کے تعمیر ہونے کی کیا امید کیجا سکتی تھی؟ چند ہی روز مین اہل ملک حمام اور اُس کے لطف کو بھول گئے۔ اور اُس کے ساتھ ہی طہارت و نجاست کا امتیاز بھی اُٹھ گیا۔ اور یورپ کی پبلک مین وہ تمام عیب پیدا ہو گئے جو صفائی اور طہارت کا خیال نہ ہونے کے لازمی نتائج ہین۔ حتیٰ کہ پیشاب پیخانے کے بعد بھی دھونے کی ضرورت نہ باقی رہی۔ اگرچہ اب بہت سے ہندوستانی بھی نجس رہنے مین یورپ کی تقلید کرنے لگے ہین مگر وہ ننگ وطن ہین۔ اور اِس نجس رہنے پر اُنھین تو شرم نہین آتی مگر ہم بجاے خود اُن کے عوض شرما لیا کرتے ہین۔

رومیون کے بعد سرزمین عرب سے نیر اسلام طلوع ہوا۔ اور عرب لواے توحید کندھے پر رکھ کے افریقہ سے ہوتے ہوے یورپ مین پہونچے۔ ان موحدون کے نزدیک نہانا اور وضو کرنا خدا کی عبادت کے لیے لازمی تھا۔ اسی قدر نہین جنابت کی حالت مین اُنھین بغیر نہائے ایک گھڑی بسر کرنا بھی دشوار تھا۔ اُن کو غسل و وضو کرتے اور گھڑی بھر کے لیے بھی نجاست کو نہ برداشت کر سکتے دیکھ کے تعصب نے مسیحیون کو یقین دلایا کہ نہانا دھونا اور بدن کو پانی مین بھگونا ایمانداری کے خلاف ہے اور کافرون (مسلمانون) کا کام ہے۔ دیندار مسیحیون کو اِن باتون سے کیا غرض۔ بہر حال مسیحیون کو طہارت کرنے اور نجاست دور کرنے سے روز بروز نفرت و نفرت ہوتی گئی۔ اور نہانے دھونے کا جو کچھ سامان اگلے رومیون کا مہیا کیا ہوا باقی

ہین جہان رومیون نے گاؤن گاؤن مین حمام بنوائے تھے آج اگر ایک آدھ حمام عجائبات قدرت کے نمونے کے طور پر بنا بھی لیا گیا ہے تو اپنی چیز نہین بلکہ "ٹرکش حمام" یعنی ترکون اور مسلمانون کی چیز کہا جاتا ہے۔

مسلمانون کو تمدن و دولت حاصل کرتے ہی اپنی طہارت اور صفائی کی ضرورتون کے لحاظ سے حمام ایک نعمت غیر مترقبہ نظر آیا۔ اُنھون نے فوراً اُسے اختیار کر لیا۔ اور جہان جہان عرب جا کے آباد ہوے یا دین اسلام پہونچا ہزارون حمام تعمیر ہو گئے۔ اسی قدر نہین اُنھون نے اپنے حمامون مین رومی حمام سے بھی زیادہ ترقی کی۔ چنانچہ فی الحال دنیا کے تمام باعظمت و شان حمام مسلمانون کے بنائے ہوئے ہین۔

اہل اسلام کے حمامون مین سے وہ ورزش خانہ نکل گیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ سپہگری کے فنون اور اسلحۂ جنگ کی ورزشون کا جداگانہ مستقل انتظام ہو گیا۔ اور یہ چیزین کبھی کبھی کے لیے نہین بلکہ روزانہ تعلیم مین داخل ہو گئین۔ اِن اسلامی حمامون مین پہلے انسان ایک کمرے مین داخل ہوتا ہے جس کی گرمی اس قدر معتدل ہوتی ہے کہ ناگوار نہین ہوتی اور کوئی مضر اثر نہین ڈال سکتی۔ وہان کپڑے اُتار کے اور ایک مناسب زمانے تک ٹھہر کے انسان ایک اور کمرے مین جاتا ہے جو پہلے کمرے سے زیادہ اور نہانے کے کمرے سے کم گرم ہوتا ہے۔ یہان بھی تھوڑی دیر ٹھہر کے وہ اُس کمرے مین جاتا ہے جہان نہانا ہے۔ یہان تک پہونچتے پہونچتے خوب پسینہ آجاتا ہے۔ میل چھوٹنے کے لیے خوب پھول جاتی ہے۔ اب حمامی ایک چوکی پر بٹھا کے تمام جسم پر تیز گرم پانی ڈال دیتا ہے پھر کیسے سے خوب مل مل کے میل چھڑاتا ہے اور بدن کو صاف کرتا ہے۔ بالون کو بیسن کھلی یا کسی اور چیز سے مل کے دھوتا ہے۔ اِس کے بعد وہ مختلف پیچون اور طریقون سے ہڈیون کے جوڑون کو کھینچتا ہے اور ایسی اچھی ونک کرتا ہے کہ نہایت آرام ملتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ سارے اعضا نرم پڑ گئے۔ تھکن اور سستی دور ہو گئی۔ اور ہاتھ پاؤن کھل گئے۔ اس کے بعد جسم پر خوب پانی بہا کے اور بخوبی طہارت کر کے انسان لنگی بدل کے حسب ترتیب اُنھین کمرون سے گزرتا ہے جن مین سے ہو کے گیا تھا۔ اور آخری کمرے مین دم بھر ٹھہر کے

بتدریجی کمرون کی وجہ سے انسان آخری کمرے مین اس درجے تک کی حرارت کو برداشت کر لیتا ہے کہ اگر براہ راست نہانے کے کمرے مین چلا جاے تو وہان کی حرارت اُس کے لیے اس قدر ناقابل برداشت ہو کہ ضرر پہونچا دے۔ ترکی حمامون مین پتھرون پہ گرم پانی چھڑک چھڑک کے نہانے کے کمرے کی حرارت ۱۴۰ درجے تک پہونچا دی جاتی ہے۔

حمام اگرچہ سرد ممالک اور ہمارے یہان بھی جاڑون مین نہایت لُطف کی چیز ہے اور اُن سے اطبا نے اپنے فن مین بھی بہت فائدہ اُٹھایا ہے مگر اُس کے ساتھ نہایت ہی خطرناک چیز بھی ہین۔ اگر حرارت اعتدال سے تجاوز کر جائے تو جان کا خطرہ ہے۔ چنانچہ اگلی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد بادشاہون اور بہت سے امیرون کی جانین حمامیون سے سازش کر کے حمام ہی کے ذریعے سے لی گئی ہین۔

حُسن کی کرشمہ سازیان

نینون لانکلون

یعنی آنکلو والی "نینون" یہ ایک عجیب مذاق اور عجیب وغریب قابلیت کی نامور فرانسیسی خاتون تھی۔ جو آج سے تین سو برس پیشتر سنہ ۱۶۱۶ء مین خاص دارالسلطنت فرانس پیرس مین پیدا ہوئی تھی۔ بچپن ہی مین ایسی حسینہ وجمیلہ اور پری جمال وحور تمثال تھی کہ دیکھنے والے غش غش کر جاتے۔ اس کے ساتھ ایسی شوخ چلبلی اور عشوہ ساز تھی کہ جو دیکھتا بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ع اب تو فتنہ ہے کوئی دن مین قیامت ہوگی۔

مان چاہتی تھی کہ کسی خانقاہ رہبان کی تعلیم گاہ مین داخل کر کے اُسے مذہبی زندگی کی تعلیم دلائے۔ مگر باپ عیاش طبع رنگین مزاج اور ریاکار زاہدون کے خلاف تھا بیٹی کے لیے تقاہت کی راہبانہ زندگی نہ پسند کی۔ اور اس کی تعلیم کے لیے دوسرے ذرائع اختیار کیے۔ لیکن پندرہ ہی سال کی تھی کہ سر سے

بغیر کسی رہبر کے
خود ہی اپنا راستہ نکالنا پڑا۔

بلوغ کے بعد ہی اُس کا حُسن وجمال یک بیک ایسا نکھر آیا اور اُس کے ناز وانداز مین ایسی دلربائیان پیدا ہوگئین کہ اُس کی چشم فتّان کا تیر جس پر پڑجاتا کلیجے کے پار ہوتا۔ یک بیک سارے فرانس مین اُس کی کافرماجرائی کا چرچا ہونے لگا۔ اور فرانس کے وضعدار اور شوقین امیرزادے اِس خداداد حسن کی قدردانی کو تیار ہوگئے۔ اعلیٰ ترین رتبے اور دولت کے کئی امیرون نے اُس پر اپنے شوق کی کمندین پھینکنا شروع کین۔ اور جو تھا چاہتا تھا کہ اُسے اپنا بنا لے۔ مگر نینون نوعمری ہی سے ایسی انجام بین اور زمانہ شناش تھی کہ کسی کی نہ ہوئی۔ بڑے بڑے دولتمندون نے لاکھ سر مارا اظہار عشق کیا مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ آئی۔ دراصل خودداری وخودپرستی نے اُس کے دل مین یہ بات ڈال دی تھی کہ مین کسی کی جورو بن کے اُس کی تابع فرمان اور محکوم نہ بنون گی۔

لیکن کمال یہ تھا کہ اِس خودداری وبے پروائی کے ساتھ اُس مین خشک مزاجی رُکھاوٹ یا زاہدانہ بے تعلقی کہین نام کو نہ تھی۔ کوئی شوق کے ساتھ ملتا تو اُس سے زیادہ شوق سے وہ اُس سے ملتی۔ پیاری باتون شوخی کی حرکتون اور طرح طرح کی اداؤن سے اُس کی دلربائی کرتی۔ لیکن جہان کوئی اِس حد سے آگے قدم بڑھانے کا ارادہ کرتا تو کوئی ایسی حرکت کرتی کہ وہ اپنا مُنہ لے کے رہ جاتا اور سمجھ جاتا کہ یہ پھول اگرچہ حسن وخوبی مین لاجواب ہے مگر اُس تک میرا ہاتھ نہین پہونچ سکتا۔

اِن قدرتی ومزاجی محاسن کے ساتھ وہ اعلےٰ درجے کا علمی وادبی کمال رکھتی تھی۔ اُس مین غیر معمولی ذکاوت وفراست تھی اور اُس نے اعلیٰ درجے کی طبع رسا پائی تھی۔ بذلہ سنج تھی اور سخن فہم۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُس دور کے نامور شعرائے فرانس مولیئر اور فونتنل اُس کی دوستی کا دم بھرتے اور روز اُس کے دروازے پر کھڑے رہتے تھے۔ اسی قدر نہین اُس عہد کے بہت سے صاحب کمال انشاپرداز اور شاعر اپنے کلام مین اُس سے اصلاح لیتے تھے۔ اس سے اندازہ کیا

کیسا چلتا ہوا جادو پیدا کر دیا ہو گا۔

اس علمی ذوق کے ساتھ اُسے خود آرائی کا بھی بیحد شوق تھا۔ بغیر سنورے اور خوب نکھار کیے گھر سے باہر قدم نہ نکالتی۔ لباس کی تراش خراش اور سجاوٹ مین اور حسن کی آرائش و زیبائش مین اِس قدر اہتمام کرتی کہ اُس کے زمانے مین لوگ اُس کا ایک جلوہ دیکھتے ہی دیوانے ہو جاتے۔ اور آج تک فرانس مین بہت سے اُبٹنے اور پوڈر اُسی کے نام سے مشہور کیے جاتے ہین۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے خود آرائی کے کمال سے اُس نے عہد شباب کے گزر جانے کے بعد بھی مدتون تک اپنے آپ کو جوان پری تمثال بنائے رکھا۔

لیکن باوجود ان تمام لگاوٹون۔ ناز آفرینیون۔ اور خود آرائیون کے اُس نے اُس اپنے دامن عصمت مین کبھی دھبہ نہ لگنے دیا۔ چنانچہ اُس کے حالات بیان کرنے والے دعوے کے ساتھ کہتے ہین کہ "اُس کا مذاق تو ایبی کیورس کا تھا مگر زندگی لائس کی تھی" جس کا مطلب ہماری زبان مین یہ ہوا کہ "مذاق شہوت پرستی کا تھا اور زندگی خدا پرستی کی تھی"

اُس نے اپنے عہد شباب مین ہمیشہ عشق بازی کا کھیل کھیلا مگر اُس عشق بازی مین نہ کوئی غرض تھی اور نہ کوئی شخص اُس کا مقصود و مطلوب تھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی تھا کہ اُس کی پاک و بے غرض محبت و الفت کو فقط ہم مذاقی و لطف صحبت سے تعلق تھا حصول دولت کے لیے اُس نے کبھی کسی کی طرف رخ نہین کیا۔

بناؤ چناؤ اور خود آرائی کرتی۔ مگر اِس بناؤ مین کچھ ایسی شریفانہ سادگی اور پاکدامنی کی ادا ہوتی کہ فرانس کی پاکدامن و عفیفہ عورتین جو باہر کی ملنے جلنے والیون سے حتی الامکان گریز کرتین اُس کی دیوانی ہو رہی تھین اور اُس سے میل ملاپ پیدا کر لینے کو اپنا فخر سمجھتین ذی علم لوگ اور ادیبان زمانہ اُس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اور اپنے کلام مین جب تک اُس سے اصلاح نہ لے لیتے ہرگز شائع نہ کرتے۔ خود اس کے تصانیف بہت کم شائع ہوے۔ اور جو اُس کی جانب منسوب ہین اُسکے نہین ہین اُس نے عمر بہت زیادہ پائی۔

دولت بنی فاطمہ کا پہلا امام عبید اللہ مہدی

اب مراکش سے طرابلس تک سارا ملک عبید اللہ مہدی کے زیر نگین تھا جس مین ابو عبد اللہ نے سطوت پیدا کر کے امام واجب الاتباع کی حیثیت سے اُسے ملک کے سامنے پیش کیا۔ عبید اللہ نے عنان حکمرانی ہاتھ مین لینے کے بعد ملک کا انتظام کیا۔ اپنی جانب سے ملکی خدمات پر عہدہ دار مقرر کیے۔ اور اُن تمام صوبون مین جو فرمان روایان بنی اغلب کے زیر نگین تھے اپنے بھروسے کے والی و حاکم مقرر کر کے بھیجنا شروع کیے۔

حسن بن احمد بن ابی الخنزیر والی صقلیہ

اسی سلسلے مین اُس نے حسن بن ابی الخنزیر کو حاکم صقلیہ مقرر کر کے روانہ کیا۔ فرمان تقرر پاتے ہی وہ جہاز پر بیٹھ کے روانہ ہوا۔ اور ۱۰ ذی الحجہ سنہ ۲۹۷ھ کو صقلیہ کے ساحلی شہر مازر مین پہونچا۔ اپنے بھائی کو اپنی نیابت مین جرجنت کا حاکم بنایا۔ اور اسحٰق بن منہال کو قاضی صقلیہ مقرر کیا۔ سنہ ۲۹۸ھ تک ابن ابی الخنزیر مازر ہی مین مقیم رہا۔ پھر لشکر جمع کر کے جہاد کی تیاریان کین۔ اور شہر دمنش پر حملہ کر دیا۔ وہان والون کو مقابلے کی جرات نہ ہوئی۔ اور ابن ابی الخنزیر لوٹ مار کے اور بہت سے لونڈی غلام گرفتار کر کے پھر مازر مین واپس آیا۔

علی بن عمر البلوی والی صقلیہ

ابن ابی الخنزیر نے صقلیہ مین پہونچتے ہی ایسی بدمزاجی اور کبر و نخوت کی حرکتین [illegible] جو صقلیہ مین متوطن ہو گئے تھے

اُس کے دشمن ہو گئے۔ اور ایک ہی سال مین ساری رعایا اُس سے سخت ناراض تھی۔ اِن باتون کا انجام یہ ہوا کہ ایک دن لوگون نے ناگہان نرغہ کر کے اُسے پکڑ لیا۔ اور اِس کے بعد خود ہی عبید اللہ مہدی کو تمام واقعات کی اطلاع دی۔ اپنی مجبوری ظاہر کر کے عذر خواہ ہوے۔ اور کسی دوسرے والی کو مانگا۔ عبید اللہ نے اُن کے عذرات کو قبول کیا۔ اور علی بن عمر البلوی کو والی مقرر کر کے روانہ کیا چنانچہ اُس نے آخر ذی الحجہ سنہ ۲۹۹ھ مین وہان پہونچ کے حکومت کا چارج لے لیا۔

احمد بن قرہب والی صقلیہ

علی بن عمر والبلوی بہت بوڑھا اور اُس کے ساتھ نہایت ہی نرم دل اور کمزور طبیعت کا حاکم تھا۔ اور غالباً عبید اللہ نے عمداً ایسے شخص کو بھیجا تھا تاکہ صقلیہ والون کو پھر شکایت نہ ہو۔ مگر اُس کا اُلٹا یہ اثر ہوا کہ اہل صقلیہ اُس کے اختیار سے باہر ہو گئے نہ اُس کی اطاعت کرتے اور نہ اُس کا حکم مانتے۔ نوبت یہانتک پہونچی کہ سب نے مل کے حکومت سے معزول کر کے صقلیہ ہی کے ایک صاحب اثر شخص احمد بن قرہب کو اپنا حاکم بنا لیا۔ اور اُس نے دھڑلے سے حکومت شروع کر دی۔ عنان حکومت ہاتھ مین آتے ہی اُس نے ایک لشکر اٹلی کے جنوبی صوبہ قلوریہ پر روانہ کیا۔ یہ لشکر وہان رومیون کو شکست دے کے اور اُس علاقے کے شہرون کو تاخت وتاراج کر کے بڑی کامیابی سے واپس آیا۔ پھر سنہ ۳۰۰ھ مین اُس نے اپنے بیٹے کو ایک لشکر کا سردار بنا کے طبرمین کے قلعہ جدید پر بھیجا۔ اور حکم دیا کہ اُسے محاصرہ کر کے جس طرح بنے فتح کرو۔ ابن قرہب کی خواہش یہ تھی کہ اسی شہر طبرمین کو اپنا مستقر قرار دے۔ اور اُس کے قلعے مین جو بڑا مضبوط تھا اپنے اہل وعیال اور زن و فرزند کو لیجا کے رکھے۔ علی نے جا کے طبرمین کا محاصرہ کیا۔ اور چھ مہینے تک اُسے گھیرے

کہ ایک دن اسی [illegible] کی اثنا مین اُس کے ہمراہی مسلمان سپاہیون نے
زغہ کر کے اُس کے خیمے مین آگ لگا دی۔ اور ساتھ ہی لشکر گاہ کے سایبانون خیمون
پر بھی شعلے بلند ہوے۔ بہت سے سپاہیون کا قصد ہوا کہ اپنے سپہ سالار علی تمیمی
کو بکڑ کے قتل کر ڈالین۔ مگر بعض عربون نے ایسی بے اعتدالی سے روکا۔ اور
علی کی جان بچ گئی۔

صقلیہ مین دعوت عباسی اور عبیداللہ مہدی کی مخالفت

مذکورہ واقعے کے ساتھ ہی احمد بن قرہب نے عبیداللہ مہدی کی اطاعت
کا جُوا گردن پر سے اتار کے پھینک دیا۔ علانیہ دعوت عباسی کا غلغلہ بلند کیا۔ لوگون
سے المقتدر باللہ خلیفہ بغداد کی بعیت لینے لگا۔ اور ایک آناً فاناً مین صقلیہ کی
تمام مسجدون مین عبیداللہ مہدی کا نام خطبون مین سے نکل گیا۔

ابن قرہب نے اسی قدر نہین کیا بلکہ صقلیہ کے بیڑے کو زبردست
لشکر سے آراستہ کر کے سواحل افریقہ پر روانہ کیا تاکہ ساحلی شہرون کو لوٹے
مارے۔ اور عبیداللہ کو افریقہ مین بھی آرام سے نہ بیٹھنے دے۔ یہ پہلا موقع
تھا کہ سرکش مسلمانان صقلیہ نے خود اپنے مرکز افریقہ پر چڑھائی کی۔ اُدھر سے عبیداللہ
کا افریقی بیڑا اُس کے مقابلے پر آیا جس کا امیر البحر حسن بن ابی الخنزیر تھا جو اہل
صقلیہ کے ہاتھ سے چھوٹ کے افریقہ پہونچ گیا تھا۔ دونون بیڑون مین سخت لڑائی
ہوئی۔ اور صقلیہ کے جہازون نے اس طرح جان پر کھیل کے اور اس شدت
سے حملہ کیا کہ عبیداللہ مہدی کے بیڑے کو تباہ کر دیا۔ اُس کے بہت سے جہازون
مین آگ لگا دی۔ بہتون کو غرق کیا اُن کے امیر البحر ابن ابی الخنزیر کو پکڑ کے قتل
کر ڈالا۔ اور اس کا سر کاٹ کے ابن قرہب کے پاس صقلیہ مین بھیجا۔ اس
بحری فتح سے صقلیہ والون کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اور اُن کے بیڑے نے حریفون کی

پہونچ کے لوٹا مارا۔ اور ساحلی آبادیون کو غارت کرتا ہوا اطرابلس الغرب پر پہونچا
وہان عبید اللہ مہدی کا بیٹا القائم ایک زبردست لشکر کے ساتھ موجود تھا
اُسے دیکھ کے اہل صقلیہ کو زمین پر اُترنے کی جرأت نہ ہوئی فوراً اُن کے
جہازون نے لنگر اُٹھا دیا اور صقلیہ مین واپس چلے گئے۔

اتنی مدت مین یہ ہوا کہ خلیفہ المقتدر عباسی بغدادی کے بھیجے ہوے سیاہ
علم اور خلعت صقلیہ مین ابن قرہب کے پاس پہونچ گئے۔ جن کو مسلمانون کے سامنے
پیش کرکے اُس نے عبید اللہ کی مخالفت کا جوش اور بڑھا دیا۔ اور آزادی و اطمینان
سے خلافت عباسی کے زیر حمایت اس جزیرہ مین حکومت کرنے لگا۔ چنانچہ اُس نے
صقلیہ کا ایک زبردست بیڑا تیار کرکے اٹلی کے صوبہ قلوریہ پر بھیجا۔ جہان
کے شہرون کو لوٹ مار کے جدید دولت اسلامیہ صقلیہ نے خوب دولت و ثروت
حاصل کی۔ اور بیڑا اپنی مہم کو کامیابی سے پورا کرکے واپس آگیا۔

جس وقت صقلیہ کا ایک بیڑا قلوریہ پر گیا ہے اُسی وقت وہان
کا دوسرا بیڑا افریقہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ جدید دولت فاطمیہ افریقہ کے
مقابل کمزوری نہ ظاہر ہو۔ اب کی پھر افریقہ کا بیڑا آ کے مقابل ہوا۔ اور
بڑی بھاری لڑائی ہوئی۔ مگر اب کی سابق کے خلاف صقلیہ کے جہازون کو
شکست ہوئی۔ اور مہدی کے جہاز پوری طرح فتحیاب ہوئے۔

مسلمانان صقلیہ مین یہ نہایت ہی سخت عیب تھا کہ قابو پا کے
جس طرح بے سوچے سمجھے بغاوت و سرکشی پر اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اُسیطرح
اپنے کسی سردار کو کمزور دیکھتے ہی اُس کا ساتھ بھی چھوڑ دیا کرتے۔ چنانچہ جیسے ہی
خبر آئی کہ مہدی کے بیڑے کو فتح ہوئی سب نے یکقلم ابن قرہب کا ساتھ چھوڑ دیا
اور اسی قدر نہین اُس کی دشمنی اور اُس سے انتقام لینے پر آمادہ ہو گئے
اور وجہ یہ تھی کہ ابن قرہب کی سخت گیریون کے باعث سب اُس سے ڈرتے
اور دل مین بغض رکھتے تھے۔ اس وقت موقع پاتے ہی فوراً اُس کی اطاعت
چھوڑ دی۔ اور عبید اللہ مہدی کی خدمت مین سرخرو ہونے کے لیے اپنا

ہونچین۔ اور ساتھ ہی سب نے ۲۹۹ھ مین ابن قرہب پر یورش کردی۔ اُسے گرفتار کرلیا۔ اور مع رفیقون اور ساتھیون کے اُسے پابزنجیر عبیداللہ مہدی کے پاس بھیجا۔ مہدی نے ان دشمنون کو اپنے قبضے مین پا کے حکم دیا کہ ابن ابی الخنزیر کی قبر پر لیجا کے سب کی گردن ماری جائے جس مین اُس کا سر دفن تھا۔

ابوسعید موسیٰ بن احمد والی صقلیہ

باغیان صقلیہ کو قتل کر کے عبیداللہ مہدی نے ابو سعید موسیٰ بن احمد کو جزیرۂ صقلیہ کا والی مقرر کر کے روانہ کیا۔ اور اُس کے ہمراہ بہادر اور کارآزمودہ شیوخ کتامہ کی ایک زبردست جماعت بھی بھیجی کسی موقع پر ابن قرہب نے مہدی کو لکھا تھا کہ اہل صقلیہ مین بے وفائی و سرکشی کا مادہ بہت زیادہ ہے اُن کا معمول ہے کہ اپنے حاکمون اور امیرون کو ذرا بھی کمزور پاتے ہین تو فوراً مخالف ہو کے اُسے لوٹ لیتے ہین۔ اور جب تک حاکم کے ساتھ زبردست لشکر نہ ہو اطاعت نہین کرتے۔ یہ زبردست لشکر صقلیہ مین پہونچا تو لوگ خائف ہوئے۔ مگر ڈرنے پر بھی اپنی وضع نہ چھوڑی۔ اہل جرجنت اور اہل مدینہ بلرم والون نے اس پر حملہ کیا۔ اور سخت مقابلہ کرنے کے بعد قلعہ بند ہو کے بیٹھ رہے۔ ابوسعید نے محاصرہ کرلیا۔ دریا کی جانب بندرگاہ اپنے قبضے مین کر لی۔ اور اُدھر اپنے اور شہر والون کے درمیان مین ایک نئی فصیل بنا کے کھڑی کر دی۔

آخر چند ہی روز کے محاصرے کے بعد اہل صقلیہ نے قلعہ سے نکل کے مقابلہ کیا۔ اور ابوسعید نے اُن کو ایسی زبردست شکست دی کہ اُن کے بہت سے لوگ ابوسعید کے ہاتھ مین گرفتار ہو گئے۔ اور اہل شہر نے مجبور ہو کے امان مانگی۔

ابوسعید نے سوا دو شخصون کے سب کو امان دیدی۔ یہ دو شخص اصلی بانی فتنہ تھے۔ اور اُنھین کے اغوا سے اہل صقلیہ لڑنے اور مقابلہ کرنے پر تیار ہوئے تھے

کے حوالے کر دین۔ مگر کوئی چارہ کار نہ تھا۔ بڑے کے انھین ابوسعید کے پاس بھیجدیا۔ اور ابوسعید نے اُن کو فوراً عبیداللہ مہدی کی خدمت مین بھیجا۔ اس کے بعد ابوسعید نے شہر پر قبضہ کر کے اُس کے پھاٹک منہدم کرا ڈالے۔ چند ہی روز مین مہدی کے پاس سے ابوسعید کو اس مضمون کا فرمان ملا کہ اہل صقلیہ کا قصور معاف کیا گیا لہذا سب کو امان دیجائے

سالم بن راشد والی صقلیہ

اس کے بعد تیرہ [۱۳] سال تک صقلیہ مین خاموشی نظر آتی ہے اور معلوم ہوتا ہو کہ سکون وامن کے ساتھ یہ جزیرہ عبیداللہ مہدی کے زیر فرمان رہا ۳۱۳ھ مین وہان کا والی عبیداللہ مہدی کی جانب سے سالم بن راشد تھا۔ جس کی نسبت نہین تیا یا جا سکتا کہ اِس خدمت پر اُس کا تقرر کس سال ہوا۔ لیکن اس مین شک نہین کہ وہ بہادر منتظم اور رعب وداب کا والی تھا۔ بغاوت پسند سرکشان صقلیہ کو سر نہین اُٹھانے دیتا تھا۔

مملکت اٹلی پر اُس کی تاختین

اُسے جلد اور حملہ آوری پر آمادہ دیکھ کے مہدی نے افریقیہ سے اُس کی مدد کے لیے تازہ دم فوجین بھیجین جن کو اپنے ساتھ لے کے اُس نے اٹلی کے جنوبی علاقون پر حملے شروع کر دیے۔ پہلے اُس نے صوبہ انکبردہ پر حملہ کیا۔ وہان کے غارون اور بُرجون کو فتح کیا۔ اور بہت کچھ مال غنیمت لے کے صقلیہ مین واپس آیا۔ اُس کے دل مین شوق جہاد اِس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اس کامیاب مہم سے آتے ہی پھر پلٹ پڑا۔ اور اٹلی کے صوبہ قلوریہ پر یورش کی۔ جاتے ہی شہر طارنت (ٹارنٹم) کا محاصرہ کر لیا۔ اور گو کہ ماہ مبارک رمضان کا مہینہ تھا مگر اُس کے بہادر سپاہیون نے دھاوا کر کے طارنت کو بزور شمشیر فتح کر لیا۔ اور برابر فتح کرتا ہوا شہر آدرنت پر جا پہونچا۔ اور وہان لوگون کی سخت مزاحمت کی وجہ سے اُسے فتح کر کے مسمار کر دیا۔

ناگہان لشکر اسلام مین
ایک سخت وبائی مرض پیدا ہوا۔ جس کی شدت سے پریشان ہو کے سالم مع فوج کے صقلیہ مین واپس چلا آیا۔ سالم کو اپنی خوش تدبیری اور سلطنت افریقہ کی مہربانی سے بہت دنون تک حکومت کرنے اور سلسلۂ جہاد جاری رکھنے کا موقع ملا۔ وہ برابر دشمنون پر فوجین بھیجتا اور جہاد کرتا رہا۔ اور مسلمانان صقلیہ اپنے اندرونی جھگڑون اور باہمی لڑائیون کو چھوڑ کے یا تو خود جزیرۂ صقلیہ کے اُن شہرون پر حملہ کرتے جو اب تک شہنشاہ قسطنطنیہ کے قبضے مین۔ یا اٹلی کے صوبہ قلوریہ پر تاختین کر کے مال غنیمت حاصل کرتے جو اُن کے جزیرے سے ملا ہوا تھا۔

القائم بامر اللہ ابو القاسم محمد بادشاہ افریقہ

صقلیہ کی یہی حالت تھی اور وہان کا حاکم وہی مسلمان والی سالم تھا کہ ۳۲۲ھ مین عبید اللہ مہدی نے سفر آخرت کیا۔ اور اُس کا جانشین اُس کا ولیعہد بیٹا ابو القاسم محمد ہوا۔ جس نے مسند حکمرانی پر جلوہ فرما ہوتے ہی القائم بامر اللہ لقب اختیار کیا۔ مہدی نے ترسٹھ سال کی عمر مین چوبیس سال حکومت اور دعواے امامت کر کے اپنے آباد کیے ہوے شہر مہدیہ مین وفات پائی تھی۔ اور لوگون پر اُس کا اور اُس کی امامت کا اس قدر اثر تھا کہ القائم کو ایک سال تک اُس کے مرنے کی خبر شائع کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ لہذا ایک سال تک باپ کی طرف سے نیابۃً حکومت کرنے اور رعایا و عہدہ داران سلطنت کو اپنے موافق بنا لینے کے بعد اُس نے مہدی کی موت ظاہر کی۔

شہر جنوا پر مسلمانون کا حملہ

القائم نے اپنی حکومت کا اعلان کرنے کے بعد سلسلۂ فتوحات جاری کرنے کے لیے مختلف اطراف مین فوجین بھیجین۔ سرکشون کو مطیع بنایا۔ اور

بنا کے یورپ کے مشہور شہر جنوا پر بھیجا۔ یہ بیڑا جنوا کے ساحل پہ پہونچا۔ مسلمان فوج خشکی پر اُتری اور اہل جنوا کو شکست دیکے شہر مذکور کو خوب لوٹا۔ اور بہت سے لونڈی غلام اسیر کر کے دولت سے لدا پھندا افریقیہ مین واپس آیا۔ اس مہم کو صقلیہ کی حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر اس مین شک نہین کہ اس سے فاتحان صقلیہ کی ہیبت اہل یورپ پر چھا گئی۔

صقلیہ مین بغاوت

القائم نے بھی اپنے زمانے مین سالم ہی کو والی صقلیہ رکھا تھا جس نے ابتداءً تو بڑی خوش تدبیری سے حکومت کی مگر آخر مین معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے مزاج مین کبر و نخوت پیدا ہوا۔ پھر اُس کے ساتھ ہی سخت گیری بھی کرنے لگا۔ اور مسلمانان صقلیہ مین اُس کے جور و تشدد کی شکایت پیدا ہوئی۔ انجام یہ ہوا کہ لوگون نے اپنے لیے ایک نیا حاکم منتخب کر کے بغاوت کر دی۔ اور لڑنے کو تیار ہو گئے۔ سالم نے اپنے طرفدار عرب کہ صقلیہ و افریقیہ کا ایک زبردست گروہ جمع کر کے روانہ کیا کہ باغیون کی سرکوبی کرے۔ اس بغاوت کا مرکز شہر جرجنت تھا وہ لوگ فوراً بہت بڑی قوت سے مقابلے کو بڑھے۔ اور ایک سخت لڑائی ہوئی جس مین باغیون نے سالم کی فوج کو شکست دیدی۔ اور دور تک اُن کا تعاقب کرتے چلے گئے۔ یہ سُن کے خود سالم باغیون کے استقبال کے لیے روانہ ہوا۔ اور ۳۲۵ھ کے ماہ شعبان مین دوسری خونریز لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی مین اہل جرجنت کو شکست ہوئی۔ اور وہ میدان چھوڑ کے بھاگے۔

اُن دنون صقلیہ مین مدینہ نام ایک شہر تھا جسے مسلمانون نے آباد کیا تھا۔ وہی اسلامی قوت کا مرکز تھا۔ مدینے والے بھی دل مین اہل جرجنت کے طرفدار تھے جب اُنھون نے دیکھا کہ اُن لوگون کو شکست ہو گئی تو وہ بھی سالم کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور سخت شورش مچا دی۔ سالم نے فوج کشی کر کے ماہ ذیقعدہ مین اُنھین بھی شکست دیدی۔ اور بڑھ کے مدینے کا محاصرہ کر لیا۔ اسی محاصرے کے زمانے مین سالم نے ایک عرضداشت مہدیہ مین القائم کے پاس بھیجی جس مین اطلاع دی کہ اہل صقلیہ باغی ہو گئے۔ اور میری اطاعت سے باہر ہین۔ میری مدد کے لیے وہان سے فوراً لشکر بھیجا جائے۔

مردون کی وضع مسلمانون مین قدیم الایام سے یہ چلی آتی تھی کہ سر پہ بال۔ کتری ہوئی موچھین اور ڈاڑھی گول اور مقطع۔ مذہبی لوگ علما و زہاد ڈاڑھی کو حب سُنّت نبوی بالکل چھوڑ دیا کرتے اور موچھون کے قصر مین کبھی اتنا مبالغہ کرتے کہ مُنڈا ڈالتے لیکن امرا و شرفا کی وضع یہ تھی کہ ڈاڑھی کے لیے نیچے گلے کے پاس اور اُوپر گالون پر حدین قائم کیجاتین۔ اور جو بال زیادہ بڑھ جاتے اُن کو کاٹ کے ڈاڑھی مین گولائی پیدا کر کے اُس کی درازی کی ایک حد مقرر کر دی جاتی۔ سب سے پہلے شہنشاہ اکبر نے ڈاڑھی کو خیرباد کہی۔ اور اُس کے بعد جہانگیر کے مُنہ پر بھی ڈاڑھی نہ تھی۔ اکبر و جہانگیر کے درباریون پر اِس کا چاہے کسی حد تک اثر پڑ گیا ہو مگر امرائے اسلام کی عام وضع وہی رہی جو پہلے سے چلی آتی تھی۔

لکھنؤ مین دربار قائم ہونے کے بعد ڈاڑھی مین قصر شروع ہوا۔ اور ہوتے ہوتے اکثر کے مُنہون پر سے ڈاڑھیان غائب ہو گئین۔ غالباً اس کا اثر یہ ہو کہ ہم مذہبی کی وجہ سے یہان کے دربار پر ایرانیون کا اثر پڑ رہا تھا۔ اُدھر شاہان صفویہ کے عہد سے بادشاہون اور امیرون مین ڈاڑھی کی وہ اہمیت نہین باقی رہی تھی جو آغاز اسلام سے چلی آتی تھی۔ یا تو مسلمانون مین کسی کی ڈاڑھی مونڈ دینا سزا دینے یا اُس کی تذلیل و تحقیر کرنے کے لیے تھا یا ایران مین ڈاڑھی رکھنا شان امارت و حکومت مین داخل ہو گیا۔ لکھنؤ کے خاندان نیشاپوری کے پہلے بانی نواب برہان الملک کے مُنہ پر مقطع ڈاڑھی تھی۔ شجاع الدولہ نے ڈاڑھی مُنڈائی اور اُس کے بعد سے یہان کے تمام اُمرا اور بادشاہ ڈاڑھیان مُنڈاتے رہے اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ عام شیعون سے ڈاڑھی کا رواج اُٹھ گیا۔ پھر بعد کے زمانے مین بہت سے سُنیون نے بھی ڈاڑھیان کتروا ڈالین۔ یا مُنڈا ڈالین۔ ڈاڑھی مُنڈانے کا شوق پیدا ہونے کے بعد طرح طرح کی وضعین نکلنے لگین۔ کسی نے کانون کے نیچے چھوٹی چھوٹی قلمین نکالین۔ کسی نے ٹھیکے

اور بعض شہر کے سنیون نے بھی یہ وضع اختیار کی کہ ڈاڑھی رکھتے مگر راجپوتو
اور ہندی پٹھانون کے مذاق کے مطابق ڈاڑھی کے بیچ مین ٹھڈی
کے پاس مانگ نکال کے دونون طرف کے بالون کو کانون کی طرف
چڑھاتے - اور اس وضع پر ڈاڑھی کے قائم رکھنے کے لیے گھنٹون
ڈھاٹہ باندھے رہتے - پھر اُس چڑھی ہوئی ڈاڑھی کیساتھ مونچھین بھی کنگھی کرکے
اور باندھ باندھ کے اُوپر کے رخ پر چڑھائی جاتین - چنانچہ یہی
وضع یہان اور سارے ہندوستان مین سپہگری اور شجاعت کی علامت
تصور کیجاتی -

سر کے متعلق حضرت سرور کائنات صلعم کے مبارک عہد مین عام
مذاق تھا کہ سر پر بڑے بڑے بال ہوتے جو حج کے زمانے مین مُنڈا
یا کٹوا دیے جاتے ہین -

مگر عرب ہی مین ظہور اسلام کے چند روز بعد سر مُنڈانے کا عام
رواج ہوگیا - اور یہی رواج ایران مین معلوم ہوتا ہے - اور مسلمان ابتداءً جب
ہندوستان مین آئے ہین اُس وقت اُن کی عموماً یہی وضع تھی کہ مُنڈے
ہوئے سر اور اُن پر عمامے - ہندوؤن مین مسلمانون کے آنے کے وقت سر پر
بال رکھنے کا رواج تھا - یہی وضع یہان کے مسلمانون کو پسند آئی - چنانچہ
آخر عہد مین علما و اتقیا اور مشائخ و صوفیہ کے سوا دہلی کے شریف وضع
کی عام وضع یہ تھی کہ سر پر بال ہوتے - جو کانون تک رہا کرتے - سوا بانکون
کے جو نئی نئی وضعین نکالا کرتے -

اسی وضع مین شرفاے دہلی لکھنؤ مین آئے - یہان آکے نازک
مزاجیان بڑھین - خود آرائی کے شوق مین ترقی ہوئی - اور نہایت نزاکت
اور صفائی سے کنگھی کرکے ماتھے پر عورتون کی طرح پٹیان جمائی جانے
لگین - اور ایسی وضع پیدا ہوگئی کہ نوخیز لڑکون مین عورتون کی سی دلکشی
پیدا ہوگئی - پھر چند روز کے بعد جب انگریزون سے سیکھ کے عورتون
نے ماتھا خوب کھول کے پیشانی کے بال اُلٹنا شروع کیے تو یہ وضع بھی بعض

اب غدر کے بعد جب انگریزی وضع قطع اختیار کی جانے لگی تو سارے
ہندوستان کے لوگون کی طرح یہان بھی بال کٹ کے انگریزی فیشنون کے ہو گئے
اور جتنے مُنھون پر داڑھیان باقی رہ گئی تھین وہ بھی تشریف لے گئین۔

عورتون کے بالون کی وضع غالباً لکھنؤ مین وہی ہو گی جو دہلی مین تھی۔
لیکن یہان شاہی مین دُولھنون اور بناؤ چناؤ کرنے والی عورتون کی چوٹیون
مین بڑے بڑے رنگین دوپٹون کے موباف ہوتے جو خوب بیچ دے کے موخر
دماغ سے کمر تک بٹ کے لٹکا دیے جاتے۔ اور زیادہ تکلف کے وقت اُن
مین جوڑا لچکا لپیٹ دیا جاتا۔ اور معلوم ہوتا کہ بڑی بھاری موٹی چوٹی سرتاپا جانم
کی ہے۔ ماتھے پر محراب دار پٹیان جمائی جاتین۔ اور اُن کے بیچ مین چاند ٹیکی
کے گرد سُنہری یا رو پہلی افشان اور ستارون سے نقش و نگار بنائے جاتے۔

ہاتھون پاؤن مین مہندی عورتون کے لیے لازمی تھی۔ مگر اُن کے ساتھ
رنگین مزاج مردون نے بھی کثرت سے مہدی لگانا شروع کر دی تھی جس کو
دیکھ کے باہر والے لکھنؤ کے مردون مین زنانہ پن پاتے۔ اور اُن کا نام رکھتے

(۴) معاشرت مین چوتھی چیز اخلاق و عادات ہین۔ اس بات مین لکھنؤ
والون نے خصوصیت کے ساتھ نمود حاصل کی۔ یہی چیز لکھنؤ مین خاص طور پر قابل
لحاظ ہے۔ اور اِس پر بحث کرنا سب سے زیادہ اہم ہے۔ دراصل لکھنؤ مین
ایشیائی تہذیب کو انتہائی ترقی ہو گئی۔ اور کسی مقام کے لوگون مین معاشرت
کے وہ قواعد نہین ملحوظ خاطر رہتے جن کے اہل لکھنؤ عادی ہو گئے ہین۔

تہذیب دراصل اُن اخلاقی تکلفات کا نام ہے جن کو کوئی قوم تقاضائے
شرافت سمجھنے لگے۔ آج کل ہم اکثر لوگون کو یہ کہتے دیکھتے ہین کہ ملنے جُلنے کی جیان
چنین اور معاشرت کے تکلفات ایک قسم کی فضول ریاکاری ہین۔ مگر یہ اُن کی غلطی
ہے۔ یون تو فضول ریاکاری لباس اور بود و باش کا انتظام بھی ہے اور
بہیمیت کی زندگی کو چھوڑ کے انسانیت کی زندگی اختیار کرنے کے تمام امور

نہین آتی اور مہذب لوگون سے ملنے کا سلیقہ نہین ہوتا اُنھون نے اپنے لیے عذر داری کا بہانہ اِس بات کو قرار دے لیا ہے کہ ہمین شہر والون یا مہذب لوگون کی ایسی دکھاوے کی باتین نہین آتین۔ مگر غور کرو تو انسانیت ہی دکھاوا ہے۔ اچھا پہننا۔ اچھا سامان معیشت رکھنا۔ اچھا کھانا۔ اور ہر کام مین صفائی کا خیال کرنا یہ سب دکھاوا ہے۔

تہذیب اخلاق کا پہلا اصول یہ ہے کہ میل جول مین دوسرے کو ہر لطف اور نفع کی بات مین اپنے اوپر فوقیت دیجاے۔ اور آپ کو اُس کے پیچھے اور اُس سے اونے درجے پر رکھا جاے۔ کسی کی تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑا ہونا۔ اُس کے سامنے جھکنا۔ اُس کے لیے صدر کی جگہ کو خالی کرنا اور اُسے صدر مین بٹھانا۔ اُس کے سامنے ادب سے دو زانو بیٹھنا۔ اُس کی باتون کو توجہ سے سننا۔ اور عاجزی کے لہجے مین جواب دینا یہ سب باتین دوسرے کو اپنے اوپر فوقیت دینے کی ہین۔ اور یہ جس درجے تک وضعدار شرفاے لکھنؤ مین مروج تھین لکھنؤ کے عہد شباب کے زمانے مین اور کہین یا نہ تھین۔

یہ تو وہ باتین ہین جن کو ملنے جُلنے کے طرز عمل سے تعلق ہے۔ مگر یہی چیزین جب اخلاق و عادات مین پوری طرح پیدا ہو جاتی ہین تو انسان مین ایثار نفس کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ آمادہ ہو جاتا ہے کہ دوستون کے ساتھ ہر طرح کی رفاقت اور ہر بات مین اُن کی اعانت کرے۔ عہد شاہی مین یہ چیز اہل لکھنؤ مین پورے کمال کے ساتھ پیدا ہو گئی تھی۔ اور اِسی کا نتیجہ ہے کہ یہان کثرت سے ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جن کا بظاہر کوئی ذریعۂ معیشت نہ تھا۔ اُن کے احباب ایسے مخفی طریقون سے اُن کی کفالت کرتے کہ کسی کو کبھی پتہ بھی نہ چل سکتا۔ اور ذرائع معاش کے مخفی رہنے کے باعث وہ سفید پوشی اور امیرانہ وضع کے ساتھ بڑے بڑے امیرون کی صحبتون مین شریک ہوتے۔ اور کسی کے سامنے اُن کی آنکھ نیچی نہ ہوتی۔ لکھنؤ ایسے لوگون سے بھرا ہوا تھا کہ انقلاب سلطنت ہو گیا۔ اور یکبیک اُن کے بسر کرنے کے ذریعے مفقود ہو گئے۔

اُمرا کے ایثار کی اِس شان نے یہان شرافت کا یہی معیار قرار دیدیا

اور اُن کی خاطرداری
مین ایسی فیاضی دکھائین جس مین احسان رکھنے کا نام کو بھی شایبہ نہ ہو۔
دنیا کے تمام بڑے شہرون مین بڑے بڑے تاجر اور دولتمند موجود ہین۔
جو لاکھون روپیہ مستحقون کو دے ڈالتے ہین۔ مگر اُن کے طرز عمل سے ظاہر
ہوتا ہے کہ ایک پیسہ بھی اُنھون نے بے غرضی سے نہین صرف کیا۔ بخلاف اِس کے
لکھنؤ والون کی دوست پروری اور شریف نوازی ایسی تھی کہ دنیا کو دینے اور لینے
والے مین کوئی فرق نہ نظر آتا۔

اس مین شک نہین کہ جب بعد انقلاب سلطنت بڑے بڑے امرا مفلس
و نادار ہو گئے۔ اور وہ گروہ جو مخفی ذرائع معاش پر بسر کر رہا تھا فاقے کرنے
لگا تو امرا فیاضی و ایثار نفس کا جوہر دکھانے سے معذور ہو گئے۔ مگر ظاہری اخلاق
جو سرشت مین داخل ہو گیا تھا ویسا ہی باقی رہا۔ اور اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے
لوگون کی یہ حالت ہو گئی کہ اپنی باتون سے تو اعلیٰ درجے کی مہمان نوازی کی
امید دلاتے ہین۔ مگر اُن کے مہمان ہو جیے تو اُس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔
اِسی کو اکثر لوگون نے ریاکاری و لفاظی سمجھ رکھا ہے۔ مگر افسوس یہ ریاکاری نہین
بلکہ حوصلہ مندی ہے جس کی استطاعت نہین۔ ایسے لوگون پر اعتراض نہ کیجیے بلکہ اُن
کی حالت پر ترس کھائیے۔

لیکن اِس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ دولتمندی کے زمانے مین جونکہ
شہر کی آبادی کا زیادہ حصہ امرا و شرفا اور احباب کی مخفی دستگیری پر بسر کر رہا تھا
اُس کی وجہ سے محنت جفاکشی۔ اور وقت کی قدر و قیمت جاننے کا مادہ علی العموم
اہل لکھنؤ مین فنا ہو گیا۔ اور جو مشاغل اُنھون نے اختیار کیے وہ اُن کو ترقی
قومی کی شاہراہ سے روز بروز دور کرتے گئے۔ اُن کے مشغلے لہو و لعب کے
سوا کچھ نہ تھے۔ بیفکری اور فکر معاش سے سبکدوش ہونے نے اُنھین کبوتر
بازی۔ بٹیر بازی۔ مرغ بازی۔ چوسر۔ گنجفے۔ اور شطرنج کا شائق بنایا۔ جن کامون
پر وہ آمدنی کا زیادہ تر حصہ صرف کرنے لگے۔ اور "اندیشۂ فردا" کے لفظ سے

دلدادہ نہ ہو۔ اور اُس کے شوق نے اور بہتون کو بھی اس کام مین نہ لگا یا ہو۔

عیاشی اور تماش بینی سے دنیا کا کوئی شہر خالی نہین۔ خصوصًا یورپ کی سی بدتمیزی اور بدسلیقگی کی عیاشی خدا نہ کرے کہ ہمارے شہرون مین پیدا ہو۔ لیکن لکھنؤ مین شجاع الدولہ کے زمانے مین رنڈیون سے تعلقات پیدا کرنے کی جو بنیاد پڑی تو روز بروز اُسے ترقی ہی ہوتی گئی۔ امیرون کی وضع مین داخل ہو گیا کہ اپنا شوق پورا کرنے یا اپنی شان دکھانے کے لیے کسی نہ کسی بازاری حُسن فروش سے ضرور تعلق رکھتے۔ حکیم مہدی کا سا قابل و ہوشیار اور مہذب و شائستہ شخص جو وزیر اعظم کے رتبے تک پہونچ گیا تھا اُس کی ترقی کی بنیاد پیاز و نام ایک رنڈی سے پڑی جس نے دفعۃً وت کی رقم اپنے پاس سے ادا کر کے اُسے ایک صوبے کی نظامت کا عہدہ دلوا یا تھا۔ اِن بے اعتدالیون کا ایک ادنے کرشمہ یہ تھا کہ لکھنؤ مین مشہور تھا کہ "جب تک انسان کو رنڈیون کی صحبت نہ نصیب ہو آدمی نہین بنتا"۔ آخر لوگون کی اخلاقی حالت بگڑ گئی۔ اور ہمارے زمانے تک لکھنؤ مین بعض ایسی رنڈیان موجود تھین جن کے گھر مین علانیہ اور بیباکی سے چلا جانا۔ اور اُن کی صحبت مین رہنا معیوب نہ سمجھا جاتا۔ بہر تقدیر اس چیز نے ایک بڑی حد تک اُن کے عادات و خصائل بگاڑ دیے۔ گو کہ اِسی کے نتیجے مین اُنھین نشست و برخاست کا سلیقہ بھی آ گیا۔

رہے عورتون کے اخلاق و عادات اِس بارے مین ہمارا عام دعویٰ ہے کہ جن لوگون مین زناکاری کا شوق ہو اُن کی عورتین پارسا نہین ہو سکتین۔ تاہم اِس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ لکھنؤ مین عورتون کے اخلاق اتنے خراب نہین ہوئے جتنے کہ مردون کے خراب ہوئے تھے ملنساری اور اپنی ملنے والیون کے ساتھ ادب و تعظیم سے ملنا عورتون مین بھی ویسا ہی تھا جیسا کہ مردون مین تھا کسی زمانے مین چرخہ کاتنا شریف عورتون کا شریفانہ مشغلہ سمجھا جاتا تھا۔ اب اگرچہ سوت کی کلون نے اِس مشغلہ کو بالکل بیکار اور بے نتیجہ کر دیا۔ مگر شوقینی و امارت نے اِس سے پہلے ہی یہ مشغلہ یہان کی عورتون سے چھڑا دیا تھا۔ یہان اُس کے عوض عورتون نے سینے پرونے کاڑھنے گھرون کی صفائی کا انتظام

... سے کام لیتے اور بنتے سنورنے کا زیادہ شوق تھا۔

اور بیویون کو گھر کے کامون اور شوہر اور بچون کے کپڑون سے اتنی فرصت نہ ملتی تھی کہ جن لہو و لعب کے کامون مین مرد مبتلا ہو گئے تھے اُن مین وہ بھی مبتلا ہون درحقیقت اُس دور مین مرد گھرون مین بیٹھے کھیلا کرتے تھے۔ گھر بار اور دنیا کا سارا کارخانہ فقط عورتون کے دم سے چل رہا تھا۔

مگر امیرون کے محلون مین جب سارا کاروبار ماماؤن مغلانیون پیش خدمتون اور اناؤن کے ہاتھ مین ہو گیا تو عالی مرتبہ بیگمون کی صحبت مین ڈومنیون کا رسوخ بڑھنے لگا۔ کوئی بڑی سرکار نہ تھی جس مین بیگمون کے سامنے مجرا کرنے کے لیے ڈومنیون کے طائفے نہ ملازم ہون۔ اور جن محلون مین مستقل طور پر ڈومنیان نوکر نہ تھین وہان شہر کی عام ڈومنیون کی جلد جلد آمد و رفت رہتی اور آئے دن وہ طبلہ سارنگی لیے ڈیوڑھی پر کھڑی ہی رہتین۔ اِس لیے اُن کے سیکڑون طائفے شہر مین موجود تھے۔ ڈومنیون کا مذاق جہان تک مجھے معلوم ہے نہایت فحش اور بیہودہ ہوا کرتا ہے۔ اور اُن کی صحبت عورتون پر کوئی اچھا اثر نہین ڈال سکتی ہے۔ چنانچہ جس طرح مردون کی بداخلاقی کی باعث رنڈیان تھین عورتون کا اخلاق بگاڑنے کی باعث ڈومنیان ہوئین۔

لیکن شرفا کے خاندان ڈومنیون کی صحبت سے بچے ہوئے تھے اور اسلیے اُن کی عورتین اس مضرت سے بچی رہین جو عمدہ خصائل و اخلاق کا بہترین نمونہ ہین لکھنؤ کی عورتون کا کیرکٹر ہے کہ وہ شوہر پر اپنی ہر چیز کو قربان کرنے کو تیار رہتی ہین۔ اپنی ہستی کو شوہر کی ہستی کا ایک ضمیمہ تصور کرتی ہین۔ اور بعض اور شہرون کی عورتون کی طرح جو خانہ داری کے سلیقے مین لکھنؤ والیون سے بڑھ چڑھی ہوئی ہین یہان کی عورتون کو کبھی یہ خیال نہین پیدا ہوا کہ اپنا روپیہ شوہر سے چھپا کے الگ جمع کرین۔ اور شوہر کی بیماری مین بھی اپنی دولت صرف کرتے مین تامل کرین۔ لکھنؤ کی عورتین وہان کی عورتون کی سی ہنرمند نہین اور گھر گرستی کے کام مین اُن کے مقابل پھوہڑ ہین۔ حد درجے کی مصرف ہین۔ چٹوری ہین۔ مگر شوہر کا ساتھ دینے

رقص موریق

یورپ کا ایک خاص قسم کا ناچ ہی جس مین ناچتے وقت پاؤن مین گھنگرو باندھ لیے جاتے ہین۔ ہندوستان مین ناچ مین علی العموم گھنگرو باندھنے کا رواج ہی۔ بلکہ یہان ناچ مین گھونگھرو باندھنا لازمی ہے۔ مگر انگریز ایسا نہین کرتے۔ بلکہ اُن کے وہان جس ناچ مین گھونگھرو باندھی جائین وہ ناچ رقص موریق کہلاتا ہے۔ اور اُن کا خیال ہے کہ اِس کے موجد خاص عرب لوگ ہین جن کی صحبت سے پہلے اسپین والون نے سیکھا۔ اور اُن سے سارے یورپ نے تعلیم پائی۔

اِس رقص مین خصوصیت یہ ہے کہ گھونگھرو کی آواز تال سُر کے موافق رہتی ہے۔ اور اُن کے نغمے کی دلکشی اور اُن کے بجنے کی مناسب ترتیب حاضرین محفل کو لطف دیتی ہے۔ اگرچہ ممالک یورپ مین تو اب اِس رقص کا رواج بہت کم رہ گیا مگر اسپین مین آج تک باقی ہے۔ اور ”فنڈانگو“ کہلاتا ہے۔

غور طلب یہ امر ہی کہ محققین یورپ پاؤن مین گھونگھرو باندھ کے ناچنے کو مسلمانون کی ایجاد بتاتے ہین۔ مگر ہمین اِس کا رواج ایشیا بلکہ تمام مشرقی ممالک مین اِس کثرت سے نظر آتا ہے خصوصًا ہندوستان کے قدیم فن رقص مین اس قدر ضروری پایا جاتا ہی کہ اِس کی ایجاد کو عربون سے منسوب کرنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہی۔ ہندوستان کی رواتیین بتا رہی ہین کہ رقص خاص دیوتاؤن اور دیوتاؤن کی پرستش سے شروع ہوا۔ اور اُس قدیم ترین زمانے سے آج تک اُسی حال پر چلا آتا ہی۔ جس مین غالبًا گھونگھر باندھ لینا اسی زمانے سے لازمی ہو گا۔

ہندوستان کی موسیقی کی نسبت بھی پہلے ہمارا یہی خیال تھا کہ موجودہ موسیقی وہی ہی جو ہندوستان کے قدیم عہد مین موجود تھی۔ مگر بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ ہندی موسیقی خالص ہندو موسیقی نہین ہے بلکہ اُس مین بہت بڑا حصہ عربون کی موسیقی کا مِل گیا ہے۔ اسی طرح ممکن ہی کہ رقص مین بھی گھونگھرو باندھنے کا رواج مسلمانون کے آنے سے پہلے نہ ہو۔ اور اس جز کو یہان کے ناچ مین مسلمانون ہی نے اضافہ کیا ہو اور یہ بھی ممکن ہی کہ مسلمانون نے ہندؤن سے سیکھا ہو۔

تماشاے معجزات
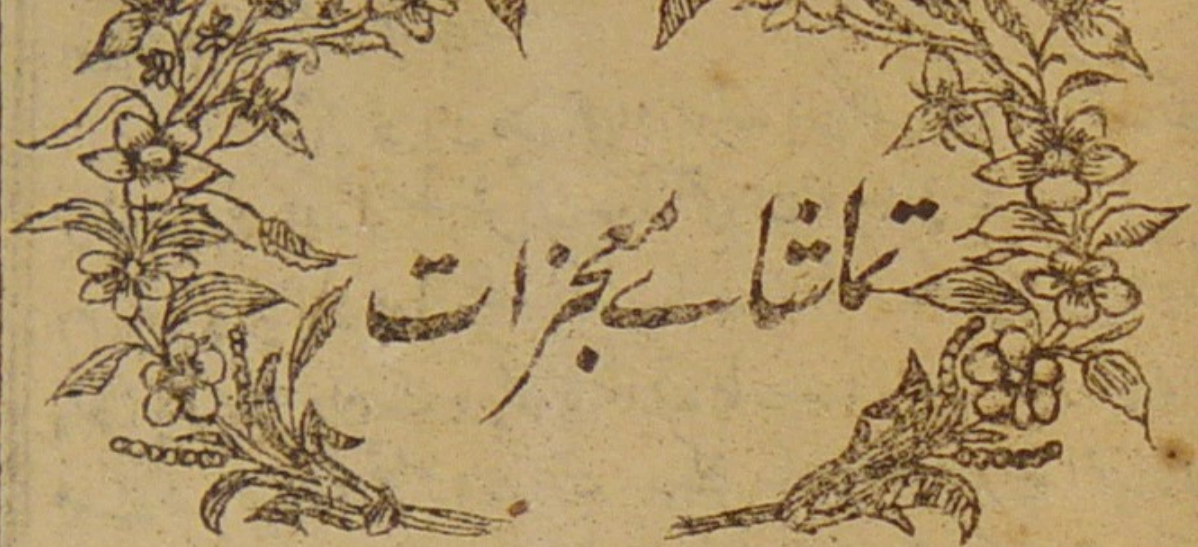
دین مسیحی کو یہ عجیب خصوصیت حاصل ہے کہ ابتدا ہی سے اُس کے مبلغین نے حضرت مسیح کی حقیقی تعلیمون سے بے پروا ہو کے اپنے قیاسی اور خیالی منصوبون کو اصل دین قرار دے لیا۔ پہلے جناب پولوس نے عام اشاعت دین کی ہوس مین توراۃ کو جسے جناب مسیح ہمیشہ اپنا ایمان بتاتے رہے تھے پس پشت ڈال کے اپنی من مانی شریعت بنالی۔ اِس کو نہ دیکھا کہ حضرت مسیح کا دین کیا ہے فقط یہ دُھن تھی کہ رومی و یونانی کسی طرح مسیح کے ماننے والے بنا لیے جائین۔

اس کے بعد مسیحیت کی قسمت مقتدایان امت کی کونسلون کے ہاتھ مین تھی۔ جو زور و زر و زنئی باتین دین مین بڑھائین۔ اور اپنے قیاس اور اپنی راؤن سے جو فتوے چاہتین دے دیتین۔ ان باتون کا لازمی نتیجہ تھا کہ مسیحیون مین بدعت کوئی چیز نہ تھی۔ اصلی شارع سے سروکار نہ تھا۔ اور جس کارروائی کو جی چاہتا بشپون کی پنچایت اور پوپ صاحب کی چودھراٹ مین منظور کر لی جاتی۔ اور سمجھ لیا جاتا کہ اُسے روح القدس نے اُن بزرگون کے سینے مین القا کر دیا۔

چنانچہ ان آزادیون نے تصویر پرستی صلیب پرستی رہبان پرستی اور اسی طرح کی سیکڑون بدعتین جو شرک کے درجے کو پہونچی ہوئی تھین ساری مسیحی دنیا مین پھیلا دین۔ انھین جدتون مین سے ایک "تماشاے معجزات" بھی تھا۔ یعنی آسمانی مقدس کتابون کے قصون اور واقعات کو ناٹک کی طرح تھیٹرون کے اسٹیج پہ دکھانا۔ جس کا رواج حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے

تقریباً دو سو برس پیشتر سے شروع ہو کے گیارہوین صدی نبوی تک زور پر تھا اور آج بھی بعض جگہ باقی ہے۔

ابتدائً مقتدایان دین مسیحی اور سرگروہان کلیسا ڈراما یا ناٹک کے بہت ہی خلاف تھے۔ اور کوشش کرتے کہ مسیحی ان تماشون سے باز رہین۔ مگر اس مین کامیابی نہ ہوئی۔ طلوع کوکب احمدی سے دو سو برس پیشتر جب اُنھین یہ نظر آیا کہ تھیٹرون کے دیکھنے کا شوق ہمارے دبائے نہین دبتا تو آمادہ ہو گئے کہ لوگون کو تھیٹرون سے روکنے کے عوض یہ طریقہ اختیار کرین کہ اس تماشا بازی ہی کو اپنا بنا لین۔ چنانچہ لاؤدیقیہ کے اُسقف اپالی نارس اور اس گے سے چند اور اشخاص نے ایسے ڈرامے لکھے جو توریۃ و انجیل کے بعض اہم واقعات سے ماخوذ تھے۔

اس کے بعد تاریخ خاموش ہے۔ اور صاف طور پر نہین پتہ چلتا کہ وہ مذہبی ڈراما ٹکڑون مین اسٹیج پر دکھائے بھی گئے یا نہین۔ لیکن چھٹی صدی نبوی مین قسطنطنیہ کے ایک مسیحی مقتدا تھیوتی لیکٹ نے اس اندیشے سے کہ لوگ مسلمانون کی باتین سُن سُن کے اپنے دین سے برگشتہ نہ ہو جائین کئی مسیحی ڈراما لکھ کے عوام کے سامنے پیش کیے۔ اب مقتدایان ملت عیسوی اس قسم کے اور ڈرامے لکھنے لگے۔ اور لکھنے ہی تک محدود نہین رکھا۔ بلکہ خود ہی اُن کو اسٹیج پر لا کے دکھانے لگے۔ یک بیک عوام مین دلچسپی پیدا ہوئی۔ راہبون اور پادریون مین اِن تماشون کے دکھانے کا جوش اور بڑھا۔ گرجے اور خانقاہین چند ہی روز مین خاموش اور سنسان عزلت کدون کے بجائے تھیٹر بن گئین۔ اور عبادت گاہین ایک قسم کے ناچ گھر بن گئین۔

تھوڑے دنون مین ایسی تاجرانہ کمپنیان قائم ہو گئین جنھون نے خاص طور پر تعلیم دے کے اچھے اچھے ایکٹر تیار کیے۔ اور پادریون کے اُن تماشون کو ایسی خوبی سے دکھانا شروع کیا کہ مقتدایان دین پیچھے پڑ گئے اور ساری خلقت اِن کمپنیون کے تھیٹرون کی طرف متوجہ ہو گئی۔ رفتہ رفتہ

ہو گیا کہ امیرون اور معزز لوگون کے وہان کوئی تقریب یا دعوت ہوتی تو یہ کمپنیان بلائی جاتین جو اپنا تماشا دکھا کے محفل کو خوش کر دیتین۔ اب ایسی بہت سی کمپنیان قائم ہو گئی تھین جو کسی ایک تماشے کو اپنے لیے اختیار کر لیتین۔ اُسی کے مناسب سینریان بنائی جاتین۔ اُسی کے لیے ایکٹر اور ایکٹریسین تعلیم دے کے تیار کرتین۔ اور اپنا سارا سرمایہ اُسی ایک تماشے مین صرف کر دیتین۔

ان تماشون کا رواج روز بروز ترقی کرتا گیا۔ اور اُن مین جدتین اور ترقیان ہونے لگین۔ ان مذہبی ناٹکون کی شان اور حالت دکھانے کے لیے ہم ایک تماشے کا خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کر دینا چاہتے ہین۔ مثلاً ایک تماشا "کشتی نوح" کا تھا۔ اس مین نظر آتا کہ ایک بڑی سی کشتی زمین پر قائم ہے۔ جس کی صورت اُس زمانے کے بڑے اور پُر تکلف جہازون کی سی ہے۔ اُس کے اوپر ایک بنگلہ نما مکان ہے جس کی چوٹی پر صلیب لگی ہے۔ کشتی پر چڑھنے کے لیے ایک سیڑھی لگی ہوئی ہے۔ حضرت نوح (ایک سفید لمبی ڈاڑھی والا آدمی) جن جن لوگون کو اجازت دیتا ہے اُس پر چڑھ جاتے ہین۔ اُن کی بیوی اور اُن کے دو فرزند مع اپنی بیویون کے چڑھ گئے ہین۔ جو وہان کے فحش مذاق کے مطابق اپنی اپنی بیویون سے ہم آغوش کشتی کے اوپر منظر عام مین کھڑے ہین۔ تیسرا بیٹا ابھی سیڑھی پر ہے۔ اور اُس کی بیوی جو شاہزادیون کا سا لباس پہنے ہے کشتی کے نیچے سر جھکائے کھڑی رو رہی ہے اور حضرت نوح اُسے بھی اوپر بلا رہے ہین۔ کشتی کے سامنے صدہا زن و مرد کا ہجوم ہے۔ جو حضرت نوح کی اس کشتی کا تماشا دیکھ رہے ہین۔ کشتی کے اوپر پال چڑھا ہوا ہے۔ جس پر کچھ نقش و نگار بنے ہین اور چند حروف لکھے ہین جو کمپنی کا نام بتاتے ہین۔

اسی طرح کے جملہ واقعات جو توراۃ مین مذکور ہین تھیٹر کی شان سے دکھائے جاتے اور لوگون کی بڑی دلچسپی ہوتی۔ ان مین فقط آدمی فرشتے شیاطین۔ تثلیث کے اقانیم ثلثہ یعنی باپ بیٹا۔ روح القدس بھی اُن لوگون کے مذاق کی خیالی شکلون مین تماشائیون کے سامنے پیش کر جاتے

اور لوگون کے دلون پر اُن کا بڑا اثر پڑتا۔ حضرت نوح کی کشتی تو ایک دنیا کی
چیز تھی۔ مسیحیون کے یہ مذہبی تھیٹر جنت دوزخ تخلیق عالم کے ہفتے۔ اور
تمام چیزون کے فنا ہو جاتے کا تماشا بھی دکھا دیا کرتے۔ جس طرح ہندو رہس
کے ذریعے سے سری کرشن جی کی زندگی اول سے آخر تک دکھاتے ہین یہ مسیحی تھیٹر
حضرت مسیح کی ساری زندگی آپ کے ورود بیت المقدس سے لے کے اُسوقت
تک جبکہ مریم مگدلینی نے آپ کو زندہ ہو کے قبر سے نکلتے دیکھا تھا اسٹیج کے اوپر
دکھا دیا کرتے۔

اِن مذہبی تھیٹرون ہی سے منتقل ہو کے یورپ کے موجودہ تھیٹر بن گئے
ہین جو مذہب کے دائرے سے نکل کے اب تاریخی واقعات اور اخلاقی اسلوب
زندگی کے حالات سے وابستہ ہو گئے ہین۔ اِن ڈرامون مین لوگون کی دلچسپی بڑھنا
شروع ہوئی۔ اور آخر یہان تک نوبت پہونچی کہ وہ اگلے مذہبی ڈرامے نظرون
سے غائب ہو کے فنا ہو گئے۔ لیکن یہ نہ خیال کیجیے کہ اُن کا نام و نشان بھی نہین
رہا۔ یورپ کے بعض مقامات مین ابھی کبھی کبھی اُن کا تماشا دیکھ لیا جا سکتا ہے۔

علاقۂ بویٹریا کے ایک شہر مین سنہ ۱۶۳۳ عیسوی مین ایک قسم کا شدید
طاعون پیدا ہوا تھا۔ جس سے لوگ بہت ہی پریشان ہو رہے تھے۔ اسی پریشانی
مین اُس طاعون کے دور کرنے کے لیے حضرت مسیح کی زندگی کا مذہبی تماشا
دکھایا گیا۔ اور منت مانی گئی کہ اگر یہ مرض دور ہو گیا تو ہر دسوین برس
ہم اِس تماشے کو ضروری کیا کرین گے۔ طاعون جاتا رہا۔ اور وہ منت
آج تک پوری ہو رہی ہے۔ اور اُس کے ذریعے سے آج جبکہ وہ دینی ملاعبت
ساری دنیا سے مٹ چکی ہے۔ بویریا مین اب بھی ہر دس برس مین ایک بار یہ
تماشا بڑی دھوم دھام سے ہوا کرتا ہے۔

اسی سلسلہ مین قدیم اہل یورپ مین ایک ہولناک ناچ کا بھی رواج
تھا جو ”رقص مرگ“ کہلاتا۔ آٹھوین صدی عیسوی مین وہ بکثرت دکھایا جاتا۔
اِس ناچ کا مقصود یہ تھا کہ دیندارون کو آنکھون سے دکھایا جائے کہ موت
نوع انسان پر کیسی قدرت تامہ رکھتی ہے۔ اس مین ملک الموت اپنے ماتحت

ہے۔ یہ سب ناچتے۔ اور ناچ ناچ کے ملک الموت اپنا دست قضا اُن پر دراز کرتا۔ وہ اُس سے بچنے کی بیسیون تدبیرین کرتے۔ مگر بچ نہ سکتے۔ یہ ناٹک بھی خاص گرجون کے اندر یا اُن کے زیر سایہ دکھایا جاتا۔ خوبادری ایکٹر ہوتے۔ جو اپنے خیال کے مطابق ملائکۂ موت کے بہروپ مین آتے۔ ملک الموت مین اور اُس کے بیس ماتحت فرشتون مین کچھ دیر تک مختصر و موثر گفتگو ہوتی۔ اس کے بعد اُن لوگون پہ دست درازی شروع ہو جاتی جن کی قضا آگئی تھی۔

اس قسم کے رقص مرگ کا تماشا پہلے پہل جرمنی مین ایجاد ہوا تھا۔ جہان کا فرمان روا آج کل اپنے بزرگون کی بہ نسبت زیادہ خوبی و وسعت سے ساری دنیا کو یہ تماشا دکھا رہا ہے۔ جرمنی کے بعد یہ رقص فرانس مین شروع ہوا۔ جہان چند ہی روز مین اُس کا بہت رواج ہو گیا۔ فرانس مین یہ رقص خدا جانے کیون اور کس مناسبت سے مصر کے ایک قدیم تارک الدنیا راہب وولی سینٹ مکاریوس کی جانب منسوب ہو کے اُسی کے نام سے مشہور کر دیا گیا۔

فرانسیسیون کو یہ موت کا ناچ ناچتے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ بجائے اس کے کہ ایکٹر اسٹیج پہ آ کے یہ ناچ دکھائین اِسی ناچ کے بڑے بڑے مرقع اسٹیج پہ دکھائے جانے لگے۔ اور جو واقعات مرگ پیشتر ڈراما کی صورت مین دکھائے جاتے تھے اب تصویرون کی وضع مین کر دیے گئے۔ مختلف مرقعے تھے جن مین پہلے مروجہ ڈراما کے تمام سین بنا دیے گئے تھے۔ موت کے اُن مرقعون کے دکھانے کا رواج فرانس سے ترقی کر کے انگلستان مین پہونچا۔ لیکن یہ ایسا تماشا تھا کہ تھوڑے دنون مین لوگ اکتا گئے۔ اور اُس کا رواج جاتا رہا۔ مگر رقص مرگ کے مرقعے جو اُس زمانے کی یادگار ہین اکثر ممالک یورپ اور انگلستان مین آج تک موجود ہین۔ جو عبرت کی نگاہون سے دیکھے جاتے ہین۔ نوین صدی نبوی مین رقص مرگ کا ڈراما بالکل موقوف

لیکن یہ مرقعے بھی آغاز رواج کے وقت صرف راہبون اور ننون کی خانقاہون کے خاموش حجرون مین رہا کرتے۔ اور کسی جگہ نہ دیکھے جاسکتے تھے۔ تھوڑے زمانے کے بعد وہ اُن خانقاہون سے نکال کے عام لوگون کے سامنے اور عام مقامات مین دکھائے جانے لگے۔ اور زندہ آدمیون کا بہروپ بھر کے آنا اِس قدر ترک ہوگیا کہ لوگون کو یاد بھی نہ رہا۔ اور اِن ہولناک مرقعون کی اصلیت لوگون کو بھول گئی۔

اب دسوین صدی ہجری کے ایک مشہور نقاش ہوبیان نے اپنا کمال نقاشی ان مرقعون مین دکھایا اُس نے رقص مرگ کے ڈراما کو ترپن مناظر مین تقسیم کیا۔ اور اُن کے ترپن اعلیٰ درجے کے مرقعے بنائے جن کو وہ ”تصورات مرگ“ کہتا۔ یہ مرقعے جن لوگون نے دیکھے بہت پسند کیے اور ہوبیان کے ہاتھ کے وہ اصلی مرقعے آج تک دارالسلطنت روس پیٹرزبرگ مین حفاظت سے رکھے ہوئے ہین۔ مگر آج کل خود ملک روس مرقع مرگ بنا ہوا ہے۔

دنیا مین ناول نویسی کی ابتدا

ناولون اور ناول نویسی کو فی الحال ہم نے اہل یورپ سے لیا ہے۔ مگر تاریخ بتاتی ہے کہ یہ ہماری ہی قدیم امانت ہے جس کو ہم اِن امانت داران مغرب سے واپس لے رہے ہین۔ ناول کا آغاز خیالی اور طبعزاد قصون سے ہے۔ جو ابتداءً محض داستان گوئی کی شان سے قلم بند کر لیے گئے۔ اِس کے بعد یہ ترقی ہوئی کہ محض خیال آفرینی چھوڑ کے تاریخی واقعات مین رنگ آمیزی کر کے دلچسپ داستانون کی شان پیدا کی گئی۔ اس کے بعد ناول کی ترقی کا تیسرا درجہ یہ تھا کہ انسانی زندگی کے واقعات نئے نئے اسلوب سے دکھائے جائین۔ اور اُن کے ذریعے سے معاشرت و اصلاح زندگی کا سبق دیا جائے۔

مشرق مین سب سے پہلا متمدن ملک مصر ہے۔ اور مصر والون ہی سے قصہ نویسی کا آغاز بھی ثابت ہوتا ہے فراعنہ مصر کے عہد قدیم کا لکھا ہوا ایک قصہ جو آج سے کچھ اوپر تین ہزار سال پیشتر لکھا گیا تھا ایک پیپائرس (مصریون کا پُرانا مکتوب نما کاغذ جو ایک درخت کی لکڑی کے ورق اُتار کے بنایا جاتا تھا) پر لکھا

الگ لیے گئے تھے۔ مگر اس کا مکمل ترجمہ سب سے پہلے مشہور جرمنی محقق علوم مصر ڈاکٹر برُوغش نے جرمنی زبان میں کیا۔ جو ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا تھا۔ اس قصہ کو دربار شاہی مصر کے ایک وقائع نگار نے فرعون مصر "رامی سیس ثانی" کے فرزند اور ولی عہد "ستی منی فاتہ" کے تفنن طبع کے لیے لکھا تھا۔

اس قصے کے رنگ عبارت اور اُس کے مذاق ادبی کی نسبت جرمنی محقق "مسٹر ایانوئیل دیورخ" لکھتے ہیں کہ "عبارت سادی اور صاف ہے۔ اور گو کہ شاعرانہ تخئیل سے خالی نہیں مگر اس پر بھی سادی اور سلجھی ہوئی ہے۔ اس کی عبارت بھی اُسی رنگ کا نمونہ ہے جو قدیم الہامی کتابوں خصوصاً توریۃ میں پایا جاتا ہے۔ یعنی بیحد صفائی اور سادگی ہے"۔

اس قدیم مصری قصے کا خاکہ یہ ہے کہ دو بھائی ہیں۔ بڑے بھائی کی جورو چھوٹے لڑکے کے ساتھ وہی سلوک کرتی ہے جو پوطیفار (عزیز مصر) کی بیوی زلیخا نے حضرت یوسف کے ساتھ کیا تھا۔ چنانچہ وہ اُسے اپنے شوہر کی نظر میں ملزم و مجرم ثابت کر دیتی ہی۔ آخر چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے خوف سے گھر چھوڑ کے بھاگتا اور سورج دیوتا کی مدد سے انسانی پیکر چھوڑ کے ایک عجیب قسم کے نئے پیکر کو اختیار کر لیتا ہے۔ اب اصلی واقعہ بڑے بھائی پر کھلتا ہے اُس کی مکار جورو اپنے کیفر کردار کو پہونچتی ہے۔ جس کے بعد چھوٹا بھائی پھر انسانی صورت اختیار کرتا ہے۔ اور دونوں بھائی الفت و محبت سے رہتے ہیں۔ بڑا چھوٹے کی قدر اور چھوٹا بڑے کا ادب کرتا ہے۔ اور انجام یہ ہوا کہ بڑا بھائی ترقی کر کے عزیز مصر ہو گیا۔

اس مصری قصے کے سوا یہ یقینی طور پر ثابت ہے کہ ایران و عرب اور دیگر ممالک مشرق میں بہت قدیم زمانے سے خیالی اور طبع زاد قصوں کا عام رواج چلا آتا تھا۔ اُنھیں سے یونانیوں نے قصہ خوانی و قصہ نویسی سیکھی۔ پھر یونانیوں سے اس مذاق کو اہل روم نے حاصل کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے لاطینی میں رومیوں نے یونان کی داستانہائے "اِلسٹانڈیز" کا ترجمہ نہایت اہتمام سے کیا۔ اور یہ ترجمہ اُس عہد میں ہوا جب رومیوں میں عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے لیے باہمی خونریزی

ہو رہی تھی۔ اور ہارنویس اور شیلا ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ رومیون اس قصے کو بہت پسند کیا۔ اور ہان مین بھی افسانہ نویسی و قصہ خوانی کا رواج ترقی کرنے لگا۔

مسلمانون نے اپنے عہد مین افسانہ نویسی کو کسی اور قوم سے نہین لیا۔ اس لیے کہ خود ان مین داستان گوئی کا حد سے زیادہ رواج تھا۔ اور عہد جاہلیت سے اُن مین داستان گوئی کی محفلین مرتب ہوا کرتی تھین۔ عرب کے اکثر قصون کا مجموعہ "الف لیلہ" ہے جو ساری دنیا کے افسانون سے زیادہ پسندیدہ اور ہر قوم و ملک مین رواج پا چکی ہے۔ الف لیلہ کے اصلی مصنف یا مولف کا نام کسی کو نہین معلوم مگر کہا جاتا ہے کہ فارسی کے قصہ "ہزار افسانہ" سے ماخوذ ہے جو ساسانیون کے عہد مین ایران مین مروج اور اہل عجم کو بہت پسند تھا لیکن اگر یہ صحیح بھی ہے تو عربون نے اُسے اِس خوبی کے ساتھ لیا کہ اُس مین عجمی معاشرت کا نام بھی نہین خالص عربی معاشرت اور خلفاے عباسیہ بغداد کی اعلی ترین معاشرت کا نمونہ ہے۔ مگر کمال یہ ہے کہ اس کے مختلف قصون مین ایسے ایسے عجیب اور جدید واقعات زندگی دکھائے گئے ہین کہ باوجود عربی معاشرت ہونے کے ہر قوم اور ہر زبان مین جا کے تمام افسانون سے زیادہ دلچسپ ثابت ہو جاتی ہے۔

انگریزی ناولونکا آغاز رومیون کے ناولون کے ترجمون سے ہوا۔ جن سے انگلستان کے بہت سے قدیم ترین اور اعلی ترین مصنفان ڈراما نے اپنے تصانیف کے لیے مختلف قصون کے خاکے لیے ہین۔ مگر یہ عموماً رومیون کی عام پسند بامذاق اور مضحک کامڈیون سے ماخوذ تھے۔ انھین طبعزاد خیالی قصون سے تاریخی ناولون کا آغاز ہوا۔ کسی عشق یا جنگ کے واقعے کو گھٹا بڑھا کے ایسی رنگین عبارت مین لکھا جاتا کہ قصہ سے زیادہ لطف تاریخ مین پیدا ہو جاتا۔ ملکۂ الزبتھ کے عہد مین اسپین کے ناول ترجمہ ہوئے جن کا ماخذ عربی مذاق تھا۔ انکا پہلا مترجم "جان نے لیا" تھا۔ جس کی عبارت مین کسی قسم کی رنگینی یا عبارت آرائی نہ تھی۔

سترھوین صدی کے وسط مین "مسز افرا بہن" نے یہ جدید طریقہ اختیار کیا کہ افسانون مین انسان کی معاشرت اور گھریلو زندگی کے نئے نئے نمونے دکھائے جائین۔ اور اسی عہد مین "مسز مین لے" نام ایک انگلش خاتون نے اپنے ناولون کے ذریعے سے اس دور کی مروجہ اور پسندیدہ بدکاریون کے نمونے دکھائے۔ اور سارے مصنف اُسی کے رنگ کے ہمدرد ہو گئے۔

بغاوت دور کرنے کو خلیل بن اسحٰق کا آنا

القائم نے یہ حال سنتے ہی اپنے ایک زبردست سپہ سالار خلیل بن اسحٰق کو جو
غالباً مجاہد جنوا یعقوب بن اسحٰق کا بھائی تھا ایک زبردست افریقی لشکر کے ساتھ سالم
کی مدد پہ روانہ کیا۔ خلیل صقلیہ مین پہونچ کے شہر مدینہ کے قریب لنگر انداز ہوا۔ مدینے
والون نے کمال اطاعت سے اُس کا استقبال کیا۔ اور اُنھین مطیع و منقاد پا کے خلیل
بہت خوش ہوا۔ اہل شہر نے اُسے اپنا ہمدرد پایا تو اُس کی خدمت مین حاضر ہو کے
سالم کے جور و ستم کی شکایت کی عورتین اور بچے گھرون سے نکل نکل کے اُس کے
سامنے آئے۔ بلک بلک کے روئے۔ اور ایسی مظلومی کی شان سے رو رو کے اپنا
دُکھڑا بیان کیا کہ خلیل اور اُس کے ہمراہیون کی آنکھون مین آنسو بھر آئے۔ خلیل کی
ہمدردی کی شہرت ہوئی تو اور شہر والون نے بھی اُس کی طرف رجوع کیا۔ اور اہل
برجنت اور دیگر بلاد صقلیہ کے لوگ ادب و تعظیم کے ساتھ اُس کی خدمت مین حاضر
ہوئے۔

اس اثنا مین سالم بن راشد نے اپنے مخالفون کو جتایا کہ خلیل تمھاری سرکوبی
اور میری مدد کے لیے حسب الحکم القائم یہان آیا ہے۔ یہ تمھاری طرفداری کرنے کو
نہین بلکہ گزشتہ شورشون پہ تم کو سزا دینے کے لیے وارد صقلیہ ہوا ہے۔
شاہی فوج کے جتنے آدمی تمھارے ہاتھ سے مارے گئے ہین اُن سب کے خون کا
بدلہ یہ تم سے لے گا۔ یہ سنتے ہی اہل صقلیہ پھر بگڑ کھڑے ہوئے۔ تمام شہر دن
مین ناگہان ایک آگ سی بھڑک اُٹھی اور خلیل کی جانب سے بھی بدگمانی ہوئی۔

صقلیہ مین مدینۂ خالصہ کی بنیاد

لوگون کی یہ حالت دیکھ کے خلیل نے قلعۂ مدینہ کے پاس بندرگاہ پر ایک

[illegible] اور مدینے کے پھاٹک بھی اُکھڑوا منگائے جن کو خالصہ کی فصیل مین لگا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اِس شہر کی تعمیر کے شوق مین اُس نے مدینے کی رعایا پر بڑی سختیان کین جس کی وجہ سے نالۂ و فریاد کی آواز بلند ہوئی۔

صقلیہ کی بغاوت

یہ حالات جرجنت کے لوگون نے سُنے تو ڈرے اور اُنھین یقین آگیا کہ سالم نے خلیل کی نسبت جو کچھ بیان کیا تھا بالکل صحیح ہے۔ اس خوف اور خطرے نے اُن مین ناراضی پیدا کی جس کے نتیجہ مین فوراً بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اور لڑائی کا سامان کرنے لگے۔ یہ سنتے ہی خلیل جمادی الاول ۳۲۶ھ محمدی مین اُن کے مقابلے پر روانہ ہوا۔ جاتے ہی جرجنت کا محاصرہ کر لیا۔ اور لڑائیان شروع ہو گئین۔ مسلسل آٹھ ماہ تک یہ طریقہ جاری رہا کہ بلا ناغہ اہل شہر باہر نکل کے مقابلہ کرتے۔ اور جب لڑائی سے تھک جاتے واپس جا کے پھاٹک بند کر لیتے۔ اسی اثنا مین جاڑون کا موسم آیا اور ذی الحج سنہ مذکور مین خلیل موسم کی سختیون سے ڈرا۔ اور محاصرہ چھوڑ کے خالصہ مین واپس گیا۔ اُس کے واپس جانے سے لوگون مین بغاوت کا حوصلہ اور بڑھ گیا۔ چنانچہ ۳۲۷ھ مین اہل مازر نے بھی بغاوت کر دی۔ اور صقلیہ کے تمام قلعون نے عَلَم بغاوت بلند کر دیا۔ یہ ساری کارروائی جرجنت والون کی تھی۔ چنانچہ تمام باقی شہرون نے خلیل کے مقابلے کے لیے لشکر روانہ کیے۔ اور شہنشاہ قسطنطنیہ کو لکھا ہماری مدد کیجیے۔ وہ تو ایسے موقعون کو ڈھونڈا ہی کرتا تھا۔ فوراً جہازون پر سوار کر کے ایک بڑا بھاری لشکر اور اہل صقلیہ کے مشکلات رفع کرنے کے لیے بہت سا غلہ لدوا کے بھیج دیا۔

خلیل نے سارے جزیرے کا یہ رنگ دیکھا تو افریقہ مین عرضداشت بھیج کے القائم بامر اللہ خلیفۂ فاطمی سے مدد مانگی جو یہان کا اصلی حاکم و شہریار تھا۔ قائم نے فوراً کافی فوج اُس کی کمک پر بھیج دی۔ اس کمک کے آتے ہی خلیل نے اپنی صقلیہ کی فوج بھی اکٹھا کر لی۔ اور اُن سب کو اپنے عَلَم کے نیچے جمع کر کے شورش کے دور کرنے کے لیے بڑھا۔ پہلے جا کے قلعۂ ابو ثور کا محاصرہ کر لیا۔ اور چند ہی روز مین فتح کر کے شہر بلوط کی طرف بڑھا اور اُسے فتح کیا۔ پھر شہر ابلا طنو فتح ہو گیا۔ اور اب سارے لشکر نے بڑھ کے پھر جرجنت کا محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ ایک مدت تک قائم رہا یہانتک کہ خلیل نے ابو خلف ابن ہرون نام اپنے ایک سردار کو کافی فوج کے ساتھ جرجنت کے محاصرے پر چھوڑ کے خود آگے کی راہ لی تاکہ اور شہرون کو بغاوت کی سزا دے۔

ابو خلف نے محاصرے مین بڑی سختی کی جو ۳۲۹ھ تک جاری رہا۔

اب جرجنت کے لوگ چھپ چھپ کے بھاگنے لگے۔ یہانتک کہ بہت سے لوگ بھاگ کے بلاد روم مین ہو رہے۔ اور جو بچے اُنھون نے عاجز آ کے امان مانگی۔ اس مین جب اُن لوگون کی طرف سے اصرار ہوا تو اِس شرط پر امان دی گئی کہ بلا تامل اور بغیر کسی عذر کے قلعہ سے اُتر کے حاضر ہو جائین۔ یہ سنتے ہی سب لوگ نکل کے حاضر ہو گئے۔ مگر اُن کے ساتھ بد عہدی کی گئی۔ یعنی بجاے اس کے کہ جان بخشی کیجائے سب گرفتار کر کے شہر مدینہ مین بھیج دیے گئے۔

جرجنت والون کی سرکشی کا یہ انجام اور لوگون نے سنا تو سہم گئے۔ اور مارے خوف کے سب نے اطاعت قبول کر لی۔ الغرض ۳۲۹ھ مین جب تمام بلاد صقلیہ مطیع و منقاد ہو گئے تو خلیل بن اسحٰق ولایت صقلیہ کی باگ سالم بن راشد کے ہاتھ مین چھوڑ کے افریقہ کو واپس چلا گیا۔ مگر سربرآوردہ باغیان جرجنت کو چھانٹ چھانٹ کے ایک جہاز پر سوار کرا کے اپنے ساتھ

لیتا گیا۔ جس وقت جہاز بیچ سمندر مین پہونچے جہان سے کنارہ نہین دکھائی دیتا تھا
تو اُس نے باغی اسیرون کے جہاز کو تڑوا دیا۔ اور وہ مع اُن سب لوگون کے ڈوب گیا۔

القائم بامر اللہ خلیفۂ فاطمی کی وفات اور المنصور باللہ کی جانشینی

اس کے بعد کئی سال تک صقلیہ کے کچھ حالات نہین معلوم ہو سکے۔ یہانتک
کہ سنہ ۳۳۴ھ مین القائم بامر اللہ فاطمی نے جس کی قلمرو مین جزیرۂ صقلیہ بھی شامل
تھا وفات پائی۔ اور اُس کا بیٹا اسمٰعیل "المنصور باللہ" کا لقب اختیار کر کے
فرمان روائے افریقیہ ہوا۔

ابو عطاف والی صقلیہ

معلوم ہوتا ہے کہ القائم بامر اللہ نے وفات سے پہلے صقلیہ کے پہلے والی
کو حکومت سے ہٹا کے ابو عطاف نام ایک اور شخص کو وہان کا امیر و والی
مقرر کر دیا تھا۔ یہ شخص نہایت ہی کمزور طبیعت کا آدمی تھا۔ وہان اپنا رعب
قائم نہ رکھ سکا۔ اور صقلیہ والے جن کی سرشت مین بغاوت کا مادہ داخل تھا
اُس کے احکام کی طرف سے بے پروائی کرنے لگے۔ جب مسلمانان صقلیہ نے اپنے
والی کو کمزور ثابت کیا تو مسیحی رعایا یہ سمجھ گئی کہ مسلمانون کی قوت اب کمزور ہو گئی
ہے اور کچھ دشوار نہین کہ اُن کی حکومت کا جُوا اپنی گردن پر سے اُتار کے
پھینک دین۔ جس کا آغاز یون ہوا کہ اُنھون نے خراج دینے سے ہاتھ روکا
اور جب تقاضا ہوا تو صاف الفاظ مین ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ مسیحیون کا
یہ رنگ دیکھ کے مسلمانون مین بھی برہمی پیدا ہوئی۔ اور ہر جگہ ایک شورش مچ گئی
جن عرب خاندانون نے صقلیہ مین جا کے توطن اختیار کر لیا تھا
اُن مین بنی طبری کا ایک بڑا معزز و ذی اثر گھرانہ تھا۔ اُن لوگون کے پیروان

نازک موقع پر ابنی طبری نے اپنے تمام طرفدارون کو جمع کیا- اور سب کے سب ایک بڑی بھاری جماعت سے اپنے کمزور والی عطاف پہ چڑھ دوڑے- اہل مدینہ یعنی اسلامی دارالحکومت صقلیہ کے لوگون نے بھی والی کی رفاقت چھوڑ کر بلوائیون کا ساتھ دیا۔ ۳۳۵ھ مین خاص عیدالفطر کے دن اِن سب لوگون نے قصر امارت کو گھیر لیا اور ابوعطاف پر نرغہ کیا- چند فوجی سپاہی جو پہرے پر تھے اُنھین قتل کر ڈالا- اور اندر گھس پڑے۔ ان لوگون کو خاص قصر کے اندر گھستے دیکھ کے ابوعطاف گھبرا کے دوسری طرف سے نکل بھاگا- قلعہ مین جا کے پناہ لی- اور اُس کے پھاٹک بند کروا لیے- مگر بلوائیون نے اکثر جھنڈے جو قصر امارت کے برجون پر نصب تھے- اور اُس کا نقارہ جو قصر کے پھاٹک پر بجا کرتا تھا قبضے مین کر لیا- اور اپنے اپنے شہرون کو واپس گئے-

اب ابوعطاف نے اس واقعے کی اطلاع المنصور کو کی جو افریقہ کے شہر مہدیہ مین جانشین دولت فاطمیہ تھا- اور اُس سے مدد مانگی کہ فوجی قوت سے اِن سب خرابیون اور بدنظمیون کو دور کر دے-

---

حسن بن علی بن ابوالحسن کلبی والی صقلیہ

المنصور کو خیال ہوا کہ اب صقلیہ کی حالت کی اصلاح ابوعطاف کے ایسے کمزور والی کے ہاتھ سے غیر ممکن ہے- چنانچہ اُس نے اُسے معزول کر کے اپنے ایک بڑے معتمد علیہ سردار اور آزمودہ کار سپہ سالار حسن بن علی بن ابوالحسن کلبی کو والی صقلیہ مقرر کر کے مہدیہ سے روانہ کیا کہ زور و شور سے جا کے اِن شورشون کا خاتمہ کر دے- وہ تھوڑی فوج کے ساتھ جا کے شہر مازر مین لنگر انداز ہوا- شہر والون کو اپنے پہونچنے کی اطلاع کر دی- مگر کوئی حکم نہین دیا- اور ساحل پر اُتر کے دیکھنے لگا کہ شہر والے اُس کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہین- شہر والے خبر بھی نہ ہوئے- اور اُس کے آنے کی مطلق پروا نہ کی- یہانتک کہ دن ختم ہو گیا اور رات ہوئی-

رات کے اندھیرے مین مازر مین رہنے والے اہل افریقہ اور کتامی عربون

کی ایک جماعت چورون کی طرح آ کے اُس سے ملی اور کہا، ہم لوگ آپ کے پاس آتے اور آپ سے ملتے ڈرتے ہین۔ یہان ابن طبری اور اُس کے طرفدارون کا زور ہے اور اُس سے سب ڈرتے ہین۔ اور واقعہ یہ ہے کہ علی بن طبری اور اُس کے رفقا محمد بن عبدون وغیرہ المنصور کے پاس افریقیہ مین گئے ہوئے ہین۔ اور جاتے وقت اپنے بیٹون سے کہہ گئے ہین کہ حسن بن علی سند ولایت صقلیہ لے کے آئین تو اُنھین شہر مین نہ گھسنے دینا۔ وہ لوگ اپنے جہازون پر جزیرے سے دور ہی دور رہین۔ افریقیہ مین پہونچ کے جب وہان سے ہم تم کو اطلاع دین کہ المنصور ہم سے کس طرح پیش آیا۔ اور ہماری درخواست پر کہان تک لحاظ کیا اُس وقت دیکھا جائے گا۔ وہ لوگ در اصل آپ کے تقرر کو منسوخ کرانے گئے ہین۔ اور چاہتے ہین کہ آپ کے عوض کوئی اور والی مقرر کیا جائے۔

حسن بن علی فقط زبردست سالار ہی نہ تھا بلکہ بڑا اسٹیٹسمین اور اعلی درجے کا مدبر و خوش تدبیر سردار تھا۔ ان لوگون کے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آیا۔ اور بڑی شکرگزاری کے بعد رخصت کیا۔ ان لوگون کے بعد ابن طبری کے گروہ کے چند اشخاص آئے۔ مگر محض خبر لینے اور یہ دیکھنے کو کہ حسن بن علی کے پاس کتنی فوج ہے۔ اور وہ کیا کارروائی کرتا ہے۔ یہان کی حالت دیکھ کے اُنھین یقین ہو گیا کہ اس نئے والی صقلیہ کے پاس بہت ہی کم سپاہی ہین۔ اور دل مین رائے قائم کر لی کہ یہ یہان کچھ نہین کر سکتا۔ مگر حسن ابن علی نے ان لوگون کی بھی بڑی خاطر و تواضع کی۔ اور وہ لوگ یہ وعدہ کر کے واپس گئے کہ ہم مدینے جا کے واپس آئین تو آپ سے ملین گے۔ حسن بن علی نے اس کے جواب مین کہا اور جب تک آپ لوگ واپس نہ آئین گے مین یہین ٹھہرا رہون گا۔

مگر جس رات کو یہ لوگ مل کے گئے اُس کے دوسرے ہی دن وہ سرعت کے ساتھ مدینے کی طرف روانہ ہوا۔ تاکہ اُن کا جتھا قائم ہونے سے پہلے ہی اُن کے سر پر پہونچ جائے۔ جب شہر بیضا مین پہونچا تو شہر کے باہر اُتر پڑا۔ وہان کا حاکم اُس کے مشیر تمام عہدہ داران دیوانی اور شہر کے امن دوست لوگ اُس سے آ کے ملے

اور اظہار اطاعت کیا۔ حسن بھی اپنی عادت کے موافق اُن سے بڑے اخلاق اور نہایت شگفتگی کے ساتھ ملا۔ اور یہان کے حالات دریافت کیے۔ اسمٰعیل بن طبری یہان موجود تھا۔ اُس نے جو سُنا کہ تمام حکام و معززین شہر حسن کی خدمت مین ادب و اطاعت سے حاضر ہو گئے۔ تو اپنا ملنا خلاف مصلحت سمجھ کے مجبوراً وہ بھی دوڑا آیا کہ نئے والی کا خیر مقدم ادا کرے۔ حسن نے اُس کی بھی بڑی تعظیم کی۔ نہایت آؤ بھگت سے ہاتھون ہاتھ لیا۔ اور جیسے ہی وہ رخصت ہو کے گیا خود حسن بھی شہر مین جا دھمکا۔ اور سب کے ساتھ کچھ ایسا طرز عمل اختیار کیا کہ دوست دشمن سب اُس کا دم بھرنے لگے اور جو لوگ مخالف تھے وہ بھی موافق ہو گئے۔

اہل صقلیہ کی ذلیل کیا دی

ابن طبری نے جو یہ دیکھا کہ ساری خلقت حسن بن علی کا کلمہ پڑھنے لگی تو اس فکر مین لگا کہ کسی تدبیر سے اُسے بدنام کر کے رعایا کو اُس کے خلاف کرے۔ چنانچہ صقلیہ کے ایک عیسائی شخص کو اشارہ کر دیا جس نے حسن کے ایک غلام کی اپنے گھر مین دعوت کی۔ لیکن جیسے ہی وہ اندر جا کے بیٹھا وہ مسیحی شخص سر پیٹ پیٹ کے چلانے اور فریاد کرنے لگا۔ محلے والے اُس کی فریاد پر دوڑے تو اُن سے کہا "حسن کا یہ غلام میرے گھر مین گھس آیا۔ اور میری آنکھون کے سامنے زبردستی میری جورو کو پکڑ کے خراب کیا۔ غلام حیران و ششدر تھا۔ اور سب اُسے چاروں طرف سے گالیان دے رہے تھے کہ اسمٰعیل بن طبری آ پہونچا۔ اور کہنے لگا "شہر پر ابھی قبضہ نہین ملا ہی۔ اس حالت مین تو یہ حال ہے۔ جب حسن کو حکومت مل جائی گی تو غریبون کی کیا گت بنے گی۔ تم لوگ بیٹھے کیا کرتے ہو؟ حسن بن علی کے پاس جا کے کہو کہ آپ کے غلام یہ کر رہے ہین" اُس کا منصوبہ یہ تھا کہ حسن اپنے بے گناہ غلام سے کسی قسم کا تعرض نہ کرے گا۔ اس پر شہر والے برافروختہ ہو کے اُٹھ کھڑے ہون گے اور اُسے اپنے یہان سے مار کے نکال دین گے۔ بہر حال ایک انبوہ کثیر فریادی بن کے حسن کے پاس پہونچا۔ اُس نے کہا "مین کسی کی طرفداری نہ کرونگا۔ تم لوگ حلف اُٹھاؤ کہ تم نے اِس غلام کو زنا کرتے دیکھا ہے۔ اگر تم نے حلف اُٹھا لی تو اُسے پوری سزا دیجائے گی۔ وہ لوگ بالتامل قسم کھا گئے اور حسن نے حسب حکم

شرع اپنے غلام کو قتل کرا ڈالا۔ اُس کی یہ عدالت پروری دیکھ کے شہر والے بہت ہی خوش ہوئے۔ ہر طرف اُس کی واہ واہ ہونے لگی۔ لوگ پہلے سے زیادہ اُس کے گرویدہ ہو گئے۔ اور ہر ایک کی زبان پر تھا "کیسا منصف و عدالت گستر والی ہے۔ اِس کے زمانے مین ہر شخص خوش رہے گا۔ اور شہر خوب آباد ہو جائے گا"۔ غرض ابن طبری دل مین بے انتہا ذلیل ہوا۔ اور الٹی آئین گلے مین پڑین۔ اِس لیے کہ اب رعایا کو حسن کے خلاف کرنا امکان سے باہر تھا۔

حسن کے دشمنون کا استیصال

اب حسن شہر بیضا، مین مقیم تھا اور دل مین اہل صقلیہ سے غیر مطمئن اور اُن کی ذلیل مکاریون سے خائف تھا کہ المنصور کا فرمان آیا جس مین لکھا تھا کہ "یہان تہدیہ مین مین نے علی بن طبری۔ محمد عبدون۔ محمد بن حنا اور اُن کے دیگر رفقا کو گرفتار کر لیا ہے۔ لہذا تمھارے لیے کامیابی کا میدان کھلا ہوا ہے۔ اب تم وہان اسمٰعیل بن طبری رجا ابن حنا اور دیگر سرغنایان بغاوت کو گرفتار کر لو"۔

یہ فرمان پڑھ کے حسن بہت ہی خوش ہوا۔ اُسے معلوم ہو گیا کہ خاندان ابن طبری اور فتنہ جویان صقلیہ کی کارروائی نہین چلی۔ اور اُن لوگون کی گرفتاری کے بعد اب کسی سرکشی دست درازی کی جرأت نہ ہو گی۔ مگر پھر بھی یہان کے لوگون کی کیا دیون سے وہ ڈرتا تھا۔ اور دل سے یہ خدشہ نہ دور ہوتا تھا کہ مکر و فریب سے اِن بدمعاشون نے کوئی اور ہنگامہ اُٹھا کے کھڑا کر دیا تو مجھے بڑی دشواریان پیش آئین گی۔ المنصور کا حکم تھا کہ ابن طبری کے تمام عزیزون اور رفیقون کو گرفتار کر لو۔ مگر اُن کے دوست اور طرفدار صقلیہ کے تمام اسلامی شہرون مین پھیلے ہوئے تھے۔ اور یہان کے مسلمانون پر اُن کا اثر پڑا ہوا تھا۔ ڈرتا تھا کہ اگر مین نے ان لوگون پر ہاتھ ڈالا تو ایسا نہ ہو سارئ رعایا اور تمام مسلمان رؤسائے جزیرہ بغاوت نہ کر دین۔ اور یہ ہوا تو مجھے بڑی دشواری پیش آئے گی۔ میرے ہمراہ اتنی فوج بھی نہین آئی ہے کہ یہان کے فتنون کو بزور شمشیر فرو کر سکون۔ غرض کئی دن تک حسن اسی سوچ مین پڑا رہا۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

(۵) معاشرت مین پانچوین چیز نشست و برخاست ہے۔ ہر متمدن قوم مین نشست و برخاست کے مختص قوانین اور اصول موضوعہ ہوا کرتے ہین۔ اور اُنھین سے اُس قوم کی ترقی و تہذیب کا درجہ قائم ہوا کرتا ہے اگر آپ عیسائیون کے متمدن شہرون پیرس لندن اور برلن مین یا مسلمانون کے مہذب بلاد قسطنطنیہ طہران اور شیراز مین جائیے اور وہان کے مہذب لوگون کی صحبت مین شریک ہو جیے تو نظر آئے گا کہ اُن مین نشست و برخاست کے اخلاقی قوانین کس قدر سخت ہین۔ مگر ہندوستان کے بڑے تاجرانہ شہرون مین آپ جائین اور وہان کے اُمرا و معززین سے ملین تو آپ کو اخلاقی قوانین تہذیب کا بالکل پتہ نہ چلے گا۔ مگر اُن شہرون مین جہان کوئی خاص دربار قائم ہے۔ یا رہ چکا ہے۔ مثلاً حیدر آباد دکن بھوپال اور رام پور وغیرہ معزز وطنی دربارون کے قائم ہونے کی برکت سے عوام و خواص سب مین حفظ مراتب کے قواعد نظر آئین گے۔ بخلاف تاجرانہ شہرون کے جہان تمیز داری ادب اور حفظ مراتب کا نام و نشان بھی نہ ہوگا۔

دہلی مین اگلے دنون یہ اخلاقی اصول یقیناً سب جگہ سے زیادہ بڑھے ہوئے ہون گے۔ اس لیے کہ وہان کا دربار سب سے بڑا تھا اور صدیون سے قائم چلا آتا تھا۔ مگر وہان تجارت پیشہ اقوام کے سوسائٹی پر غالب آنے کی وجہ سے اگلی ساری تہذیب خاک مین مل گئی نشست و برخاست کی بنیاد امارت ریاست اور حکومت سے پڑتی ہے۔ حکومت و ریاست بتاتی ہے کہ چھوٹون کو بڑون سے اور بڑون کو چھوٹون سے کیونکر ملنا چاہیے۔ اور برابر والون سے کیسا برتاؤ کرنا چاہیے۔ مگر تجارت کو اِن امارت کے چوچلون اور اخلاقی تکلیفون سے دشمنی ہے۔ وہ معاملت اور خود غرضی کے آغوش مین پلتی ہے۔ اور سلف سیکری فائس یعنی اپنے وقت اپنے روپیے اپنے ہنر اور اپنی دولت کو بے وجہ کسی پر قربان کر دینے کو حماقت اور لغویت بتاتی ہے بخلاف اُس کے ریاست کا جوہر یہ ہے کہ بے غرضی

یہ لازمی نتیجہ ہے کہ جہاں تجارت کو فروغ ہو گا اور تاجروں کی معاشرت خوش باش امیروں اور شریفوں کی معاشرت پر غالب آجائے گی وہاں کوئی اخلاقی قانون نہیں باقی رہ سکتا۔ چنانچہ اسی چیز نے دہلی کے اگلے عظیم الشان درباروں کی ساری آن بان مٹا کے رکھ دی۔ اور وہ بات نہیں باقی رہی جو اس ناموری کی تاریخ کے شایان تھی۔

دہلی کی تہذیب کو جب تاجروں کا ہجوم تباہ کرنے لگا تو اُس نے اپنے قدیم وطن سے بھاگ کے لکھنؤ کے چھوٹے دربار میں پناہ لی جو اگرچہ چھوٹا تھا مگر اُس کی سواد میں داخل ہونے کے بعد کسی کو نہ نظر آسکتا تھا کہ دنیا میں یہاں سے بڑا کوئی اور دربار بھی ہے۔ پھر یہاں آزادی سے بیٹھ کے شرفاے دہلی نے اپنے قوانین نشست و برخاست کو برتنا شروع کیا تو چند ہی روز میں یہ حالت ہو گئی کہ اکیلا لکھنؤ ہی سارے ہندوستان میں تہذیب و شائستگی اور آداب نشست و برخاست کا مرکز تھا اور تمام شہروں کے مہذب لوگ اہل لکھنؤ کی تقلید اور پیروی کر رہے تھے۔ ان مراتب کا قائم کرنا کہ کس شخص کا استقبال دروازے تک آ کے کرنا چاہیے۔ کس کے لیے فقط کھڑے ہو جانے کی ضرورت ہے کس کے لیے نیم خیز ہو کے اور کس کے لیے اپنی جگہ پہ بیٹھے ہی بیٹھے "آئیے۔ تشریف لائیے" کہہ دینا کافی ہے۔ زیادہ تر اپنے دلی فیصلے اور اجتہاد پہ موقوف۔ اور اِس اجتہاد کا جیسا ملکہ لکھنؤ کے مہذب شرفا کو حاصل ہے کسی کو نہیں۔

یہاں کوئی برابر والا آئے گا تو کھڑے ہو کے تعظیم دیں گے۔ اس کے لیے بہترین جگہ خالی کریں گے۔ اور جب تک وہ بیٹھ نہ جائے گا خود نہ بیٹھیں گے اُس کے سامنے ادب اور تمیز داری سے بیٹھیں گے۔ چہرہ بشاش رکھیں گے تاکہ اُسے کسی قسم کا تنغص نہ ہو۔ جب وہ کوئی چیز دے گا تو ادب سے تسلیم کر کے لیں گے۔ اس کا پورا خیال رکھیں گے کہ ہماری کوئی حرکت اُسے ناگوار نہ ہو۔ اور اُس کی صحبت میں کسی اور ضروری کام کی طرف توجہ کریں گے تو اُس سے معذرت خواہ ہو کے اور معافی مانگ کے توجہ کریں گے۔ کہیں اُٹھ کے جانے کی ضرورت پیش آئے گی تو اُس سے اجازت لے کے جائیں گے۔ اگر اُس کے

ساتھ جانے کی نوبت آئے تو راستے مین اُس کے پیچھے رہین گے۔ اور اُسے آگے بڑھائین گے۔ اصول تہذیب کی پابندی مین وہ بھی اصرار کرے گا کہ "پہلے آپ تشریف لے چلین" لیکن اِدھر سے بار بار یہی کہا جائے گا کہ جناب آگے تشریف لے چلین۔ مین کس قابل ہون۔ اور اگر وہ کسی طرح نہ مانے اور مجبور ہی کر دے تو شکر گزاری مین آداب بجا لا کے آگے قدم بڑھائین گے بھی تو اِس انداز سے کہ اُس کی طرف پیٹھ نہ ہو۔

اکثر لوگ ان آداب کا مضحکہ اُڑاتے ہین اور ضرب المثل ہو گیا ہے کہ چند لکھنؤ والے "پہلے آپ"، "پہلے آپ" کہتے رہے اور ریل چھوٹ گئی۔ چنانچہ دونون اسٹیشن پر پڑے رہ گئے۔ اِس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ ہر چیز کا اعتدال سے گزر جانا بدنما اور مضر ہو جاتا ہے۔ مگر کیا اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ آداب معاشرت کی نگہداشت اہل لکھنؤ کے اخلاق مین اس حد کو پہونچ گئی ہو کہ اُن کے برتنے مین اُنھین ضرر پہونچ جانے کا بھی خیال نہین رہتا؟ جو لوگ تہذیب و شائستگی سے معرّیٰ ہین جو اعتراض چاہین کرین لیکن ایک مہذب و شائستہ آدمی اِن باتون کو بجاے عیب کے اخلاقی جوہر تسلیم کرے گا۔

اب تو سب شہرون کی طرح یہان بھی میز کرسیون اور انگریزی فرنیچر کا رواج ہو گیا ہو۔ مگر پہلے نشست فرش کی تھی جو حسب حیثیت و دولت قیمتی اور پرتکلف ہوا کرتا۔ اگر کوئی ہمرتبہ غیر یا بزرگ اور واجب التعظیم شخص آجاتا تو اُسے گاؤ کے آگے بٹھا کے سب لوگ حاضرین صحبت کی تعداد کے مطابق چھوٹا یا بڑا حلقہ باندھ کے مودب اور دوزانو بیٹھ جاتے۔ جس کسی سے وہ بات کرتا وہ شخص ہاتھ جوڑ کے نہایت ہی فروتنی سے جواب دیتا۔ اور اُس کے سامنے زیادہ باتین کرنا یا اپنی آواز کو اُس کی آواز پر بلند کرنا اخلاقی جرم خیال کرتا۔

لیکن اگر سب برابر والے حریفان صحبت اور یاران ہم مذاق ہوتے تو نشست مین بے تکلفی رہتی۔ اور باوجود ہم رتبہ و ہم سن ہونے کے بے تکلفی پر بھی سب ایک دوسرے کا ادب کرتے۔ اس کا خیال رہتا کہ کسی کی طرف پیٹھ نہ۔ اور کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے جس سے کسی کی سبکی یا اُس کی عزت کرنے سے بے پروائی ثابت

ہوتے۔ وہ تعمیل احکام کے لیے سامنے ادب سے کھڑے ہوتے یا نظر سے غائب کسی قریب ہی ایسے مقام پر ٹھیرتے جہان تک آواز پہونچ جائے۔ اور اُن کا ہر وقت کھڑا رہنا یا زیادہ باتین کرنا بدتمیزی سمجھا جاتا۔

وہ خاصدان یا حقہ لاکے لگاتے تو صاحب خانہ اپنے ہاتھ سے دوستون کے سامنے بڑھاتا اور وہ اُٹھ کے اور تسلیم کر کے لیتے۔ بے تکلفی کی صحبتون مین خردون کا بے ضرورت آنا نامناسب تھا۔ اگر کبھی ضرورت سے وہ آجاتے تو باپ کے دوستون کو نہایت ہی ادب سے جھک کے اداب بجا لاتے۔ اور اُن کے آتے ہی بزرگون کی صحبت بے تکلف سے مہذب بن جاتی۔ اور جس طرح وہ خرد سب کی بزرگی کا ادب کرتا اُسی طرح بزرگ اُس کی خردی کا پاس کر کے اپنی بے تکلفیان چھوڑ دیتے۔

یہان کی صحبت مین روز کے ملنے والون سے مصافحے یا معانقے کا رواج نہ تھا مصافحہ مقتدایان قوم کی دست بوسی تک محدود تھا۔ اور معانقہ صرف اُن دوستون کے لیے تھا جو کسی سفر سے واپس آئین۔ یا مدت کے بعد ملین۔

زنانے مین مرد جاتے تو عورتون کا احترام کرتے۔ اُن کے سامنے ممکن نہ تھا کہ وہ زیادہ بے تکلفی برتین۔ یا اُن مین زیادہ نشست رکھین۔ میان بیوی مین بے تکلفی لازمی تھی لیکن گھر کی بزرگ عورتون کے سامنے وہ بھی ہرگز بے تکلف نہ ہوتے۔ دہات کے شرفا مین معمول تھا کہ نئی دولھن جب تک چار پانچ بچون کی مان نہ ہو جائے گھر کی تمام عورتون کے سامنے شوہر سے پردہ کرتی۔ اور مجال نہ تھی کہ کوئی عزیز مرد یا عورت اُسے شوہر کے پاس یا شوہر کو اُس کے پاس جاتے دیکھ لے۔ یہ سختی شہر کے شرفا مین نہ تھی۔ شہر کے خاندانون مین میان بیوی ابتدا ہی سے ایک ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کے کھانا کھاتے۔ مگر یہ معیوب تھا کہ ماماؤن اور پیش خدمتون کے سامنے بھی باہم بے تکلفی اختیار کرین۔

عورتون کی باہمی صحبت سوا بڑے بڑے امیرون کے گھرانے کے نسبتہً بے تکلف رہتی۔ اُن مین مہمان آنے والی بیویون کے ساتھ ایک معتدل درجے تک تکلف رہتا۔ مگر اُس تکلف کے ساتھ خلوص اور یکجہتی کا اظہار زیادہ ہوتا۔

سوگواری

کسی دوست یا عزیز کے مرنے پر علانیہ طور پر وضع و لباس کے ذریعہ سے اظہار غم کو "سوگواری" کہتے ہین۔ دنیا کی تمام قومون کی معاشرت کو دیکھیے تو کوئی قوم سوگ منانے سے خالی نہ نظر آئے گی۔ لہذا ہر ملک مین سوگواری کی خاص خاص وضعین اور اُس کے اظہار کے خاص خاص طریقے اور رسمین مروج ہین۔ یون تو جس دن دنیا مین پہلا انسان مرا اُسی دن سے رونے اور سوگ کرنے کی بنیاد پڑ گئی۔ مگر اس سوگ مین مختلف قومون نے جو جدتین کین اور جیسے جیسے کرشمے دکھائے اُن کا بتانا لطف سے خالی نہین ہے۔

سب سے قدیم قوم مصر والون کی ہے۔ اور اُنھین مین سوگواری تمام قومون سے بڑھی ہوئی تھی۔ اس کی زیادتی اور مدت تک قائم رہنے کی وجہ یہ تھی کہ لاش کی ممی بنائی جاتی۔ جس کام کے لیے بہت زمانہ درکار ہوتا۔ ممی کے تیار ہونے تک مرنے والے کے خاندان مین برابر ماتم ہوتا رہتا۔ جب لاش ممی بنانے کے لیے کسی ممی بنانے والے کے گھر مین لے جائی جاتی اور جب تیاری کے بعد وہان سے لائی جاتی تو رونے اور ماتم کرنے والون کا اُس کے گرد ہجوم ہوتا۔ کوئی سن رسیدہ عورت جو رونے اور بین کرنے مین زیادہ کمال رکھتی بال کھول کے آتی اور لاش کے سرہانے کھڑی ہو جاتی۔ غم والم کی دُھن اور درد بھری آواز مین اُس کے حالات اور محامد و خصائل بیان کر کر کے روتی اور سینہ کوبی کرتی۔ اور ماتم مین تمام لوگ اُس کا ساتھ دیتے۔ اکثر فرعونون اور امیرون کے مرنے پر سال بھر تک مجلس ماتم بپا رہتی۔ اور کسی وقت رونے پیٹنے کا سلسلہ موقوف نہ ہوتا۔

اُن کے بعد اور نیز اُن کے زمانے مین بنی اسرائیل جب ارض موعودہ مین جا کے مقیم ہوئے ہین تو وہ بھی بڑے جوش و خروش سے اپنے عزیزون اور دوستون کا سوگ کیا کرتے۔ اور غالباً اظہار غم کے بھی وہی طریقے تھے

چاک کرتے۔ کپڑے پھاڑ ڈالتے۔ بالون کو نوچتے کھسوٹتے۔ سینہ کوبی کرتے۔
سر پر خاک ڈالتے۔ نہانا چھوڑ دیتے۔ فرش سے اُٹھ کے زمین پر جا بیٹھتے۔
اور لوگون مین ننگے سر اور ننگے پاؤن پھرتے۔ مرنے والے کے سوگوارون کی
یہ حالت سات دن تک رہتی جس مدت کے گزر جانے کے بعد یہ سوگواری کے طریقے
موقوف ہو جاتے۔ مگر بنی اسرائیل نے اپنے رسم و رواج کے خلاف حضرت موسیٰ
اور جناب ہارون کا سوگ پورے ایک مہینے تک قائم رکھا تھا۔

اب اس کے بعد پرانے یونانیون کا طریقۂ سوگ دیکھیے جو علم و فضل
مین سب سے بالا تھے اور اُن کا شہر ایتھنز مدینۃ الحکما کہلاتا تھا۔ یونانیون مین کوئی
عزیز و قریب مرتا تو اپنے بال کٹوا ڈالتے۔ کپڑے پھاڑ ڈالتے۔ سر پر خاک
اُڑاتے۔ اور اکثر شہرون مین سیاہ اور ارغوس وغیرہ خاص خاص بستیون
مین سفید کپڑے پہنتے۔ عام مجمع کو چھوڑ کے کسی تنہائی کے مقام مین جا بیٹھتے۔
زمین پر لوٹتے۔ ڈھکنیان کھاتے۔ اور بغیر مُنہ پر نقاب ڈالے مجمع عام مین
نہ آتے۔

یونانیون کے بعد رومیون کا زمانہ آیا۔ وہ تمام باتون یہانتک کہ
بہت سے مذہبی عقائد مین بھی یونانیون کے شاگرد تھے۔ چنانچہ ان کی سوگواری
بھی یونانیون کی سوگواری اور اُن کے طریقۂ ماتم سے زیادہ متغایر اور
جدا نہ تھی۔ اُن مین مرنے والے پر رونے پیٹنے اور بین کرنے کا زیادہ رواج
تھا۔ اور تجہیز و تکفین کے موقعون پر رونے والے کرائے پر بُلوا لیے جاتے جو
صف باندھ کے کھڑے ہوتے اور رو رو کے بین کرتے۔ اس کے سوا اُن
مین تقریباً وہ تمام باتین تھین جو یونانیون مین تھین۔

ماتمی لباس کا رنگ بھی قدیم قومون مین بدلا ہوا تھا۔ اور آج
بھی جدا جدا ہے۔ یونانیون مین بعض جگہ سیاہ تھا۔ اور بعض جگہ سفید۔ رومیون
مین علی العموم سیاہ رنگ ماتمی تھا۔ یورپ مین آج بھی سیاہ ہی رنگ سوگواری
کے لیے مخصوص ہے۔ اہل چین و جاپان سوگ مین سفید کپڑے پہنتے ہین۔ ترکون
مین نیلے یا عباسی رنگ کا رواج ہے۔ ایران مین سیاہ لباس پہنا جاتا ہے۔

مصر مین زرد رنگ سوگواری کا ہے - اور حبشیون مین سوگ اور غم کے موقع پر خاکستری رنگ اختیار کیا جاتا ہے -

جاہلیت عرب مین بھی مرنے والے کی میت پر بڑے زور و شور کا ماتم ہوتا تھا عورتین گریبان چاک کرتین - روتین پیٹتین - اور مرثیون اور بین کے فقرون کے ساتھ علی العموم نوحہ خوانی کرتین - اور سر و سینہ پیٹتین - یہان تک کہ اسلام ظاہر ہوا - اور تعلیمات ربانی سے انسانی اخلاق کی اصلاح ہونے لگی -

اسلام نے سوا آنسو بہانے اور سادگی و تہذیب کے ساتھ رنج و الم کرنے کے سر و سینہ پیٹنے - چلا چلا کے بین کرنے - زیب و زینت چھوڑنے - اور ماتمی لباس پہننے کو حرام بتایا - چنانچہ نور اسلام کے نمایان ہوتے ہی سوگواری اور سینہ زنی عرب مین یکقلم ترک ہو گئی تھی -

حضرت امام حسین علیہ السلام کے شہید ہونے کے بعد عزاداران حسین نے سوگواری و عزاداری کو جزو دین بنا دیا - اور اُن کے جوش رنج و الم نے تھوڑی ہی مدت مین سوگواری کو اس قدر اہم اور باقاعدہ بنا دیا کہ شاید محبان حسین سے زیادہ جوش عزاداری دنیا کی کوئی قوم نہ دکھا سکی ہوگی - اس اسلامی سوگواری کی شان دیکھنے کا جسے شوق ہو محرم مین لکھنؤ کی سیر کرے اور دیکھے کہ یہ دینی سوگواری دیگر اقوام و ملل کی سوگواریون سے کس قدر بڑھی چڑھی ہے -

یہان محرم کے شروع ہوتے ہی عزاداران حسین کا لباس سیاہ نیلا یا سبز ہو جاتا ہے - عورتین چوڑیان اور تمام زیور بڑھا دیتی ہین - اور اُس کے عوض ہاتھون مین سیاہ یا سبز ریشمی پہونچیان اور کانون مین سیاہ و سبز ریشمی پھول پہن لیے جاتے ہین - بال کھول دیے جاتے ہین - اور خاص عاشورے کے روز بھوسا اور خاک اُڑا کے سر پر ڈالا جاتا ہے - پان کھانا مرد و عورت سب چھوڑ دیتے ہین - اور پانون کے عوض گوٹا کھایا جاتا ہے - تعزیون کے جلوس عزاداری کا ایک مکمل ترین نمونہ ہوتے ہین - اور مجالس عزا ثبوت دیتی ہین کہ غم منانے مین ہم دنیا کی قومون سے کس قدر بڑھ گئے ہین -

چند ریویو

نقاد- اپریل ۱۹۱۶ء سے یہ دلچسپ ادبی رسالہ پھر اُسی آب و تاب سے نکلنا شروع ہوا- اور حضرت شاہ دلگیر کا سچا ادبی مذاق اور اُن کی نفاست طبع اسے روز افزون ترقی دے رہی ہے- اکتوبر ۱۹۱۶ء تک جتنے نمبر شائع ہوئے ہین سب یکے بعد دیگرے ترقی کرتے رہے ہین- ہم امید کرتے ہین کہ پبلک کی توجہ کے لیے یہ ترقیان بخوبی کافی ہون گی- جن حضرات کو نظم و نثر اردو کا ذوق ہے اُنھین نقاد کی کوششون کی قدر کرنی چاہیے- یہ ۲۰×۲۶ تقطیع کے ۵۲ صفحون کا ماہوار رسالہ کاغذ لکھائی چھپائی مین نایاب- اور مضامین کے لحاظ سے لاجواب ہے- قیمت سالانہ للعہ ر (میوہ کٹرہ- آگرہ) کے پتے پر خط بھیج کے حضرت شاہ دلگیر سے منگوایا جائے-

سعیدہ کے خطوط- جناب ابو الاثر بہزاد نے "اسرار سیرت انسانیہ" کے نام سے ناولون کا ایک سلسلہ جاری فرمایا ہے- جس کا پہلا نمونہ یہی ناول ہے جو چھوٹے چھوٹے ورقون کے ۱۷۲ صفحون پر ختم ہوا ہے- دیباچہ مین جناب مصنف ان تمام ناولون کو جو اس وقت تک اردو مین شائع ہوئے ہین ناول کے اصلی مفہوم سے باہر لغو و بیکار اور بد اخلاقی کا محرک بتاتے ہین- اور مدعی ہین کہ اردو مین اصلی اور پہلا ناول یہی "سعیدہ کے خطوط" ہین یا وہ ہون گے جو اس سلسلہ مین آیندہ شائع ہون گے- "سعیدہ کے خطوط" مین سعیدہ نام ایک لڑکی اپنے خطون مین جو زکیہ کے نام ہین اپنے حالات بیان کرتی ہے- پہلا خط تو "ڈیر زکیہ!" کے القاب سے شروع ہوا ہے- باقی تمام خطون مین القاب و آداب کی مطلق ضرورت نہین سمجھی گئی- معلوم نہین یہ بی سعیدہ کی سیرت و جبلت ہے یا اُنھون نے اپنی بہنون کو اس بے تکلفی کے اخلاق کی تعلیم دی ہے- ہمارا خیال نہ تھا کہ "ڈیر" کا لفظ پردے کی بیٹھنے والیون مین بھی پہونچ گیا ہے- باقی رہا زکیہ کو "ذ" سے "ذکیہ" لکھنا یہ یقیناً کاتب کی اصلاح ہوگی- اس ناول کی قیمت عہ ر ہے- اور ملنے کا پتہ "سید علی یاور صاحب محلہ نبگلا- امروہہ"
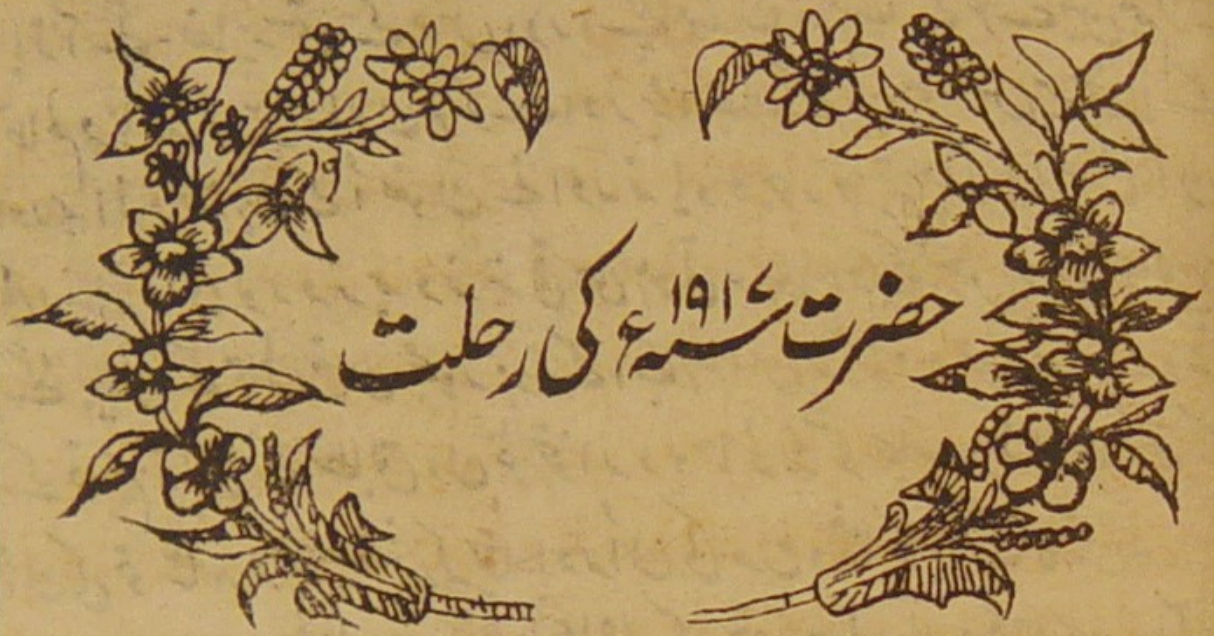
حضرت سنہ ۱۹۱۷ء کی رحلت

دنیا کی فطرت قدامت پرستی ہے چند روز کے لیے ہم کو مغربی اوضاع واطوار اور یورپین مذاق کے اختیار کرنے کا جنون سا ہو گیا تھا۔ مگر اب ہم دیکھتے ہین کہ اکثر تعلیم یافتہ نوجوان اور بہت سے ہیٹ پہننے والے بیرسٹر اور معزز عہدہ دار بھی اپنے وطنی لباس اور پرانی عادتون اور رسمون کو اختیار کرنے لگے ہین۔ لہذا اگر ہم بھی کوئی بہت پرانا طریقہ اختیار کرلین تو شاید بیجا نہ ہوگا۔

محقق مورخین کا خیال ہے کہ دنیا کا پہلا مذہب جو اکثر وحشی قومون مین آج بھی موجود ہے یہ تھا کہ اذیت رسان اور خونخوار دیوتاؤن کی پرستش کی جائے تاکہ وہ ہم سے خوش اور راضی ہو کے ہم پر جور وستم نہ کرین اور ہمین اذیت نہ پہونچائین۔ اُن کے نزدیک ہیضہ۔ طاعون۔ قحط۔ لڑائی اور اسی قسم کی تمام بلائین غیر مجسم دیوتا یا دیویان ہین۔ اور اُن کی پوجا کرنا اُن کی نیازین اور نذرین کرنا اُن پر بھینٹ چڑھانا۔ اُن کے مخصوص ومقررہ ایام مین اُن کے رجھانے کے لیے ناچ کود اور گانے بجانے کی محفلین کرنا انسان کو اُن کی مضرت وآزار سے بچا لیا کرتا ہے۔

چار سال کے تجربے نے ہمین یقین دلانا شروع کردیا ہے کہ یہ سفاک وخونریز برس بھی اسی قسم کے خونخوار دیوتا ہین جو لڑائی کے علاوہ ہمین

باز آنے - خدا پرستی کے جوش اور اپنے مہذب مذہب کے غرّے مین ہم گزشتہ ظالم و ناخدا ترس سالون کو کوستے اور برُا بھلا کہتے رہے - جس پر جھنجھلا کے اور برافروختہ ہو کے اُنھون نے اور زیادہ جور و ستم پر کمر باندھ لی - اُن کی ایذا رسانی کو روز بروز ترقی ہی ہوتی رہی - اور ہم جس دہاڑے کو پہونچ گئے بیان کے قابل نہین - مجبور ہو کے اب ہم اس پر آمادہ ہوئے ہین کہ دنیا کے قدیم مذاق کے مطابق ان خونخوار دیوتاؤن کو بجاے برُا بھلا کہنے کے اُن کی خوشامد و پرستش کرین - اور اُن کی مدح و ثنا کا راگ گائین -

اسی خیال سے جناب سنہ ۱۹۱۶ء کو رخصت کرتے وقت بجاے کوسنے اور گالیان دینے کے ہم اُنھین میان بھائی کے خطابون کے ساتھ الوداع کہتے اور اُن کے کارنامون کو مدح و ثنا اور تہنیت و مبارک باد کے انداز سے بیان کرتے ہین ؛ تاکہ یہ ہم سے خوش جائین - اور اپنے آنے والے فرزند جناب سنہ ۱۹۱۸ء کی خدمت مین چند سفارشی کلمات کے ساتھ ہماری یہ التجا عرض کر دین کہ ؏ مرا ز خیر تو امید نیست شر مرسان -

لیجیے حضرت سنہ ۱۹۱۷ء صاحب تشریف لیے جاتے ہین - حضور دنیا کو جو آپ سے بیحد خوش ہے خوشی خوشی رخصت فرمائین - آپ نے جو کچھ کیا خوب کیا - ہم شاکی نہین شکر گزار ہین - احسان مند ہین - اور جب آپ یاد آئین گے آپ کی تعریفون کے گیت گانے لگین گے - آپ کے باپ دادا اور پر دادا یعنی سنہ ۱۴ و سنہ ۱۵ اور سنہ ۱۶ جس جلالی کام کو چھیڑ گئے تھے اُسے آپ نے بڑی خوبی سے انجام دیا - اگرچہ وہ بھی بڑے بڑے ناموری کے کام کر گئے ہین مگر آپ نے اپنے اوج و عروج اور جلال و جبروت کے دکھانے مین اُن سب سے زیادہ نام پیدا کیا - اس مین شک نہین کہ آپ کی ان زبردست ہنگامہ آرائیون کو دیکھ کے ہم سے بُزدل اور ننھے کلیجے والے اکثر سہم گئے دہل گئے - اور گھبرا گھبرا کے صلح کی دعا مانگنے لگے شاید ہماری یہ کمزوری اُنھین یا آپ کو ناگوار گزری ہو - اس لیے آپ کے چلتے چلاتے عفو تقصیر کے امیدوار ہین ہم اس بارے مین معافی ہی نہین مانگتے بلکہ حضرت کے شکر گزار ہین -

اس لیے کہ ہم سے بُزدلون کو آپ نے بہادر بنا دیا۔ ہم لڑنا بھول گئے تھے۔ سلاح جنگ کی صورت دیکھ کے لرز جاتے تھے۔ اور اپنے دل مین سمجھنے لگے تھے کہ لڑنا گنوارون جاہلون اور بازاری لوگون کا کام ہے۔ شریفون کو لڑنے بھڑنے سے کیا کام؟ اُن کا کام تو یہ ہے ہر زبردست کے آگے سر جھکا دین۔ اور خوشامد درآمد کر کے اپنی جان بچائین۔ لیکن حضور کی مہربانی سے ہمین نظر آیا کہ بہادری انسانیت کا جوہر ہے۔ اور شریفانہ مقاصد کے لیے یا تہذیب کی حمایت مین لڑنا اور خونریزی کرنا عین شرافت ہے۔ آپ نے ہمین بہت بڑی عزت دے دی جس کی واقعی ہمین امید نہ تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ اگر ہم لڑ بھی سکتے ہین تو اپنے ہی ایسے رنگین فام اور سیہ رو لوگون سے۔ مغرب کی گوری اُمتون کے مقابلے مین تلوار کھینچنا ہمارے ظرف ہمارے رُتبے۔ اور ہمارے درجے سے زیادہ ہے۔ مگر حضرت آپ نے ہمین اُن ملاءِ اعلیٰ والون کے مقابلے مین لیجا کے کھڑا کر دیا اور اُن سفید دیوٗن سے لڑا دیا جن کے ہاتھ سے مارے جانے مین بھی ہماری عزت ہے۔ جیسے کبھی اندر دیوتا زمین والون کو آسمانی بلاؤن کے دفع کرنے کے لیے بُلاتے تھے۔

آپ نے عالم بالا سے آ کے دنیا کا چارج لیتے ہی دو بڑے بھاری کام کیے۔ اور وہ دونون ہماری امید سے باہر تھے۔ اور ہمارے وہم و گمان مین بھی نہ تھے۔ اول تو آپ نے روس مین انقلاب عظیم کر دیا۔ مملکت روس کی رعایا کو کچھ ایسا اشتعال دلایا کہ ایک چشم زدن مین سب نے مِل کے زار روس کے سر سے تاج شاہی اُتار کے پھینک دیا۔ اور دوسرا کارنمایان یہ کہ آپ نے امریکہ کو تہذیب کی حمایت اور حق کی جانبداری مین اُٹھا کے کھڑا کر دیا۔ آپ کے اِن دونون کامون سے ہم بہت خوش ہوئے۔ زار کے متعلق سُنا تھا کہ وہ دلی زادانِ جرمنی کا دبا ؤ مان کے خُفیہ سازشین کرنا چاہتا ہے۔ اور دوستون کو دغا دے کے جداگانہ صلح کر لینے کی فکر مین ہے۔ ایسے دغا باز کا معزول و ذلیل ہونا ہی ٹھیک تھا۔ مگر بعد کو خدا جانے کیا ہوا یا آپ سے شاید کرتے دھرتے نہ بنی کہ روس مین ہمارے حق دوستون

نے آخر تک بناہنے اور ساتھ دینے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ قیصر کی پُرشور و شر سازشون سے دودھ کی مکھی کیطرح نکال کے پھینک دیے گئے اور عنان حکومت جن دغا بازون کے ہاتھ مین آئی وہ بے اصول تھے اور بدعہد۔ توتے کی طرح آنکھین بدل لین۔ بلا تامل بے پوچھے گچھے اور بے مشورہ کیے جداگانہ صلح کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ اور افسوس آپ اُنھین ایسی حالت مین چھوڑے جاتے ہین کہ دنیا انگشت بدندان ہے۔ تہذیب و شائستگی اُن کی حماقت پر کف افسوس مل رہی ہے۔ اور دلوزادہ جرمنی کھڑا بغلین بجا رہا ہے۔ روس کو ایسی نازک حالت مین چھوڑ کے آپ کا چلا جانا دنیا کے کسی مہذب و عاقل کو تو اچھا نہین معلوم ہوا اگر ہم تو آپ کے ڈر کے مارے یہی کہین گے کہ اِس مین بھی آپ کی کوئی مصلحت ہوگی۔

رہا امریکہ کا ہماری مدد کے لیے اُٹھ کھڑا ہونا یہ بے شک روس کے فتنے کا نعم البدل ہے۔ امریکہ کی دولت و عظمت۔ اُس کی صنعت اور اُس کی فوج کی کثرت۔ اُس کی بحری شوکت۔ اور ہوائی قوت اِن تمام چیزون کی خیالی تصویر اپنی نظر کے سامنے کھینچ کھینچ کے ہم مارے خوشی کے پھولے جاتے ہین۔ اور زور و شور سے کہہ رہے ہین کہ اگر امریکہ ہمارے ساتھ ہے تو ایک کیا ایسے چودہ جرمنیون کو ہم مار کے گرادین گے۔ آپ کی اس عنایت کا شکریہ نہین ادا ہو سکتا بے شک آپ کی مرحمت سے ہمین بہت بڑا حامی و مددگار مل گیا جو سارے دشمنون کو کچل کے رکھ دے گا۔ مگر جہان حضرت نے اُسے لڑنے پر آمادہ کیا ہے وہان اپنے جانے سے پہلے اتنا سمجھا دیتے کہ جن مددون کا وعدہ کر رہا ہے اُن سے جانباز حامیان تہذیب فائدہ اُٹھائین۔ فرانس تباہ ہوا جاتا ہے اٹلی کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ بلجیم۔ سردیہ۔ رومانیہ۔ مانٹی نگرو۔ از کار رفتہ ہین۔ جاپان اپنے ہی ساحل پر ڈنڑ پیل رہا ہے۔ اور انگلستان بھی چار سال کی مسلسل زور آزمائیون کے بعد آخر کچھ تو تھکا ہوگا۔ مگر امریکہ ابھی تک لڑائی کی تیاریان ہی کر رہا ہے۔ آخر یہ تیاریان کب تک؟ خالی

وعدون کو لے کے کوئی اوڑھے بچھائے کیا کرے؟ غرض حضرت کی یہ پالیسی
کہ روس نے ہاتھ پاؤن ڈال دیے اور امریکہ کے ابھی وعدے ہی وعدے
مین قابل برداشت نہین- اور پھر قیامت یہ کہ بغیر اس کا کچھ انتظام کیے آپ واپس
تشریف لیے جاتے ہین-

آپ کی ایک کارستانی یہ ہے کہ دنیا مین آ کے لڑائی کا رنگ بدل
دیا- یا تو خونریزی اور جدال و قتال اُنھین ملکون اور سمندرون تک
محدود تھا جو حریفون کے درمیان مین واقع ہوئے ہین- یا آپ نے آتے ہی
اپنے حوصلے کی وسعت کے مطابق لڑائی کو ساتون سمندرون مین پھیلا دیا-
جرمنی کی تہ آب کشتیان پہلے فقط ایک محدود رقبۂ بحر مین ستم ڈھا رہی تھین
آپ کا اشارہ پاتے ہی یا آپ کے ورود کے جوش مین اُس نے ساتون سمندرون
کو رزم گاہ بنا دیا- اور غوطہ زن جہاز ہر طرف ہر جگہ اور ہر سمندر مین دست
تعدی دراز کرنے لگے- اگرچہ انگلستان کی بحری عظمت نے اُس فتنے کو بہت
کچھ دبا دیا اور عام بحری قزاقیون کا سلسلہ روز بروز کمزور پڑتا جاتا ہے
مگر آپ نے ساری دنیا کو اپنے جلال کا تماشا دکھانے مین کوئی کمی نہین کی
اور یہ دنیا سے نرالا طرز جنگ آپ کی برکت سے نہایت ترقی کر گیا-

یہ بھی آپ کی بڑی نمایان کارگزاری ہے کہ دولت برطانیہ نے
سبقت کر کے عراق کی ناکام مہم کا خاطرخواہ معاوضہ حاصل کر لیا- چنانچہ آپ کے
ورود کے آغاز مین سر اسٹیلی ماڈ زبردست لشکر لے کے بڑھے- پہلے قط العمارہ
پر قبضہ کر کے جنرل ٹون شنڈ کی ناکامی کا انتقام لیا- پھر بڑھ کے بغداد
اور سامرہ پر قابض ہو گئے- اور بیسوین صدی کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت برطانیہ
خلافت اسلامیہ کے قدیم دارالخلافت کی بھی وارث ہو گئی-

حجاز مین ایک عربی دولت یونین جیک کے سایے مین پہلے ہی
قائم ہو چکی تھی- اور ام البلاد مکہ معظمہ آل عثمان کی قلمرو سے پہلے ہی خارج
ہو چکا تھا- آپ کے آخر عہد مین ارض فلسطین کی طرف اتحادیون نے برطانی
سپہ سالار جنرل الینبی کی سرکردگی مین شہر غزہ سے سبقت کی اور چند ہی روز مین

یافا- رملہ اور بیت المقدس ترکون سے خالی اور برطانیہ کے علم اقبال کے نیچے تھے- بیت المقدس کا فتح کر لینا کوئی معمولی بات نہین ہے- اگرچہ بیت المقدس اب ہمارے عہد مین وہ پولٹیکل حیثیت نہین رکھتا جو اسے آج سے دو تین صدی پیشتر حاصل تھی مگر پھر بھی یہ شہر یہودیون عیسائیون اور مسلمانون سب کی نظر مین مقدس و محترم ہے- بڑے عظمت و جلال کا شہر ہے- انبیا اور حاملان وحی الٰہی اس کے بانی اور حکمران رہے ہین- اس کی دیوارون کے نیچے ہزارون لڑائیان ہوئین- عہد عتیق کے خدا پرست و بت پرست لڑے- بابل نینوا اور مصر والون نے لوٹا اور تباہ کیا- اور بنی اسرائیل کی دینی سرگرمی نے جب دوبارہ آباد کیا تو یونانیون اور رومیون نے زبردست حملے کیے یہان تک کہ حضرت مسیح اس زمین مین پیدا ہوکے اور اپنے سچے دین کی تبلیغ فرما کے دنیا سے رخصت ہو گئے- جس کے بعد یہود کو اپنی سرکشی و بدکرداری کی سزا ویسپسین قیصر اور ٹائٹس کے ہاتھ سے ملی- جبکہ پُرانا خانۂ خدا جلا کے خاک سیاہ اور شہر لوٹ مار کے منہدم کر دیا گیا-

اب اس کے بعد سے مسیحون کا عروج شروع ہوا جنھون نے حضرت مسیح کے مولد و مدفن اور اُن تمام مقامون مین جن کو آپ سے کوئی خصوصیت تھی عالیشان کنیسے اور عمارتین بنائین- یہودی نکال دیے گئے- اور یہ خالص مسیحی شہر ہو گیا- پھر جب کوکب اسلام نے طلوع کیا تو پُرجوش عربی دلدادگان توحید علم اسلام لے کے پہونچے- اور اِس مدینۂ انبیا پر مسلط ہو گئے- اُنھون نے حضرت سلیمان کی اگلی ہیکل ربانی اور انبیاے سلف کے قدیم معبد کو پھر زندہ کیا- اور پُرانے منہدم کھنڈرون پر عالیشان اور یادگار زمانہ عمارت بنا کے کھڑی کر دی- حضرت رسول آخر الزمان علیہ التحیۃ والثنا نے اس شہر اور اس کے محترم عبادتکدۂ انبیا کو مقدس و متبرک فرمایا تھا- لہذا مسلمانون نے اُس کی خدمت شروع کی- اِس کے بعد کئی صدیون تک یہ مقدس شہر اسلام کا مرکز اور مسیحون کی زیارت گاہ رہا یہان تک کہ یورپ مین ایک جوش پیدا ہوا کہ چونکہ اس شہر کے آغوش مین مسیحیت کا نشو و نما ہوا ہی

لہذا یہ خالص مسیحی شہر ہے۔ اور مسیحیون سے زیادہ اس کی خدمت کرنے کا کوئی مستحق نہین۔ یورپ کے اس جوش سے صلیبی لڑائیون کا آغاز ہوا۔ پہلی صلیبی مہم مین لاکھون جانین ضائع کرکے مسیحیون نے اِس شہر کو لے لیا۔ اور کہتے ہین کہ اُس مہم مین مسیحی فاتح گھٹنون گھٹنون تک سیلاب خون مین ڈوبے ہوئے مرقد مسیح تک پہونچے تھے۔ اُس وقت سے یہان ایک لاطینی مسیحی سلطنت قائم ہوئی جس کا تقریباً اسّی برس بعد سلطان صلاح الدین اعظم نے استیصال کیا۔ اُس زمانے سے پھر مسیحی یورشون کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اور کئی صدیون کی خونریزی کے بعد سب کو تسلیم کرلینا پڑا کہ خدا ہی کو منظور ہے کہ ارض فلسطین اور بیت المقدس پر مسلمانون کا قبضہ رہے۔ چنانچہ پھر کسی کو اِدھر رخ کرنے کا حوصلہ نہین ہوا۔ آخر اِس سرزمین اور اُس کے تمام شہرون کی نگہبانی کا ورثہ ترکان آل عثمان کو ملا

بہرحال اِس شہر کا اِس آخری زمانے مین یون آسانی کے ساتھ مسلمانون کے قبضے سے نکل کے پھر مسیحیون کے قبضے مین جانا تاریخ عالم کا اتنا بڑا اہم واقعہ ہے کہ دولت برطانیہ اس پر جس قدر ناز کرے بجا و زیبا ہے۔ اور یا حضرت ۱۹۱۷ء یہ آپ کا اتنا بڑا کارنامہ ہے جس مین آپ اپنے تمام ہم مذاق سنین ماضیہ سے بڑھ گئے۔ اور ترکون کو ایک ہی سال کے اندر تقریباً تمام مذہبی مقامات سے نکال باہر کر دیا۔

مگر چلتے چلاتے آپ نے یہ عجیب کارروائی کی جنرل ماڈ کو جنھون نے برٹش اسلحہ کو موصل و نینوا کے قریب تک پہونچا دیا تھا یک بیک دنیا سے رخصت کرکے اُن کے دوستون کو خون کے آنسوؤن سے رُلا دیا۔ اس کا ملال تو ہمین بھی ہوا اگر ہم قسم کھا چکے ہین کہ آپ کی شکایت نہ کرین گے۔ آپ نے جو چاہا کیا ہو۔ اور ہمین اور ساری دنیا کو چاہے جس قدر تباہ و برباد کر دیا ہو۔ ہم آپ کی تعریف ہی کیے جائین گے۔

آپ کا یہ کارنامہ بھی غیر معمولی نہین ہے کہ چلتے چلاتے جرمنیون کے ہاتھ سے اٹلی کو بڑا بھاری نقصان پہونچا دیا۔ رومی جاہ و جلال اور

بھی اُن قوموں مین نہین جو گئی گزری کہی جائین۔ وہ یورپ کے جنوب وسطی مین واقع ہے۔ آجکل کی زبردست قومون مین اُس کا شمار ہے۔ جو ہمیشہ اپنی قوت سے زیادہ حوصلہ دکھانے کو تیار ہو جاتی ہے ایسی سلطنت کو اتنا بڑا زبردست دھکا دے دینا کہ پہاڑون کی بلندی سے لڑھکتی ہوئی نشیبی میدانون مین جا پڑے آپ ہی کے اپنے زبردست کا کام تھا۔ لاکھون سپاہی پکڑ وا دیے۔ ہزارون توپین چھنوا دین۔ اور پورے ایک صوبے مین عجیب وغریب ہلچل ڈالدی۔ اور دشمن کو جس مقام اور دریا تک بڑھا یا تھا وہین ڈٹا دیا۔ آپ کی اس حرکت کو ساری دنیا بُرا سمجھتی اور خدا جانے آپ کی شان مین کیا کیا سخت و مکروہ الفاظ زبان سے نکال رہی ہے۔ مگر ہم اس مین بھی آپ کی مدح ہی کرین گے۔

مگر آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ روس کو جو بڑے کروفر سے دیوزادان شمال یعنی جرمنیون کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اور امید تھی کہ وہ میدان صاف کرتا ہوا برلن مین جا کے دم لے گا۔ ایسا غارت کیا کہ کہین کا نہ رکھا۔ دشمنون کی سازشون اور فتنہ انگیزیون نے اس بلا کی پھوٹ ڈالدی کہ نہ دوستون کی ہمدردی کارگر ہوتی ہے اور نہ ہمدردون کی خیرخواہی سے فائدہ پہونچتا ہے۔ دشمن کا یہ جادو چلتے ہی آپ نے کچھ اُسے ایسی پٹی پڑھا دی کہ اپنا نیک و بد نہین سمجھتا دوستون سے جو عہد و پیمان تھے بلا تکلف توڑ دیے جن سے قرضہ لیا تھا اُن کا روپیہ ہضم کر گیا۔ اور دشمن کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا صلح کے لیے التجا کر رہا ہے۔ دشمن نے یہ پٹی پڑھا دی ہے کہ ہم نہ تم سے کوئی معاوضہ جنگ لین گے۔ اور نہ تمھارا کوئی حصۂ ملک اپنی قلمرو مین شامل کرین گے۔ مگر بیوقوف یہ نہین دیکھتا کہ جمہوریت نے اُس کے جن تمام مغربی صوبون کو آزادی دی ہے وہ خود جرمن کے آغوش مین دوڑے چلے جاتے ہین جو دراصل موت کا آغوش ہے۔

ہم شکایت تو اس کی بھی نہ کرین گے اور آپ کی تعریف ہی کرتے رہین گے مگر اتنی التجا ضرور پیش کرین گے کہ جانے سے پہلے روس کو اس کا نیک و بد ضرور سمجھا دیجیے۔

حسن کی حکمت عملی

آخر سوچتے سوچتے حسن نے ایک دن ابن طبری کے پاس کہلا بھیجا "آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ہمین اپنے باغ مین لے چلین گے اور وہان کی سیر و تفریح مین بڑا لطف آئے گا۔ آج دن اچھا ہے تشریف لائیے تو آپ کے باغ مین چل کے دو گھڑی سیر کرین"۔ اِس کے ساتھ اُس نے یہ دوسری کارروائی کی کہ ابن طبری کی طرف سے اُس کے تمام معزز و ذی اثر رو سائے شہر کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ سب صاحب والی حسن بن علی کے مکان پر تشریف لائین۔ ارادہ ہے کہ ہم سب مل کے آج اپنے باغ مین چلین۔ چنانچہ خود ابن طبری اور اُس کے تمام طرفدار دوست آ کے جمع ہو گئے۔ حسن سب سے نہایت اخلاق کے ساتھ پیش آیا۔ قدر و منزلت سے اپنے قصر مین بٹھایا اور ایسا باتون مین لگایا کہ شام ہو گئی۔ اور چراغ جل گئے تب حسن نے تمام مہمانون سے کہا "اب تو رات ہو گئی باغ مین چلنے کا وقت نہین رہا۔ اب مناسب یہ ہے کہ آج شب کو آپ سب صاحب میری میزبانی کو قبول کرین۔ دلچسپی کا کل سامان یہین جمع ہو جائے گا۔ صبح تڑکے اُٹھ کے سب صاحب باغ کو چلین اور کل کا دن وہین گزرے۔ امیر و حاکم کا کہنا سب نے قبول کر لیا۔ یہ تمام معزز مہمان پورے جلوس اور اپنے خدم و حشم کے ساتھ آئے تھے۔ اور اُن کے ملازمین اور ہمراہی سپاہی قصر کے بیرونی صحن مین ٹھہرے ہوئے تھے۔ لہذا اُن رئیسون کو اپنے یہان روکنے کے بعد حسن نے اُن کے ملازمون اور سپاہیون کے پاس کہلا بھیجا آپ کے آقا آج رات کو یہین رہین گے آپ سب صاحب اپنے گھرون کو واپس جائین یہ حکم پاتے ہی اُن امرا کے تمام ہمراہی واپس چلے گئے۔ اور خود اُن کو حسن دیر تک باتون مین لگائے رہا۔ جب زیادہ رات آگئی اور شہر مین ہر طرف سناٹا ہوا تو حسن نے سب کو گرفتار کر لیا۔ اور اُسی وقت رات کے پچھلے حصے مین فوج بھیج کے اُن سب کے گھرون کو بھی لٹوا لیا۔ صبح کو جب یہ خبر مشہور

ہوئی تو تمام مخالفون کے ہوش جاتے رہے اور شہر کی باقی تمام لوگ حسن کے طرفدار ہو گئے۔ اور چند ہی روز مین صقلیہ کے تمام اسلامی شہرون نے اُس کے آگے سر جُھکا دیا۔ اور جو لوگ مالگزاری ادا کرنے مین تامل کر رہے تھے اکٹھا تین سال کی رقم ساتھ لا کے حاضر ہوئے۔ اور خزانہ دولت سے مالامال ہو گیا۔

حسن بن علی کی کارگذاریان اور فتوحات

مگر شہنشاہ قسطنطنیہ سے بھی خاموش نہ بیٹھا جاتا تھا۔ چنانچہ اب اُس نے اپنے ایک معتمد کارآزمودہ سردار کو بہت سی فوج دے کے جہازون پر سوار کرایا۔ جو بڑے کرّوفر سے لنگر اُٹھا کے صقلیہ مین پہونچا اور صقلیہ کے رومی حاکم سرد غوس سے آملا۔ لیکن اُس رومی بیڑے کی روانگی کی خبر سنتے ہی حسن نے یہ واقعات افریقیہ مین خلیفۂ منصور فاطمی کے دربار مین لکھے۔ منصور نے فوراً ایک نیا بیڑا اُس کی کمک کو بھیجا جس پر بحری حملہ آورون کے علاوہ خشکی مین لڑنے کے لیے سات ہزار سوار اور ساڑھے تین ہزار پیدل سپاہی تھے۔ یہ بیڑا اور جدید لشکر جیسے ہی حسن کے پاس پہونچا اُس نے صقلیہ کی فوج کا بہت بڑا حصہ اُس کے ہمراہ کیا اور حکم دیا کہ یہ لشکر عظیم سمندر اور خشکی دونون راستون سے کوچ کر کے شہر میسینی پر حملہ کرے جو پھر دشمنون کے ہاتھ مین چلا گیا تھا۔ اِن بہادرانِ اسلام نے جاتے ہی میسینی کو فتح کر لیا۔ اور شہر ریو پر حملہ آور ہوئے جو اٹلی کے جنوبی صوبۂ قلوریہ مین تھا۔ ساتھ ہی اسلامی فوجین مختلف حصون مین تقسیم ہو کے جُدا جُدا افسرون کی ماتحتی مین قلوریہ کے بہت سے شہرون پر تاختین کرنے لگین۔ خود حسن شہر جراجہ پر پہونچا۔ اور سختی سے محاصرہ کر لیا۔ اُس نے حسن تدبیر سے اُن تمام چشمون اور تالابون پر قبضہ کر لیا جن سے شہر والون کو پانی ملتا تھا۔ اور پانی بند ہو جانے سے تمام اہل جراجہ کو اپنی ہلاکت کا قطعی یقین ہو گیا تھا کہ ناگہان

حسن کو رومی بیڑے اور دشمنون کے زبردست لشکر کے آپہونچنے کی خبر پہونچی۔ فوراً کچھ دولت لے کے شہر والون سے صلح کر لی۔ اور بڑی ملا کے دفعیہ کے لیے رومیون کے مقابلے پر چلا۔

مگر رومیون پر سطوت کا کچھ ایسا رعب پڑا کہ حسن کے آنے کی خبر پاتے ہی بغیر لڑے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور شمال مین شہر باری کی طرف چلے گئے۔ دشمن سے میدان خالی پا کے حسن نے شہر قسانہ پر اُتر کے اُس کا محاصرہ کر لیا۔ اور پھر بہت سی جدا جدا فوجین قلوریہ کے مختلف شہرون پر بھیجین۔ اور ہر طرف لوٹ مچا دی۔ قسانہ والے ایک ہی مہینے کے محاصرے مین گھبرا گئے صلح کا پیام دیا۔ اور حسن نے کافی جرمانہ وصول کر کے محاصرہ اُٹھا لیا۔ اتنے مین جاڑون کا موسم آ گیا۔ جبکہ عرب اٹلی کے شمالی شہرون مین نہین ٹھہر سکتے تھے فوراً حسن مع تمام افواج کے سینی مین واپس آیا۔ اور اُسی کی بندرگاہ مین اسلامی بیڑا بھی لنگر انداز ہو گیا۔ جاڑون کے ختم ہوتے ہی منصور کا فرمان آیا کہ فوراً صوبۂ قلوریہ مین پہونچ کے پھر میدان جنگ گرم کرو۔ اس حکم کے بموجب حسن اُس آبنائے کو قطع کر کے جو صقلیہ اور اٹالیہ کے درمیان حائل ہے دوبارہ شہر جراجہ پر پہونچا۔ مگر اب فقط جراجہ والون سے مقابلہ نہ تھا اس لیے کہ خود سردار اور سار ارومی لشکر جو جہازون پر سوار ہو کے آیا تھا وہان موجود تھا۔

حسن نے اِس کی پروا نہ کی اور مقابلے پر جا پہونچا۔ ۳۴۰ھ مین خاص عرفے کا دن تھا کہ دونون زبردست اور سربکف حریفون مین میدان کارزار گرم ہوا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی جس مین دونون طرف کے سپاہیون نے دلیری و شجاعت دکھانے مین کوئی بات نہین اُٹھا رکھی۔ مگر مسلمانون کا اقبال اوج پر تھا رومی شکست کھا کے بھاگے۔ اور مسلمانون نے شیران خونخوار کی طرح تعاقب کیا۔ رات تک دشمنون کو رگید رگید کے قتل کرتے رہے مورخین کا بیان ہے کہ اس لڑائی مین عیسائی بہت کثرت سے مارے گئے۔ اُن کا مال واسباب اور رسد کا جو کچھ سامان اُن کے ساتھ تھا سب مسلمانون کے قبضے مین آیا۔ اُن کے مویشیون کے گلے اور گھوڑے بھی عرب فاتحین کو ہاتھ آگئے اور بڑے بڑے معزز سرداران روم وصقلیہ کے سر کاٹ

کاٹ کے بلاد صقلیہ و افریقہ مین بھیجے گئے۔

رومیون اور مسلمانون مین صلح

اب ۳۴۱ھ شروع ہوا۔ اور مناسب موسم کے شروع ہوتے ہی حسن نے قلوریہ مین پہونچ کے پھر جراجہ کا محاصرہ کر لیا۔ مگر اب رومیون مین مقاومت کی تاب نہ تھی۔ فوراً اُنھون نے پیام صلح دے کے چاہا کہ باہم ایک معاہدہ ہو جائے۔ مسلمانون نے اُن کی درخواست صلح موجہ شرطون کے ساتھ قبول کر لی۔ اور معاہدہ ہو گیا۔ جس کے بعد حسن رومیون کے شہر ریو مین گیا۔ اور شہر مذکور کے بیچون بیچ مین ایک عالیشان مسجد تعمیر کرائی۔ اُس کے ایک پہلو پر ایک بلند مینار بنوایا تاکہ مؤذن اُس پر چڑھ کے اذان دیا کرے۔ پھر اُس کے متعلق رومیون سے شرط کی کہ اُس کی حفاظت اُن کے ذمے ہے۔ مسلمانون کی جو آبادی وہان موجود ہو اُس مین نماز پڑھے گی۔ اُن کو اُس کی مرمت اور اُس کے آباد رکھنے سے کبھی رومی مانع نہ ہون گے۔ نہ کبھی موذن کو اذان دینے سے روکین گے۔ اور نہ کبھی کوئی نصرانی اُس کے اندر قدم رکھے گا۔ اس کے ساتھ یہ بھی شرط تھی کہ اگر کبھی کوئی مسلمان اسیر عام اِس سے کہ دین اسلام کا پابند ہو یا مرتد اسیر کرنے والون کے ہاتھ سے چھوٹ کے اُس مسجد مین داخل ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور اُس کی نسبت خیال کیا جائے گا کہ امن کے مقام مین پہونچ گیا۔ آخر مین سب سے بڑی شرط یہ تھی کہ رومی اگر کبھی اس مسجد کا ایک پتھر بھی اُکھاڑ لین گے تو مسلمانون کے لیے جائز ہو گا کہ صقلیہ اور افریقہ مین جتنے کنیسے اور گرجے ہین ان سب کو منہدم کر ڈالین۔ یہ سخت شرطین جو حسن نے اُس مسجد کے متعلق لازمی قرار دی تھین اُن کو رومیون نے بلا عذر قبول کیا۔ مسلمانون کی یہ عالیشان جامع مسجد اٹلی کے جنوب مین قائم تھی۔ اور ثبوت دیتی ہے کہ اُن دنون اُس سرزمین مین اتنے مسلمان موجود تھے کہ اُن کے عبادت

[illegible]

کے بہت حقوق مل گئے۔

المنصور فاطمی کی وفات اور المعز کی خلافت

اسی سال یعنی شوال ۳۴۱ھ مین خلیفہ المنصور نے جو مراکش سے طرابلس الغرب تک سارے افریقیہ کا فرمان روا تھا مر گیا۔ اور اُس کے بیٹے معد نے المعز لدین اللہ کا لقب اختیار کر کے سریر خلافت فاطمی پہ قدم رکھا۔ جزیرۂ صقلیہ چونکہ اسی سلطنت کی قلمرو مین شامل تھا لہذا وہان بھی اسی فاطمی خلیفہ مغرب کا سکہ و خطبہ جاری ہوا۔

احمد بن حسن والی صقلیہ

المعز کی مسند نشینی کا حال سنتے ہی حسن بن علی نے جو اُس کے مخصوص دوستون اور معتمد علیہ رفیقون مین تھا اپنے بیٹے ابو الحسن احمد کو اپنی جگہ والی وحاکم بنا کے صقلیہ مین چھوڑ دیا اور خود جہاز پہ سوار ہو کے افریقیہ مین واپس گیا۔ المعز کے دار الخلافت شہر مہدیہ مین پہونچ کے جوان دولت خلیفہ کے دربار مین حاضر ہوا۔ اُس کو تخت نشینی پر مبارک باد دی۔ اور اُس کی اجازت سے وہین ٹھہر گیا۔

خلافت اندلس اور نئی فاطمی خلافت مین جھگڑا

اِن دنون اندلس مین خلافت بنی امیہ اُندلس کے سریر فرمان روائی پہ وہان کا سب سے زیادہ نامور خلیفہ عبد الرحمن الناصر لدین اللہ جلوہ افروز تھا اُس نے جہان اپنی سطوت و قوت بڑھانے کے اور بہت انتظامات کیے وہان اپنے بیڑے کو بھی خوب مضبوط کر رہا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنی بلند حوصلگی سے ایک ... جہاز تیار کیا کہ دنیا مین اس سے پہلے اتنا بڑا جہاز نہین بنا تھا۔ جب

وہ جہاز تیار ہو گیا تو خلیفۂ الناصر لدین اللہ نے اپنے ملک کا بہت سا مال لدوا کے اُسے اسلامی بلاد مشرق کیطرف روانہ کیا۔ یہ جہاز جاتے یا واپس آتے وقت جزیرہ صقلیہ اور ساحلِ افریقہ کے درمیان گزر رہا تھا کہ راستے مین اُسے صقلیہ کا ایک جہاز مِلا جس پر والی صقلیہ احمد بن حسن کا قاصد المعز کے پاس جا رہا تھا۔ اندلسی جہاز والون کو شکار ہاتھ آیا۔ صقلیہ کے جہاز کو بلا تکلف لوٹ لیا۔ جس مین صقلیہ کے بہت سے لوگون کے خطوط المعز کے نام تھے۔ یہ خبر المعز کو پہونچی تو بہت برافروختہ ہوا۔ اور جو مذہبی عداوت اُس مین اور بنی امیہ مین تھی اُس نے اور زیادہ جوش دلایا جھٹ پٹ ایک بڑا زبردست بیڑا مرتب کیا۔ اُس پر سابق والی صقلیہ حسن بن علی کو امیر البحر مقرر کیا۔ اور بہت سا لشکر اُس کے ہمراہ کر کے روانہ کیا کہ فوراً جا کے اہلِ اندلس سے اُن کی اس دست برد کا انتقام لے۔ حسن ۳۴۵ھ مین مہدیہ سے لنگر اُٹھا کے اندلس کی بندرگاہ مریہ پر پہونچا۔ بلاے ناگہان کی طرح آناً فاناً وہان کے ڈاک یارڈ مین گھس پڑا۔ جتنے جہاز وہان نظر آئے سب مین آگ لگا دی۔ اور اُس بڑے جہاز کو بھی زبردستی چھین کے اپنے قبضے مین کر لیا۔ اسپین کا یہ بڑا جہاز ابھی اسکندریہ کے سفر سے واپس آ کے ٹھہرا تھا۔ لوگ اُس پر سے اُترنے بھی نہین پائے تھے۔ اور اُس مین عبد الرحمن الناصر کے لیے بہت سے ہدیے اور تحفے اور مشرقی ممالک اسلام کی تعلیم پائی ہوئی گانے والی لونڈیان تھین جو سب حسن کے قبضے مین آ گئین حسن نے اِسی قدر نہین کیا بلکہ ساحل اسپین پر اُتر کے وہان والون کو لوٹا مارا بھی اور خوب کامیاب ہو کے غانم و سالم مہدیہ مین واپس آیا۔

احمد کی ایک زبردست فتح

احمد بن حسن اپنے باپ کے واپس جانے کے بعد مدت تک صقلیہ پر

معلوم ہو سکے مگر اس مین شک نہین کہ وہ کامیاب تھا اور غالباً اُس عہد نامے
کی وجہ سے جو اُس کے باپ کی بہادری سے مسلمانون اور رومیون مین
ہو گیا تھا اُس نے چند روز تک اطمینان اور امن و امان کی زندگی بسر کی
مگر اُس کے عہد مین عیسائیون نے اپنی عادت کے موافق عہد شکنی کر کے طبرمین
پر قبضہ کر لیا۔ یہ خبر سنتے ہی ۳۵۱ھ مین اُس نے شہر مذکور پر چڑھائی کر دی۔
وہان والے ڈر کے شہر مین قلعہ بند ہو گئے۔ اور اُس نے محاصرہ کر لیا۔ یہ
محاصرہ ایک مدت تک قائم رہا۔ اور قلعے والون کو اپنے شہر کی مضبوطی اور
اپنی پامردی پر اس قدر ناز تھا کہ اِس محاصرے کی بالکل پروا نہ کرتے تھے۔
اتفاقاً ایک ندی اُس شہر مین سے ہو کے گزری تھی۔ اور اُسی سے اہل شہر
کو پانی ملتا تھا۔ احمد نے دوران محاصرہ مین یہ کارروائی کی کہ شہر سے دو تین
میل اُدھر جا کے ایک نئی نہر کھدوانا شروع کی۔ اور چند روز کی محنت مین
اُس ندی کو دوسرے راستے سے سمندر مین گرا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دریا کا
جو حصہ شہر کے پاس سے ہو کے گزرا تھا وہ بالکل خشک ہو گیا۔ یک بیک نہر
کے خشک ہو جانے سے شہر والون کے حواس جاتے رہے۔ اور پانی کا
ایسا شدید قحط ہوا کہ دو دن زندگی بسر کرنا بھی دشوار ہو گیا۔ ہر طرف
سے صداے العطش بلند ہوئی۔ اور عاجز آ کے اُنھون نے مسلمانون سے امان
مانگی۔ احمد نے اُن کی سرکشی کے غصے مین امان دینے سے قطعاً انکار کیا۔ آخر
مجبور ہو کے شہر والون نے درخواست کی "ہم فقط اتنا چاہتے ہین کہ ہمین
جان کی امان ملے۔ چاہے ہم سب غلام بنا لیے جائین۔ اور ہمارا جو کچھ
مال و اسباب ہے سب آپ کا ہے"۔ اس درخواست کو محاصرہ کرنے والون
نے قبول کیا۔ اور ماہ ذیقعدہ مین ساڑھے سات مہینے کے محاصرے کے
بعد شہر طبرمین کے پھاٹک فاتحون پر کھل گئے۔ ساری رعایا لونڈی غلام
بنا لی گئی۔ قلعے مین چند مسلمان آباد کیے گیے۔ اور اُس کا نام المعز کی یادگار
مین بجاے طبرمین کے المعزیہ رکھ دیا گیا۔

دشمنون کی یورش

اسی زمانے مین اُس نے اپنے ایک بہادر سردار حسن بن عمار کو ایک لشکر کا سردار بنا کے شہر رَطہ کے فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ جنوبی اٹلی کا شہر تھا اور اُس مین رومی آباد تھے۔ وہ مسلمانون کے حملے سے ڈرے اور شاہ قسطنطنیہ کو اپنی حالت کی اطلاع دے کے رسد اور فوج مانگی۔ اُس نے فوراً چالیس ہزار سے زیادہ سپہگرون کا ایک لشکر عظیم جہازون پر سوار کرا کے اُن لوگون کی مدد کے لیے روانہ کر دیا۔ اس کی خبر امیر احمد کو ہوئی تو اُس نے فوراً اپنا بیڑا درست کرنا شروع کیا بہت سا لشکر جمع کیا۔ دربری و بحری دونون طرح کی فوجین مقابلے کے لیے تیار کرلین۔ ساتھ ہی مہدیہ مین اطلاع کی اور المعز سے کمک مانگی۔ معز بڑا اولوالعزم اور پُرجوش خلیفہ تھا۔ کثرت سے فوجین جمع کر کے سپاہیون کو انعام و اکرام اور خلعت و عزت سے سرفراز کیا۔ پھر اپنے زبردست بیڑے پر اُن تمام فوجون کو سوار کرا کے امیر احمد کے باپ یعنی اگلے والی صقلیہ حسن بن علی کو اُن پر سردار اور امیر البحر مقرر کیا۔ اور حکم دیا کہ فوراً جا کے اپنے فرزند اور مسلمانان صقلیہ کی مدد کرو۔ یہ بیڑا ۳۵۲ھ مین وارد صقلیہ ہوا۔ وہان پہونچتے ہی اُن مین سے کچھ لوگ آگے بڑھ کے رَطہ کے محاصرے مین سرگرم ہو گئے۔ اور اُس کے ایک مہینے بعد شوال مین رومی بیڑا آ پہونچا۔ جو مسینی (موجودہ سینا) پر آ کے لنگر انداز ہوا۔ اس رومی فوج کے ہزار مسینا سے ایک اتنے بڑے لشکر کے ساتھ جس سے بڑا لشکر کبھی صقلیہ مین نہین جمع ہوا تھا جوش و خروش سے رَطہ کی طرف چلے۔ حسن بن عمار نے اُن لوگون کی سبقت کا حال سُنا تو تھوڑی فوج تو رَطہ کے محاصرے پر چھوڑ دی۔ اور باقی لشکر کو لے کے اُس رومی لشکر کی طرف بڑھا۔ اور محاصرہ کرنے والون کو تاکید کر دی کہ خبردار رَطہ والون کو شہر سے نکلنے کا موقع نہ دینا رومی لشکر ایسا زبردست تھا کہ حسن بن عمار اور اُس کے ساتھی مسلمان دراصل جان پر کھیل کے اور کفن باندھ کے مقابلے پر گئے تھے۔ رَطہ کے قریب ہی دونون حریفون کا سامنا ہوا۔ لڑائی چھڑی۔ اور دم بھر مین رومیون نے تین طرف پھیل کے لشکر اسلام کو اپنے حلقے مین کر لیا۔ اتنے مین رَطہ کے محصورین بھی سخت نرغہ کر کے نکلے۔ اور محاصرین کو ہٹا ہٹا کے حسن بن عمار کے پیچھے پہونچ گئے۔

اب مسلمانون کی حالت بہت نازک تھی۔ اُنھین فلاح کی کوئی صورت نہ نظر آتی تھی۔ اور دشمنون کے اتنے زبردست لشکر کا سامنا تھا کہ جان بری کی بظاہر کوئی امید نہ ہو سکتی تھی۔

انجمن اشاعۃ الاسلام لکھنؤ

(اس مضمون کو تمام مسلمانان ہند غور سے ملاحظہ فرمائین)

اب وقت ہے کہ مسلمان چونکین - اپنی حالت دیکھین - اور متنبہ ہون - اسلام ایسا سادہ مہذب اور شائستہ دین ہے کہ اُس مین توحید و رسالت اور ذکر معاد و تہذیب اخلاق کے سوا نہ کوئی خلاف عقل باتین تھین - نہ دور از قیاس کہانیان اور افسانے - نہ طفلانہ مزاجی کی رسمین تھین اور نہ کھیل تماشون کے کرشمے ایک سیدھی سادی خدا پرستی تھی اور شرک سے بچنا عام راے تھی کہ چند روز مین یہی دین دنیا کا عام مذہب ہو جائے گا - چنانچہ ایک ہی صدی مین دعوت اسلام ساری مہذب و آباد دنیا مین پہونچ گئی - اور ہر ملک و قوم کے لوگ ایسے ذوق و شوق سے اسلام کو قبول کر رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا چند ہی روز مین تمام ادیان و ملل کا خاتمہ ہو جائے گا -

مگر تھوڑے زمانے کے بعد مسلمانون نے کچھ تو اپنے باہمی اختلافات اور کچھ دنیوی حکومت کے شوق مین اپنی وضع و حالت بدلنا شروع کر دی اور جو جو اُن کی حالت بدلتی گئی تبلیغ و اشاعت دین کا اثر بھی کم ہوتا گیا - یہان تک کہ ہماری نالائقیون اور دینی بے پروائیون نے یہ حالت کر دی کہ بعض لوگ دین اسلام چھوڑ چھوڑ کے مرتد ہونے لگے بے شک یہ آزادی کا زمانہ ہے اور ہر شخص کو اختیار ہے کہ جس دین کو چاہے قبول کرے - لیکن اس کے ساتھ ہی ہر مذہب کو اپنی حقیت ثابت کرنے کی بھی پوری آزادی حاصل ہے - اور مذاہب مین ایک مقابلہ شروع ہو گیا ہے کہ اپنی سچائی کو ظاہر کرین - اپنی خوبیان بتائین - اور آشکارا کر دین کہ ہمین دنیا کو اپنی طرف بلانے اور بنی نوع انسان کو اپنا پیرو و پابند بنانے کا کیون حق حاصل ہے -

مگر افسوس کہ اس مقابلے مین ہم بے پروائی کرتے ہین اور لوگ اگر اپنے عیوب کو چھپاتے ہین تو ہم اپنی خوبیون پر پردہ ڈالتے ہین - اگر ہم اسلام

مسلمان بھی صراط مستقیم سے بھٹک کے گمراہی کے گڑھے مین گرے۔ اس کا ثبوت اِس سے زیادہ کیا ہوگا کہ افریقہ مین مشنری پادری باوجودیکہ دولت و حکومت دونون چیزون سے زور لگاتے ہین مگر بجاے اس کے کہ کوئی مسلمان عیسائی ہو گاؤن کے گاؤن اور شہر کے شہر مسلمان ہوتے چلے جاتے ہین۔ بخلاف وہان کے ہندوستان مین ہمارے علما کی بے پروائی اور ہماری خلائق غفلت کا یہ اُلٹا نتیجہ ہے کہ بعضے مسلمان توحید ورا ستی چھوڑ کے مشرک ہونے لگے ہین۔

ہندوستان مین سب سے بڑی دشواری یہ پیدا ہوئی ہے کہ یہان آریہ سماج کا ایک نیا فرقہ پیدا ہو گیا ہے جس نے ہندو مذہب کو ایک نئے فلسفہ کا لباس پہنایا اور بڑے جوش و خروش سے اِس بات کی کوشش شروع کر دی کہ اُن ہندی نژاد مسلمانون کو جو صدیون سے مسلمان ہو چکے ہین بہکا کے پھر ہندو بنا یا جاے پڑھے لکھے اور دیندار مسلمانون پر تو آریون کا فریب بالکل نہین چلتا۔ گاؤن کے بعض جاہل نومسلم البتہ کبھی کبھی اُن کے فقرون مین آجاتے ہین اور ہمین اُس وقت خبر ہوتی ہے جب اصلاح غیر ممکن ہو جاتی ہے۔

ہندوستان کے لاکھون کرورون نومسلم دراصل ہمارے اگلے برکات اسلام کی وہ امانتین ہین جو ہمارے ہاتھ مین دی گئی ہین اگر ان امانتون کو ہم ضائع کر دین تو ہم سے زیادہ نالائق و ناخلف کوئی نہین ہو سکتا۔ سچ یہ ہے کہ اسلام ایسا دین نہین کہ اُس کے ایک پیرو کو بھی کوئی برگشتہ کر سکے۔ مگر اس کا کوئی علاج نہین کہ ہم خبر نہ لین۔ غافل پڑے رہین۔ اپنے دین کی خوبیون اور برکتون کو جاہل مسلمانون کے ذہن نشین نہ کرین۔ اور دوسرے لوگ دنیا کا لالچ دلا کے یا اپنی کثرت دکھانے کے ساتھ اپنے گروہ مین لینے کا وعدہ کر کے کسی کو بہکا لین۔

بہرحال ضرورت ہے کہ نہایت ہی جوش و سرگرمی سے اس طرف توجہ کیجائے اور جن مقامات کے جاہل مسلمانون پر آریہ ساجیون یا مسیحی پادریون کی کمندین پڑنے کا اندیشہ ہو اُن کو جہا نتک بنے ہم قعر جہنم مین گرنے سے بچائین۔ اس

دینی و قومی خدمت کو مولنا شبلی مرحوم نے اپنے ذمے لیا تھا۔ اور بڑی خوبی سے انجام دے رہے تھے کہ خدا نے اُنھین اپنے جوار رحمت مین بلا لیا۔ اور اُن کے جانشینون نے علمی خدمت اور اُن کے مذاق کے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھنے کی تو کوشش کی مگر جہان تک ہمین معلوم ہے اِس کام کو بالکل چھوڑ دیا جو ہمارے خیال مین کم اہمیت نہین رکھتا۔

مولانائے مرحوم کی کوشش کے علاوہ بندیل کھنڈ کے ضلع اورئی و جالون مین بھی ایک انجمن اشاعۃ الاسلام قائم تھی جو اِس دینی خدمت کو سات آٹھ سال سے مستعدی کے ساتھ انجام دے رہی تھی۔ بندیل کھنڈ مین نومسلمون کی بڑی بھاری تعداد ہے۔ اور آریہ سماجیون نے کوشش شروع کی کہ اُن سب کو پھر ہندو بنا کے اپنے گروہ مین شامل کر لین۔ یا اُن کی ایک نئی ہندو جماعت قائم کر دین۔ اِس انجمن نے اپنے واعظ بھیج کے اور دیگر مناسب تدابیر سے آریون کی کارروائیون کو کالعدم کر دیا۔ اور وہان کے نومسلمون کو دشمنان اسلام کے فریب ہی نہین بچایا بلکہ بہتون کو اپنے عقائد سے واقف کر کے دیندار بنا دیا۔

مگر افسوس کہ آریون کی کوششین اب بھی اُسی سرگرمی سے جاری ہین اور مسلمانون کی وہ انجمن بعض اسباب سے کمزور پڑ گئی۔ جہان تک ہمین معلوم ہے وہان کے مسلمان چندہ بھی بڑی فیاضی سے دیتے رہے تھے۔ اور مولوی سید محمد سلیم صاحب جعفری ناظم انجمن اشاعۃ الاسلام بندیلکھنڈ جو وہان کی تمام کارروائیون کے روح رواں ہین آج بھی اُس مستعدی سے اشاعت دین کے کام کو انجام دے رہے ہین۔ مگر اب بعض مربیون کے ہٹ جانے سے انجمن مذکور کی حالت متزلزل نظر آنے لگی۔ چنانچہ مولوی محمد سلیم صاحب کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ مسلمانان بندیلکھنڈ چاہتے ہین کہ اشاعۃ الاسلام کی ایک صدر انجمن لکھنؤ مین قائم کی جائے۔ اور اُس کے ذریعے سے اس دینی خدمت کا کام بڑے پیمانے پر اور وسعت کے ساتھ جاری کیا جائے خصوصاً

تحریک کرون - چنانچہ روز جمعہ ۳۰ محرم سنہ ۱۳۳۶ھ (۱۶ نومبر سنہ ۱۹۱۷ء) کو مین نے عام اشتہار دے کے حکیم محمد عبد القوی صاحب کے مکان واقع جھوائی ٹولہ پر ایک عام جلسہ طلب کیا - اگر چہ اِس مین کثرت سے مسلمان نہین شریک ہوسکے مگر جتنے حضرات شریک تھے بھر دسے کے لوگ تھے - اور باہر کے معزز حضرات مین سے مولوی مسعود الزمان صاحب بیرسٹر رئیس باندہ اور منشی نذیر احمد صاحب ایڈیٹر اخبار سادات الہ آباد شریک تھے - مولوی محمد نظام الدین حسن صاحب سابق ڈپٹی کمشنر برار کی صدارت مین کارروائی شروع ہوئی - اور مولوی سید محمد سلیم صاحب نے اپنی اور اپنے دیگر اصحاب کی کوششون کو بیان کیا - مولوی مسعود الزمان صاحب اور منشی نذیر احمد صاحب نے اُن کے بیان کی تصدیق کی - اور بتایا کہ مولوی محمد سلیم صاحب نے جس قدر فرمایا اُس سے زیادہ کارروائیان آپ کی انجمن نے کین اور ہزارون مسلمانون کو گمراہی سے بچا لیا - خصوصاً منشی نذیر احمد صاحب نے ظاہر فرمایا کہ اُنھون نے خود سفر کر کے بندیلکھنڈ کے اکثر گاؤن اور انجمن کی کارگزاریون کو دیکھا ہے اور اُس کے حالات اپنے اخبار مین شائع کیے ہین -

بہر تقدیر اتفاق آرا سے لکھنؤ مین ایک انجمن اشاعۃ الاسلام قائم کر دی گئی - ارکان کی فہرست مین بہت سے معزز حضرات کے اسمائے گرامی درج ہوئے - اور حسب ذیل عہدہ دار منتخب ہوئے -

(۱) نواب ذو القدر جنگ بہادر صدر نشین جلسہ - (۲) شیخ شاہد حسین صاحب بیرسٹر معتمد - (۳) حکیم محمد عبد القوی صاحب اول شریک معتمد - (۴) خاکسار محمد عبد الحلیم شرر دوم شریک معتمد - (۵) مولوی محمد نظام الدین حسن صاحب خازن -

پچیس ارکان کی ایک انجمن انتظامی بھی اسی جلسے نے مقرر کر دی - جس کے لیے چند ارکان منتخب ہو گئے اور باقی تعداد کے پورے کر لینے کا منتخب شدہ ممبرون کو اختیار دیا گیا -

اس انجمن کی شرکت کے لیے ارکان کے ذمے تین روپیہ سالانہ

چندہ معین ہوا- اور قرار پایا کہ ہندوستان کے تمام شہرون کے لوگ اس انجمن کے رکن ہو سکتے ہین- نیز یہ کہ ارکان انتظامی کے سوا عام ارکان بھی چاہے وہ کہین کے ہون انتظامی جلسون مین شریک ہو سکتے ہین اور اُن کے ووٹ بھی محسوب کیے جائین گے-

مولوی مسعود الزمان صاحب بیرسٹر نے اسی جلسے مین دو سو روپیہ کا عطیہ انجمن کو عطا فرمایا اور منشی نذیر احمد صاحب نے دس روپے عطا فرمانے کا وعدہ کیا-

بہر حال لکھنؤ مین انجمن اشاعۃ الاسلام قائم ہو گئی- اور اُس نے اپنے ذمے یہ دینی خدمت لی ہے کہ ہندوستان کے جن مقامات مین جاہل اور نو مسلم اہل اسلام خطرناک حالت مین ہون یا اُن کے دین سے برگشتہ ہو جانے کا اندیشہ ہو وہان اصلاح و تبلیغ کی مناسب کارروائیان کی جائین واعظ بھیجے جائین- مسلمانون کو دینداری سکھائی جائے- اور جہان تک ممکن ہو اُن مین رہنے کے لیے اُس علم اور پابند دین واعظ مستقل طور پہ مقرر کر دیے جائین-

دلگداز نے اپنے ذمے لیا ہے کہ اس انجمن کا ارگن بنے- چنانچہ وہ اُس کی مختصر کارروائیون کو شائع کرتا رہے گا اور وہی چندے اور عطیے کی رقمون کی رسید بھی دے گا- بعد کے نمبرون مین ہم جملہ ارکان کی فہرست بھی شائع کر دین گے- اور لکھنؤ یا دیگر شہرون کے جو جو حضرات اس انجمن کا رکن ہونا قبول فرمائین گے اُن کے اسمائے گرامی برابر شائع ہوتے رہین گے-

اوری مین انجمن کی ایک شاخ پہلے سے قائم ہے اور کئی واعظ و امام وہان کام کر رہے ہین- جن کی مشرح رپورٹ بھی ہم آئندہ دلگداز مین شائع کرین گے- ہمین سب سے زیادہ شکر گزار مولوی مسعود الزمان صاحب بیرسٹر کا ہونا چاہیے- جنھون نے یہی نہین کیا کہ دو سو روپیہ انجمن کو مرحمت فرمائے

کے فضل سے ایک انجمن بھی قائم ہو گئی - بیس روپیہ ماہوار مشاہرے پر ایک عالم صاحب طلب کیے گئے ہین - اور کوشش ہو رہی ہے کہ کوئی مستعد ذی علم بزرگ تلاش کر کے وہان بھیجے جائین -

ہر شہر کے مسلمانون سے خواہش کی جاتی ہے کہ :-

(اول) اُن کے علم مین جہان جہان مسلمانون کی حالت خطرناک ہو اور اُن کے دین سے برگشتہ ہونے کا اندیشہ ہو وہان کے مفصل مشرح حالات سے انجمن کو مطلع فرمائین - اور یہ بھی بتائین کہ وہان کن حضرات سے مراسلت کی جا سکتی ہے -

(دوم) جو دیندار اور ذی علم سُنی المذہب عالم یا طلبہ خدا و رسول کی خدمت بجالانے پر تیار ہون اور اِس کو گوارا کر سکتے ہون کہ انجمن جس شہر یا گاؤن مین انھین بھیجے وہان ٹھہر کے لوگون مین وعظ کہین گے اُن کے شکوک رفع کرین گے اور اُنھین سچا دیندار بنائین گے وہ انجمن سے مراسلت فرمائین اور بتائین کہ کس ماہانہ مشاہرے پر وہ اِس خدمت دین کو انجام دے سکین گے -

(سوم) کن کن شہرون کے مسلمان اس خدمت کو انجام دے سکتے ہین کہ اشاعۃ اسلام کی ایک انجمن اپنے شہر مین قائم کرین - جس خدمت کو ہم نے اپنے ذمے لیا ہے اُس مین ہمارا ہاتھ بٹائین - اور اپنے قرب و جوار کے مسلمانون کو نفع پہونچائین -

انجمن کے متعلق جملہ مراسلت خاکسار محمد عبد الحلیم شرر ایڈیٹر دلگداز سے کی جائے - اسلیے کہ فی الحال دفتر انجمن کی کارروائی و مراسلت میرے ہی ذمے ہے -

---

محبان رسول اکرم سے التجا

ذمے لیا ہے۔ حقیقۃً انجمن آپ ہی کی طرف سے کام کر رہی ہی۔ لہذا اب
آپ کا فرض ہے کہ اس کار خیر مین شریک ہون۔ انجمن کی رکنیت قبول فرمائین
اور اپنی فیاضی سے انجمن کو اس قابل بنائین کہ وہ اس دینی خدمت کو
آپ کے اور اپنے حوصلے کے مطابق انجام دے سکے۔ قوم فیاض ہے۔ اور
مسلمانون مین راہ حق مین دولت لٹا دینے والے آج بھی موجود ہین مگر یہ بہت
کم لوگ جانتے ہین کہ کس کام مین فیاضی دکھائی جائے۔ آپ نے بہت سے
ضروری کامون مین چندہ دیا ہے اور جہان اسلام کا نام آیا وہان شیدایان
دین محمدی نے اپنے آپ کو لُٹا لُٹا دیا ہے۔ لیکن آپ ہی انصاف فرمائین
کہ جس خدمت کو انجمن اشاعۃ الاسلام نے اپنے ذمے لیا ہے وہ سب سے
اہم اور سب سے زیادہ ثواب کی خدمت ہے یا نہین اگر قوم نے توجہ کی جس کی
پوری امید ہے تو ہم انشاء اللہ دکھا دین گے کہ ہم عیسائی مشنریون اور آریہ سماجی
واعظون سے زیادہ کامیاب ہو سکتے ہین اور انسان کے دل کو جس خوبی سے
کلمہ توحید "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" جیت سکتا ہے اور کوئی کلمہ اور کوئی
عقیدہ نہین جیت سکتا۔

بہر حال رئیسون اور تاجرون اور سچے حامیان دین سے التماس
ہی کہ جس قدر توفیق ہو فیاضی سے کام لین اور اس موقع پر کمی نہ کرین۔ یہ بھی
بتا دینا ضروری ہی کہ چندہ صرف دفتر انجمن مین بھیجا جائے جہان سے اُن
لوگ سیل بھیج سکے رقم خازن صاحب کی خدمت مین پہونچا دی جایا کرے گی

خاکسار۔ محمد عبد الحلیم شرر دوم شریک معتمد

بڑی جنتری سنہ ۱۹۱۸ء

نامی پریس کی مشہور بڑی جنتری تیار اور شائع ہو گئی۔ اب کی اس مین موجودہ عالمگیر یورپ کے
مختصر حالات ۲۱ جون سنہ ۱۹۱۴ یعنی آغاز جنگ سے ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۹۱۷ تک کے درج کیے گئے ہین دونون
جہان کے سلاطین اور حکمرانون کی سادی تصویرین ہین۔ بہر حال نہایت ضروری اور سال بھر نظر کے سامنے
رکھنے کے قابل چیز ہے۔ اول درجے کی جنتری کی قیمت ۱۲ ہے۔ منشی محمد رحمت اللہ صاحب رعد کو نامی
پریس کانپور کے پتے پر خط بھیج کے منگوائیے۔ اور خط مین صاف لکھیے کہ اول درجے کی بڑی جنتری" بھیجیے اور

شفائی جنتری۔ سنہ ۱۹۱۸ع کی جنتری کے ساتھ بیش قیمت علمی و تاریخی معلومات کا کافی ذخیرہ اور بہت سی دلچسپ باتین اور شیر شاہ کے مقبرے اور بُدھ کے مندر کی صاف اور نفیس تصویرین ہین۔ کاغذ گندہ سفید ہی۔ یہ جنتری علاوہ ٹائیٹل کے ۱۰۸ صفحون پر پوری ہوئی ہے۔ بہر حال منگوانے اور رکھنے کے قابل ہی۔ اس کو حکیم محمد شمس الحسن صاحب سہسوانی طبیب گیا نے مرتب کر کے شایع کیا ہی اُنھین سے طلب کی جائے قیمت فی جلد ۸/

صوفی جنتری یہ بھی شان کی جنتری ہی جو دراصل مشائخ صوفیہ کے لیے عرسون اور دینی تقریبون کی مکمل یادداشت ہی۔ ہر ماہ مین اُس مہینے کی دینی ہدایتین۔ اُن محترم بزرگان دین کے اسماے گرامی جنھون نے اس ماہ مین رحلت فرمائی اور اُس مہینے مین جو اہم تاریخی و دینی واقعات پیش آئے سب بتا دیے گئے ہین۔ اس کے علاوہ ۱۴ نامور بزرگون اور ائمۂ دین کے روضون اور مقبرون کی تصویرین اور وسیع دینی معلومات ہین ۱۱۲ صفحون پر پوری ہوئی ہے۔ ہر مسلمان کو اس کی ایک جلد رکھنی چاہیے۔ قیمت ۸/ ہی۔ ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی سے پنڈی بہاء الدین ضلع گجرات کے پتے پر خط بھیج کے منگوائی جائے۔

قدردانان دلگداز

سال پورا ہوا۔ سنہ ۱۹۱۷ع کے بارھون نمبر آپ کی خدمت مین پہونچ گئے۔ ناول بابک خرمی جلد دوم جو سنہ ۱۹۱۷ع کے خریدارون کی نذر کیا جائے گا تیار ہی۔ اور اس پرچے کے پہونچنے کے دس ہی بارہ روز بعد سے اُس کے وی پی عہ/ کے سنہ ۱۹۱۸ع کے چندے پر روانہ ہونا شروع ہو جائین گے۔ خیال رکھیے۔ اپنے خادمون کو تاکید فرما دیجیے کہ واپس نہ کرین۔ جنوری کا دلگداز بھی تیار ہی جو بہت جلد شائع ہوگا۔

خاکسار مینیجر دلگداز